إرشاد السالكين إلى رياض الصالحين

المعروف بہ

حدیث

کے

اصلاحی مضامین

جلد چہاردہم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:........... حدیث کے اصلاحی مضامین (جلد چہاردہم)

افادات:........... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

بہ اہتمام:...................خدّام حضرت اقدس دامت برکاتہم

صفحات:..............................۴۸۰

ناشر:.................... مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل، گجرات

اِن مضامین کو انٹرنیٹ سے حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- شعبۂ فیض محمود، سورت، Mo: 99988,31838
- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ ڈابھیل، Mo:99133,19190
- مکتبہ محمدیہ (مفتی سلیمان شاہوی) ترکیسر Mo:88666,21229
- مکتبۂ انور (مفتی عبدالقیوم راجکوٹی) ڈابھیل Mo:99246,93470
- کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند Mo:97562,02118
- مکتبۃ الاتحاد دیوبند Mo:98972,96985
- مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ (دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر)
- مولانا بک ڈپو، رانی تالاب، سورت، Mo: 92287,60716

اجمالی فہرست مضامین ...... جلد چہاردہم

تفصیلی فہرست مضامین ...... جلد چہاردہم

باب النَّهي عن إتيان الكُهّان والمنجِّمين والعُرَّاف وأصحاب الرمل والطوارق بالحصى وبالشعير ونحو ذلك

کاہنوں، نجومیوں، عرّاف اور علمِ رَمَل کے جاننے والوں کے پاس جانا، اور کنکر، جَو یا ایسی کسی چیز کے ذریعہ سے پرندوں کو اُڑانا منع ہے

باب النهي عن الحلف بمخلوق

كالنبي والكعبة والملائكة والسماء والآباء والحياة والروح والرأس وحياة السلطان ونعمة السلطان وتربة فلان والأمانة، وهي من أشدها نهياً

مخلوق کی قسم کھانے کی ممانعت کا بیان

باب تغليظ اليمين الكاذبة عمداً

جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا بڑا سخت گناہ ہے

باب ندب من حلف عَلَى يَمينٍ فرأى غيرها خيراً مِنْهَا أَنْ يفعل ذَلِكَ المحلوف عَلَيْهِ ثُمَّ يُكَفِّرعن يمينه

باب كراهة الحديث بعد العشاء الآخرة

عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کی ممانعت

باب تحريم امتناع المرأة من فراش زوجها

إِذَا دعاها ولم يكن لَهَا عذر شرعي

جب شوہر کی طرف سے بیوی سے بستر پر آنے کا مطالبہ ہو، تو اس کے لیے کسی عذرِ شرعی کے بغیر انکار کرنا حرام ہے

باب تغليظ تحريم إباق العبد من سيده

غلام کا اپنے آقا کے یہاں سے بھاگ جانا سخت حرام ہے

باب تحريم الشفاعة في الحدود

شریعت کی مقرر کی ہوئی سزاؤں کے متعلق سفارش حرام ہے

باب النهي عن التغوط في طريق الناس وظلّهم وموارد الماء ونحوها

لوگوں کے راستے میں یا لوگ جہاں سایہ حاصل کرتے ہوں یا پانی کی جگہوں پر پیشاب پاخانہ کرنے کی ممانعت

تحریم إحداد المرأة على ميت فوق ثلاثة أيام إلا على زوجها أربعة أشهر وعشرة أيام

کسی عورت کا کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا (ترکِ زینت کرنا) حرام ہے، سوائے شوہر کے؛ شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن (ترک زینت کر کے) سوگ منانے کی اجازت ہے

باب تحريم بيع الحاضر للبادي وتلقي الركبان والبيع على بيع أخيه والخِطبة على خطبته إلا أنْ يأذن أو يردّ

شہر کے رہنے والے کا دیہاتی کے لیے فروختگی کا معاملہ کرنا، جو قافلے مال لے کر شہر میں بیچنے کے لیے آرہے ہوں ان سے شہر سے باہر بالا ہی بالا سودا کرلینا، اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرنا، کسی کے پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح دینا ان سب باتوں کی ممانعت

باب النهي عن إضاعة المال في غير وجوهه التي أذن الشرع فيها

شریعت نے جہاں مال خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی ہے وہاں مال خرچ کر کے ضائع کرنے کی ممانعت

بَابُ تَحْرِيْمِ اِنْتِسَابِ الْاِنْسَانِ اِلَى غَيْرِ أَبِيْه وَتَوَلِّيْهِ اِلَى غَيْرِ مَوَالِيْه

آدمی کا خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا اور غلام کا اپنے آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف آزاد کرنے والا ہونے کی نسبت کرنا حرام ہے

بَابُ التَّحْذِيْرِ مِنْ اِرْتِكَابِ مَانَهَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَوْرَسُوْلُهُ ﷺ عَنْهُ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان کا ارتکاب کرنے سے ڈرانے کا بیان

افتتاحیہ

کوئی بھی تربیتی کورس تب تک نامکمل مانا جاتا ہے جب تک اس میں کی, جانے والی اشیاء کے ساتھ ساتھ نہ کرنے کی چیزیں بھی نہ بتادی جائیں، ڈاکٹر جیسے مریض کو دوا بتاتا ہے، پرہیز بھی بتاتا ہے اور پرہیز کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ہر دوا کی جڑ ہے، الحمیۃ رأس کل دواء۔

یہ ممکن ہے کہ انسان دوا استعمال نہ کرے لیکن پرہیز مکمل کرے اور وہ اچھا ہوجائے، لیکن یہ (اسباب کے درجے میں) کبھی نہیں ہوسکتا کہ پرہیز ذرا بھی نہ کرے، دوا استعمال کرتا رہے اور وہ اچھا ہوجائے۔

انسان کو ایک مکمل انسان بنانے کے لیے جہاں خالق ومالک تعالیٰ نے کرنے کے امور بتائے، وہیں نہ کرنے کی چیزوں کی بھی رہبری فرمادی۔ اس جلد کے مضامین اسی موضوع پر ہیں، اس لیے اس جلد کو آپ ''ممنوعات ومنہیات کا انسائیکلوپیڈیا'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

امام نوویؒ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ترتیب قائم فرماکر سرخیاں لگائی ہیں، آیات وروایات کا کیا حسین گل دستہ ہے، بعض ممنوعات ایسے ہیں کہ وہ خالص انسان ہی کی حفاظت یا اس کی سہولت وراحت کی خاطر ہیں۔ مثلاً: رات کو گھر میں آگ جلتی چھوڑنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ یہی چیز گھر میں آگ لگنے کا سبب بن سکتی ہے۔ ایک پیر میں چپل اور ایک ننگا؛ ایسے چلنے سے منع فرمایا، کیوں کہ اس میں جہاں بے وقاری ہے، وہیں بیلنس کھوکر گرنے کا بھی اندیشہ ہے۔ کہانت کی ممانعت فرماکر مخلوق کے مال کے ایک بڑے حصہ کو ضائع ہونے سے بچالیا۔ بدشگونی؛ توہمات

کا باب وا کرنے والی چیز ہے، اس سے روک دیا۔

الفاظ کا استعمال بہت نپا تلا ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ کچھ بھی بول دیا۔ جی برا ہو رہا ہوتو بجائے 'خَبُثَتْ نَفْسِيْ' کے 'لَقِسَتْ نَفْسِيْ' کہنا چاہیے۔ انگور کے لیے عربی میں لفظ 'کرم' کے استعمال سے منع فرمایا، ارشاد ہوا کہ انگور کہاں سے 'کرم' ہوگیا؟ 'کرم' تو مؤمن کا قلب ہے۔

یہ جملہ لا ابالی پن اور غفلت کی غمازی کرتا ہے کہ 'میں قرآن بھول گیا' ہمارے مؤدب ومہذب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تہذیب وادب سکھایا کہ یوں کہو 'قرآن بھلا دیا گیا'

اس میں کتنے اعلیٰ درجے کی نفاست ہے کہ انسان کھاتے وقت وہ ہاتھ استعمال نہ کرے جس سے غلاظت ونجاست دور کرتا ہے، یا غلاظت ونجاست دور کرنے میں وہ ہاتھ استعمال نہ کرے جو کھانے پینے کے لیے ہے کہ عین کھانے اور پینے کے وقت اگر اس گندی حالت کا تصور آ گیا تو انسان کا کھانا پینا مشکل ہو جائے گا۔

بعض ممنوعات ایسے ہیں جو دوسروں کی خاطر رکھے گئے ہیں، مثلاً: کسی ایک بچے کے ساتھ داد ودہش میں ترجیحی معاملہ کرنا کہ یہ دوسرے بچوں کے لیے تکلیف و پریشانی کا باعث ہے۔

بعض چیزیں انسان کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کی خاطر منع کر دی گئیں، مثلاً: تصویر سازی۔ ذی روح کی تصویر سازی پر شدید وعیدیں اور اظہار ناراضگی فرمایا گیا کہ یہ چیز انجام کار شرک وبت پرستی کی راہ ہموار کرتی ہے۔

غرضیکہ جتنے بھی ممنوعات ہیں؛ اگر عقل سلیم کی روشنی میں ذرا سا غور وفکر کیا جائے گا تو وہاں انسانوں ہی کا کوئی نہ کوئی بہت بڑا (دینی یا دنیوی) فائدہ، یا ان کی کسی

بہت بڑے (دینی یا دنیوی) نقصان سے حفاظت کا پہلو کسی نہ کسی زاویے سے نظر آئے گا۔
اور کیوں نہ ہو کہ آخر آنحضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات کو ربُّ العالمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر جو بھیجا تھا۔ اب تو یہ ہے کہ ''مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ، وَمَنْ أَسَآءَ فَعَلَيْهَا'' جو عمل کرے گا وہ نفع میں رہے گا، اور جو عمل نہ کرے گا وہ نقصان اُٹھائے گا۔

اس سب کے باوجود ہم آخر ہیں تو بندے ہی، لہٰذا کسی حکم کی کوئی حکمت و مصلحت ہمیں معلوم نہ بھی ہو تب بھی ہم اس پر عمل تو جی جان سے ہی کریں گے کہ اگر حکمت و مصلحت ہی تلاش کرتے رہے تو وہ بندگی ہی کیا ہوئی؟

ابو زاہر
۱۱/۱۱/۱۴۳۶ھ

تحريم النظر إِلَى المَرأة الأجنبية
والأمرد الحسن لغيرحاجة شرعية

اجنبی اور پرائی عورتوں کو دیکھنے
اور بے ریش لڑکوں کی طرف نظر کرنے کی حرمت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

افتتاحیہ

''**نگاہ وشرمگاہ کی حفاظت**'' والا مضمون آج سے تقریباً دس سال قبل درسِ ریاض الصالحین میں حضرت اقدس دام مجدہم نے بیان فرمایا تھا، اس کی افادیت کے شدید احساس کے پیشِ نظر اسے اسی وقت رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا گیا تھا، اسی موقعہ پر اس کے لیے ایک افتتاحیہ بھی لکھا تھا۔ اب یہ مضمون جب ترتیب کے مطابق ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' (جلد: ۱۴) کی زینت بننے جارہا ہے؛ تو اس افتتاحیہ کا اعادہ بھی کچھ مضر نہیں، ان شاء اللہ۔ ھوہٰذا...... (ابوزاہر)

قرآنی اور نبوی تعلیمات سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس بات سے ناواقف نہیں ہوگا کہ خالق کائنات اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں نگاہوں کی پاکیزگی اور شرم گاہ کی حفاظت کی کتنی زیادہ اہمیت ہے، اور نگاہوں کی پاکیزگی بھی دراصل شرم گاہ کی حفاظت کے لیے ہی مطلوب ہے، تو اصل مقصد تو حفاظتِ فرج ہی ہے۔ سورۂ مومنون میں فلاح یاب مؤمنین کی صفات کے منجملہ فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں'' سورۂ احزاب میں ان حضرات کی فہرست میں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کیا ہے ان مردوں اور عورتوں کو بھی نمبر دیا گیا ہے جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔ سورۂ معارج میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝۱۹ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝۲۰ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝۲۱﴾ ''اس میں شک نہیں کہ انسان بڑا بے صبرا واقع ہوا ہے، اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو دَھم پچھاڑے کرتا ہے، اور اگر حالات سازگار ہو جائیں تو کنجوس بن جاتا ہے۔'' البتہ وہ لوگ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں جن میں یہ صفات ہیں، یہاں بھی منجملہ اور صفات کے حفاظتِ فرج کو شمار کیا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں مواقع میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ تینوں جگہ جملہ اسمیہ استعمال ہوا ہے جس میں عربیت کے قواعد کی رو سے استمرار اور دوام ہوتا ہے، حاصل یہ نکلا کہ یہ صفت ان کی وقتی

نہیں ہے؛ بلکہ دوامی ہے، یعنی اِکّا دُکّا کبھی کبھار کوئی شخص شرم گاہ کے گناہ سے بچ جائے تو یہ کوئی بات نہیں ہوئی، بات تو تب ہے جبکہ آدمی ہمیشہ بچے۔

اوپر جن تین آیتوں کا ترجمہ یا مفہوم پیش کیا گیا، ان میں سے اول و آخر آیت میں اپنی بیویوں اور باندیوں کا استثناء کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بیویوں اور باندیوں کے معاملہ میں کوئی پابندی اور روک ٹوک نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بھی درحقیقت حفاظتِ فروج میں معین و مددگار بننے والی ہیں۔ گھر میں بھوک مٹ جائے تو باہر مارا مارا کیوں پھرے؟

حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے: اگر کسی اجنبیہ پر اچانک نظر پڑ جانے سے دل میں داعیہ پیدا ہو جائے تو گھر آ کر اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہو جائے، چاہے وہ تنور پر ہو (باورچی خانہ میں کتنے ہی اہم کام میں مشغول ہو) کیوں کہ اُس کے پاس وہی ہے جو اِس کے پاس تھا۔ یہ بھی تاکید فرمائی گئی کہ لڑکا لڑکی جب شادی کے لائق ہو جائیں تو پھر شادی میں بلا کسی معقول عذر کے تاخیر نہیں کرنی چاہیے، اگر دیر کی اور وہ گناہ میں مبتلا ہوئے تو ماں باپ بھی گنہگار ہوں گے۔ اگر کوئی شخص تصحیح نیت کے اہتمام کے ساتھ صحبت کرے تو اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس پر حیرت کا اظہار کیا تو ارشاد فرمایا کہ: اچھا بتاؤ! اگر یہ شہوت غلط جگہ پوری کرتا تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ بلکہ محبت کے ساتھ بیوی کے منھ میں لقمہ دینے پر بھی ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ نکاح کا تحفہ امت کے نوجوانوں کو کس مصلحت کے پیشِ نظر دیا گیا؟ دو ہی بڑی مصالح بتائیں: (۱) نگاہوں کی حفاظت (۲) شرم گاہ کی پاکی۔ اس کے بعد بھی اگر کسی کی نگاہ میں پاکیزگی نہ آئے اور شرم گاہ محفوظ نہ ہو؛ تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟ گھر میں کھانا موجود ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی بھوکا پیاسا مارا مارا پھرتا ہو؛ تو اس میں بھول کس کی ہے؟ کسی کی تشفی ایک سے نہ ہوتی ہو؛ تو چار تک کی اجازت دی گئی۔

ایک موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: اے اللہ! تو میری شرم گاہ کو محفوظ کر دے۔

ایک اور موقع پر فرمایا: اے اللہ! میں اپنی منی کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کی تاکید کی گئی، علاوہ ازیں عورتوں کو بلا ضرورتِ شدیدہ گھر سے نکلنے سے منع کر دیا گیا۔ وقتِ ضرورت نکلنے پر شرعی پردہ کی پابندی عائد کر دی، خوشبو لگا کر نہ نکلے، میلے کچیلے کپڑوں میں نکلے، بجتا زیور پہن کر نہ نکلے، اجنبیوں سے بلاضرورت بات نہ کرے، اگر بات کرنے کی نوبت آ ہی جائے تو ناز و ادا سے بات نہ کرے؛ بلکہ کڑک لہجے میں بات کرے۔ فون ریسیو کرنے والی خواتین توجہ دیں۔ اولاً تو مردوں کی گھر میں موجودگی کی صورت میں انہیں فون ریسیو کرنا ہی نہیں چاہیے۔ اور گھر میں کوئی بھی مرد موجود نہ ہو تو لہجہ اور آواز کو بہ تکلف سخت بنا کر مختصر سی بات کر لینی چاہیے۔ عموماً ہمارے معاشرہ میں مرد فون ریسیو کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ گھر میں ان کے موجود ہوتے ہوئے عورتوں کا فون ریسیو کرنا؛ مردوں کی غیرت کے خلاف ہے۔ اگر اس بات کے آثار و قرائن غالب ہوں کہ کال (Call) کسی خاتون ہی کا ہے؛ تو بات اور ہے۔

الحاصل! ان تمام احکامات کے جاری کرنے کے پیچھے آخر کون سے مقاصد کارفرما ہیں؟ ظاہر یہی ہے کہ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ وجود میں آئے۔ ''یک در گیر: محکم گیر''۔ آج تو ماحول اتنا آلودہ ہے، مادی اعتبار سے بھی اور معنوی اعتبار سے بھی؛ مگر مادی آلودگی (Polution) کا احساس بھی ہے اور علاج کا فکر بھی ہوتا ہے، مگر معنوی اور روحانی کثافت کا کسی کو احساس ہی نہیں ہے، اس کی پاکیزگی اور نورانیت کا تصور بھی جلدی سے قائم نہیں ہوتا۔ خالقِ کائنات نے جتنی شدت اور تاکید سے ماحول کو روحانی، نورانی اور پاکیزہ بنانے کی طرف توجہ دلائی، آج کے شیاطین الانس اس کو اتنا ہی غلیظ، کثیف اور آلودہ بنانے کے لیے بے قرار ہو رہے ہیں، عورتوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ پردہ ان کی آزادی پر حملہ ہے، ان کو اجنبیوں کے سامنے نچوایا، آزادی اور تہذیب کے نام پر عورتوں کے ساتھ ایسی دھوکہ بازی؛ کہ اتنا بڑا دھوکہ شاید انسانیت کی تاریخ میں کسی کے ساتھ

نہیں ہوا ہوگا۔ مرد نے اپنی ہوس کی تسکین کی خاطر یا پیسہ بٹورنے کے لیے ایک باعزت صنف کی ساری عزت وعصمت کو تار تار کر دیا۔ اس کو یہ سبق پڑھا دیا کہ تمہیں خوب آراستہ پیراستہ ہو کر گھر سے نکلنا چاہیے۔ گھر میں نہیں بیٹھے رہنا چاہیے۔ تم ملازمت کیوں نہیں کرتی؟ تم بزنس کیوں نہیں کر سکتی؟ کون کہتا ہے تم شاپنگ کرنے نہیں جا سکتی؟ تمہیں ناچنے گانے سے کس نے روک دیا؟ خوب ناچو، گاؤ:

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں نے میدان میں اتر کر ہر میدان مارنے کی کوشش کی، خوب بن سنور کر بازاروں میں آئیں، دکانوں پر بیٹھیں؛ تا کہ جو ہوس خور مرد چاہے اُسے دیکھ کر تسکین حاصل کر لے۔ اب ظاہر ہے کہ صرف دیکھ کر تو تسکین ہونے سے رہی؛ اس کا جو بھی نتیجہ ہونا چاہیے وہ ہوا، اور آج حالت یہ ہوگئی کہ جس عورت کو اسلام نے عزت کی چوٹیوں پر پہنچا کر اُسے تقدّس عطا کیا تھا، آج وہ دوبارہ زمانۂ جاہلیت کی طرح قعرِ مذلت میں جا گری ہے، نہ اس کا کوئی وقار ہے، نہ تقدّس۔ آج پھر اس کی حیثیت ایک کھلونے کی گڑیا جیسی ہوگئی، یا زَرخرید باندی جیسی۔ لیکن اسلام کی زندہ تعلیمات کا دامن آج بھی پھیلا ہوا ہے کہ خواتین اپنے آپ کو اس سے وابستہ کر کے کھویا ہوا مقام واپس لے لیں۔ دل میں تقویٰ ہو، اور جسم پر شرعی پردہ ہو؛ پھر دیکھو! تمہیں کیا مقام ومرتبہ ملتا ہے؟

دوسری طرف ہمارے نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ عورتوں کے پیچھے لٹو بنے پھرتے ہیں، جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں، دلوں میں آگ لگ گئی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک کسی بھی جائز و ناجائز طریقہ سے بجھا نہ لو؛ سکون کہاں ملنے والا ہے؟ اگر ناجائز طریقہ سے بجھائی تو حالت اور نازک ہو جاتی ہے، سکون واطمینان غارت ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ غیر فطری طریقہ میں سکون کہاں؟ آج عموماً یہ حالت ہے کہ مرد کی نگاہ کہیں لڑی ہوئی ہے، بیوی کا گھپلہ کہیں چل رہا ہے، خاندان اور معاشرت کی حالت تباہ و برباد ہے۔ خمیازہ معصوم و نابالغ بچوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس ڈھٹائی اور بے ہودگی کے ساتھ کھلم کھلا ہمارے مرد اور عورتیں خدا کو ناراض کرنے پر تلے ہوئے ہیں؛ اس کو دیکھ کر آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسے میں آخر سکون ملے تو کیسے ملے، اور کہاں ملے؟ شہر میں پچاسوں تھیٹر اور سینما ہیں جس میں جو فلم چاہو دیکھ لو، گھروں میں ٹی وی ہے، کیبل ہے، جب چاہو، جو تماشہ چاہو؛ دیکھ لو۔ مختلف اخبارات اور ان کے اضافے ([illegible]) عریاں اور ننگی تصویروں والے موجود۔ رہی سہی کمی انٹرنیٹ نے پوری کر دی۔ بالکل صحیح فرمایا شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے: ''آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے''۔

یہ ہمارے معاشرے کی افسوسناک صورتِ حال کی ایک جھلک ہے، کچھ لوگ اس سے بھی زیادہ میں مبتلا ہوں گے، انہیں اپنی حالتِ زار پر نظر ثانی کرنے اور اپنے آپ پر اور اپنے بیوی بچوں پر اور انسانی سماج پر رحم کھانے کی ضرورت ہے کہ جس راہ پر آپ نے دَوڑ لگائی ہوئی ہے؛ یہ راستہ ایک بہت گہری اور خطرناک کھائی پر پورا ہوتا ہے، جس میں ایک بار گر جانے کے بعد وہاں سے باہر نکلتے ناک میں دم آ جائے گا۔ یقیناً بہت سے لوگ ان گندگیوں سے پاک بھی ہوں گے ایسے لوگ قابلِ صد مبارک باد ہیں۔

اور ہاں! آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ انسانیت کے خودساختہ علمبرداروں نے انسانیت کو جس راستہ پر ڈالا تھا، اور تعلیماتِ اسلامی سے بے زار کیا تھا، آج وہ خود سر پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں، اور جن سعید روحوں کی قسمت اچھی تھی؛ وہ اسلام اور اس کی تعلیمات کے دامن میں آ آ کر پناہ لے رہی ہیں۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم اپنے ایک سفرنامہ میں لندن ٹائمز کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:۔

''اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان برطانوی نومسلموں میں بھاری اکثریت خواتین کی

ہے۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق امریکی نومسلموں میں بھی خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ ہے...... مغرب کے لوگ خود اپنی سوسائٹی سے مایوس ہو رہے ہیں جس میں بڑھتے ہوئے جرائم، خاندانی نظام کی تباہی، منشیات اور شراب نوشی کا دَور دورہ ہے، بالآخر وہ اسلام کے دیئے ہوئے نظم وضبط اور تحفظ کی تعریف کرتے ہیں۔

ایک اٹھائیس (۲۸) سالہ برطانوی خاتون جو ''ہُدیٰ خطوب'' کے اسلامی نام سے مشہور ہے، اس نے مسلم خواتین کے لیے ایک کتاب لکھی ہے۔ اسلام اور عیسائیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہے: ''عیسائیت ہر وقت بدلتی رہتی ہے، مثلاً اب بعض عیسائیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ شادی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کرنے میں کچھ حرج نہیں؛ بشرطیکہ یہ اس شخص کے ساتھ ہوں جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہو۔ یہ بڑا ڈھیلا ڈھالا مذہب ہے۔ اس کے برعکس جنسی تعلقات کے بارے میں اسلام کی تعلیمات یکساں رہی ہیں۔''

حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں: - ''اگرچہ عام تأثر یہ ہے کہ مغربی خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کو پسند کرتی ہیں، اور اپنی اس خواہش سے دستبردار ہونا ان کے لیے بہت مشکل ہے؛ لیکن برطانیہ کی جن نومسلم خواتین سے لندن ٹائمز نے گفتگو کی، اس میں ان خواتین نے بتایا کہ: ہمارے لیے اسلام میں کشش کا سبب ہی یہ ہوا کہ اسلام مرد اور عورت دونوں کے لیے الگ الگ دائرۂ کار تجویز کرتا ہے، جو دونوں کی جسمانی اور حیاتیاتی سانچوں کے عین مطابق ہے۔ ان کے نزدیک مغرب کی تحریکِ نسائیت (Feminism) درحقیقت عورت کے ساتھ بغاوت تھی۔

تحریکِ آزادئ نسواں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان خواتین نے کہا: ''اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عورتیں مردوں کی نقالی کریں، اور یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی''۔

اسکاٹ لینڈ کی نومسلم ''نوریہ'' کا کہنا ہے: ''اس ملک میں بیشتر خواتین اپنی صنف کے

خلاف بغاوت کر رہی ہیں، اور یہ طرزِ عمل تقریباً ایسا ہے جیسے ہم سے ہماری نسوانیت چھین لی گئی ہے''۔

''نوریہ'' کی ایک سہیلی ''حسانہ'' کے مطابق ''پردہ سے ہمیں تحفظ کا احساس ہوتا ہے، اور ہماری خوداعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے''۔

لندن ٹائمز لکھتا ہے کہ: بہت سی نومسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ ''اسلامی تعلیمات میں عورت کو زیادہ تقدس اور عظمت حاصل ہے، جو مغرب میں عورت کو حاصل نہیں۔ اور ان کے نزدیک مغرب کی تحریکِ آزادئ نسواں کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلا کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی''۔ (دنیا میرے آگے، ص: از ۹۲ تا ۹۷)

آج ہمارے نوجوانوں کو اس راہ سے بہکانے کے لیے جتنے ہتھکنڈے استعمال کئے جارہے ہیں، وہ ان سے چوکنا ہونے اور بچنے کے بجائے؛ بڑھ بڑھ کر ان کا استقبال کر رہے ہیں، اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کی سبیل پیدا کر رہے ہیں۔ بادِمخالف اس تیزی سے چل رہی ہے کہ اس میں اپنی آواز سنائی دینے کی کوئی امید ہی نہیں۔ ماحول کچھ ایسا مسموم بنادیا گیا ہے کہ قلم ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے، اور زبان لڑکھڑاتی ہے؛ مگر بولنا اور لکھنا تو ہے ہی، کیوں کہ وہ نفع سے خالی نہیں ہے۔

نوجوانو! بیدار ہوجاؤ، سنبھل جاؤ، شُتُرِ بے مہار مت بنو۔ ہوشیار وہ نہیں جو زیادہ سے زیادہ آنکھیں لڑائے، شکار کھیلے، کھانچے مارے، جو اپنے آپ کو خواہشات کے پیچھے ڈال دے، وقتی اور نقد فائدہ کو دیکھ کر ہمیشہ کا اور بعد کا نقصان نظرانداز کردے؛ بلکہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور مابعد الموت کے لیے تیاری کرے، اور ہمیشہ کے نفع کے پیشِ نظر وقتی اور عارضی لذت کو چھوڑنا گوارا کرلے۔ حدیثِ پاک میں ہے: جو مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت دیدے، مَیں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

تو آؤ! نفس وشیطان اور مغربی تہذیب کے علمبرداروں کی تعلیمات پر پھٹکار بھیجیں، اور

قرآنی اور نبوی تعلیمات کا بڑھ کر استقبال کریں، انہیں سینہ سے لگائیں، نفس کی غلامی چھوڑ کر خدا اور رسول کی غلامی اختیار کریں۔ نفسانی خواہشات کے مزے تو خوب اڑائے؛ آیئے! اب ذرا نفس کی مخالفت کا ذائقہ چکھیں، جس پر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلاوتِ ایمانی کا وعدہ فرمایا ہے۔ نفس کے پیچھے دَوڑ دَوڑ کر بہت تھک گئے؛ آؤ! اب رحمانی سائے میں پناہ لے کر بھی دیکھیں کہ کتنا سکون ملتا ہے!

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی موضوع پر روشنی ڈال رہی ہے قرآنی اور نبوی حقائق ہیں، واقعات سے سبق ہے۔ دلوں کے قفل کھول لیجئے، پھر عقیدت مندی سے سنئے اور پڑھیے؛ کوئی وجہ نہیں ہے کہ فائدہ نہ ہو۔

مضمون کی اہمیت کے پیش نظر کتاب کو اردو اور گجراتی دونوں زبانوں میں شائع کیا جا رہا ہے، حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ آئندہ مزید دَر مزید کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں ایک حدیثِ پاک کا یہ حصہ ضرور درج کر دینے کو جی چاہتا ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات انسان ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ عنایت فرمائیں گے، جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، منجملہ ان کے وہ نوجوان بھی ہے جسے کوئی خوبصورت شریف اور خاندانی خاتون بدکاری کی آفر (Offer) کرے، اور وہ یہ کہہ دے: مجھے تو خدا سے ڈر لگتا ہے۔ (ابوزاہر)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً. أما بعد:

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ. (النور:۳۰)

وقال تَعَالَى: إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً. (الإسراء:۳۶)

وقال تَعَالَى: يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (غافر:۱۹)

وقال تَعَالَى: إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ. (الفجر:۱۴)

علامہ نوویؒ نے عنوان قائم کیا ہے: ''شرعی ضرورت کے بغیر کسی پرائی عورت کو دیکھنا، یا حسین بے ریش لڑکے کی طرف نظر کرنا حرام ہے''۔

گناہ کے اسباب سے بچنا بھی ضروری ہے

اسلام نے جہاں اچھے اور عمدہ صفات اختیار کرنے اور کمالات سے مُتَّصِف ہونے کی تعلیم دی ہے، وہیں برائیوں اور بری صفات سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنے کی بھی تعلیم دی ہے۔ فواحش، منکرات، بدکاری اور زنا سے اسلام نے منع فرمایا۔ زناکاری اور اس کے جو مقدمات ہیں- یعنی زنا کو انجام دینے کے لیے جو کام کئے

جاتے ہیں، جیسے: نگاہوں کی بے احتیاطی، کان، زبان ہاتھ وغیرہ کا غلط استعمال؛ ان سب کو "فواحش" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان سے بھی اسلام نے منع کیا ہے۔

ویسے ان کاموں کی برائی تو ایسی ہے کہ اس کے ناپسندیدہ ہونے پر تقریباً دنیا کے تمام مذاہب کا اتفاق ہے، لیکن اسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سدِّ ذرائع کا اہتمام کرتا ہے، یعنی برائیوں تک پہنچنے کے جو راستے اور اسباب، ذرائع اور وسائل ہیں؛ ان پر بھی پابندی لگاتا ہے۔ مثلاً: اسلام نے جہاں شراب پینے سے منع کیا، تو صرف اتنا نہیں کہا کہ شراب پینا منع ہے؛ بلکہ شراب پینے کی ممانعت کو پختہ کرنے کے لیے شراب کے متعلق بہت سارے احکام دیئے، جیسے: شراب کا بنانا، شراب کا بیچنا، کسی کو لے جاکر شراب دینا، کسی کے لیے شراب کا خریدنا، کسی کے سامنے شراب کا پیش کرنا؛ یہ ساری چیزیں اسباب و وسائل بن سکتے ہیں، لہٰذا ان تمام کو بھی حرام قرار دیا۔ جس طرح شراب کا پینا حرام ہے، اسی طرح ان تمام کاموں کا کرنا بھی حرام ہے۔

گنہگاروں کے ساتھ مشابہت بھی منع ہے

یا مثلاً: بت پرستی کو اگر حرام قرار دیا، تو بت پرستی کے اسباب و وسائل پر بھی پابندی لگادی گئی۔ بت تراشی یا تصویر سازی (بتوں کو بنانا، تصویریں بنانا) چاہے وہ ایک مجسمہ (Statue) کی شکل میں ہو، یا کاغذ اور دیوار کے اوپر ہو؛ ان سب کو ممنوع قرار دیا گیا۔

اسی طرح جو چیزیں اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں، جسے دیکھ کر یہ شبہ ہو کہ آدمی اس برائی تک پہنچ جائے گا؛ اس کو بھی ممنوع قرار دیا۔ جیسے: لوگ آفتاب کی پوجا کیا کرتے تھے، اور آفتاب کی پوجا کے لیے ان کے یہاں خاص خاص اوقات مقرر

تھے کہ صبح جب آفتاب طلوع ہورہا ہو اس وقت اس کی پوجا کی جاتی تھی، دوپہر کو جب سر کے اوپر ہو اس وقت، اور شام کو غروب ہونے کے قریب ہو اس وقت اس کی عبادت کی جاتی تھی۔ لہٰذا اسلام نے ان اوقات میں سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ حالاں کہ نماز پڑھنے والا اور سجدہ کرنے والا آفتاب کی پوجا نہیں کرتا؛ لیکن اس لیے منع کردیا تاکہ ان کے ساتھ مشابہت بھی لازم نہ آئے۔ گویا اس طرح بت پرستی کے دروازے کو بند کردیا گیا۔

ایک بہترین مثال

ہمارے یہاں حکومتی سطح پر کوئی ابھیان اور تحریک چلائی جاتی ہے، جیسے: ملیریا (Malaria) نابودی اَبھیان اور تحریک چلائی جاتی ہے، تو اس میں صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ جنہیں ملیریا کا بخار ہو، ان کا ہی علاج کردیا جائے؛ بلکہ ملیریا کی بیماری پیدا ہونے کے جو اسباب اور عوامل ہیں، اور جن راستوں سے یہ بیماری آتی ہے؛ ان سب سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے، اور ان اسباب سے بھی بچانے کا اہتمام کرایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ حضرات جگہ جگہ دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے سائن بورڈ لگے ہوئے ہیں جن پر مچھروں کی تصویریں دکھائی گئی ہیں، اور ان کی حقیقتوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ: دیکھو! یہ مچھر ہے، اور یہ مچھر کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ کس جگہ بنتے ہیں؟ آپ اگر اپنے گھر میں نالیوں کو گندا رکھیں گے، پانی بہنے کے راستوں کو کھلا رکھا جائے گا، تو وہاں ان کے پیدا ہونے کا زیادہ امکان رہتا ہے۔ اگر آپ کے گھر کے کسی کونہ میں اندھیرا رہتا ہے تو وہاں بھی ان مچھروں کو پنپنے کا موقعہ ملتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن جن راستوں سے یہ بیماری آسکتی تھی ان تمام کو ختم کرنے کے لیے دور دور تک کی تدبیریں

اختیار کی گئیں، تب ہی آدمی کامیابی کے ساتھ اس سے بچ سکتا ہے۔

اسی طرح جتنی بھی مہلک بیماریاں ہیں ان سے بچنے کے لیے اوران کی جڑ ختم کرنے کے لیے، ان کا قلع قمع کرنے کے لیے حکومتی سطح پر، یا دوسرے طریقوں سے جتنی بھی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں ان میں یہی طریقۂ کار ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اسلام نے تمام گناہ اور برائیوں کو ختم کرنے کے لیے جہاں ان گناہوں سے منع کیا؛ وہیں ان کے عوامل اور اسباب سے بھی منع کیا ہے۔

اسبابِ زنا پر پابندی

''زنا'' ایک مہلک بیماری اور بہت خطرناک گناہ ہے، جس کے متعلق قرآن پاک میں کہہ دیا گیا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى﴾ (بنی اسرائیل: ۳۲) زنا کرنا تو درکنار؛ اس کے قریب بھی مت جاؤ۔ تو اب جہاں زنا سے منع کیا گیا، وہیں زنا کے اسباب اور عوامل پر بھی اسلام نے پابندی لگادی۔ جیسے عورتوں اور مردوں کے آپس میں ملنے جلنے اور عورتوں کے بے پردہ نکلنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ عورتوں کو تاکید کردی گئی: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ (سورۂ احزاب: ۳۳) اپنے گھروں کے اندر جم کر کے رہو، اوران کے نکلنے کے معاملہ میں بھی خاص تاکید کردی گئی کہ اگر فلاں فلاں شرعی اسباب اوراعذار ہیں تب تو نکلنے کی اجازت ہے، اس کے بغیر گھر سے نہ نکلو۔ اور اگر نکلو تو برقعہ کے اندر پردے کے اہتمام کے ساتھ، اپنے آپ کو اور اپنی زینت کو چھپاتے ہوئے نکلو؛ یہاں تک کہ بجنے والا زیور پہننے سے بھی منع کیا، اس لیے کہ عورت اگر کہیں سے گزر رہی ہو، اور بجتے ہوئے زیور کی آواز کسی کے کان میں پہنچ گئی؛ تو یہ چیز بھی شہوت کو ابھارنے والی ہے۔

اسی طرح خوشبو لگا کر نکلنے سے بھی منع کیا گیا، حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: جو

عورت خوشبو لگا کر نکلتی ہے، اور مردوں کے پاس سے گزرتی ہے، وہ ایسی ہے، ایسی ہے۔ یعنی اس کو زانیہ قرار دیا گیا (ترمذی ۲/۱۰۶)

اور مردوں کو تعلیم دی گئی کہ کہیں کوئی اجنبی عورت سے کوئی چیز لینے دینے کی ضرورت پیش آجائے تو دیوار اور پردے کی آڑ سے لینے دینے کا سلسلہ ہونا چاہیے۔ اجنبی عورت کو نہ دیکھنا، آنکھوں کی حفاظت کرنا، نگاہوں کو نیچا رکھنا، شرم گاہوں کی حفاظت کرنا؛ یہ سارے احکام صرف زنا سے بچانے کے لیے ہیں۔

تو اسلام کی بنیادی تعلیمات میں خصوصی اہتمام اس بات کا بھی کیا گیا ہے کہ زنا اور اسبابِ زنا سے تاکید کے ساتھ روکا گیا۔

عفت (پاک دامنی) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بنیادی تعلیم

ایک طرف زنا کے بارے میں یہ تعلیمات ہیں۔ اس کے بالمقابل اپنے آپ کو زنا کاری، حرام کاری اور بے حیائی کے کاموں اور فواحش سے بچانا؛ عفاف، عفت اور پاک دامنی کہلاتا ہے۔ اس کی بھی بڑی تاکید ہے۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیادی تعلیمات میں اس کو جگہ دی گئی ہے۔

بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے پہلے ہی باب میں ہرقل والی حدیث ذکر کی ہے، اور دوسری جگہوں پر بھی اس روایت کو پیش کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہِ روم ہرقل کے نام دعوتِ اسلام کا خط (نامۂ مبارک) بھیجا اس زمانہ میں وہ اپنی ایک نذر پوری کرنے کے لیے بیت المقدس کی زیارت کے لیے آیا ہوا تھا، اور وہ خط شام کے ایک شہر ''بُصریٰ'' کے حاکم کے ذریعہ وہیں پہنچایا گیا، جب اس کے پاس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق

اس نے تحقیقات کیں، چوں کہ وہ خود بھی آسمانی کتابوں اور اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا اور نبیٔ آخر الزماں کی علامتوں سے بخوبی واقف تھا، اور اس زمانہ میں عیسائیوں کے اندر دو ہی بڑے عالم تھے، ایک تو اس زمانے کا بڑا لاٹ پادری (یعنی تمام پادریوں کا رئیس اعلی) اور دوسرا یہی ہرقل۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک جب اس کے پاس پہنچا تو اس کے مضمون سے واقف ہونے سے پہلے اس نے ضروری سمجھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی ذاتِ اقدس کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں، اور یہ معلوم کیا جائے کہ یہ خط بھیجنے والی شخصیت کون ہے؟ کیوں کہ اسی کے ذریعہ خط کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چناں چہ اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ جن کی طرف سے یہ خط بھیجا گیا ہے ان کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں؛ کیا اس علاقہ کے کچھ لوگ مل جائیں گے؟ لوگوں نے بتلایا کہ: جی ہاں! وہاں کے لوگ تجارت کی غرض سے ملکِ شام آتے رہتے ہیں، آپ اجازت دیں تو تلاش کیا جائے گا۔ چناں چہ معلوم ہوا کہ ایک قافلہ آیا ہوا ہے، اور اتفاق کی بات کہ اس قافلہ کے امیر اور رئیس ابوسفیان تھے- جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے- اور حزبِ مخالف- یعنی کفار اور مشرکینِ مکہ- کے سردار اور لیڈر بھی وہی تھے۔ چناں چہ ان کو قافلہ والوں کے ساتھ بلایا گیا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ان سے سوالات کئے گئے۔ اور یہ بھی کہا کہ: دیکھو! مَیں ان کے متعلق سوالات کروں گا، تم ان کا صحیح صحیح جواب دینا۔ اور ساتھیوں کو بھی بتلادیا کہ: اگر یہ غلط جواب دیں تو تم نشان دہی کردیجیو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا خلاصہ

مَیں خاص طور پر جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان سوالات میں آخری

سوال ہرقل نے یہ پوچھا: ''وَمَا يَأْمُرُكُمْ '' یہ نبی تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ ہمیں اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ ہم ایک اللہ ہی کی عبادت کریں، اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت اور پوجا نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور آگے فرمایا کہ: یہ نبی ہم کو چار کاموں کا حکم دیتے ہیں: نماز کا، سچائی کا، عفاف کا (یعنی پاک دامنی اختیار کرنے کا، اپنے آپ کو فواحش اور برائی کے کاموں سے بچانے کا) اور صلہ رحمی (یعنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرنے) کا حکم دیتے ہیں۔ (بخاری شریف ۱/۴)

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو بنیادی تعلیمات تھیں، ابوسفیان نے وہی بتلائیں۔ اور ایسے موقعوں پر ساری تفصیلات پیش نہیں کی جاتیں، بلکہ خلاصہ اور نچوڑ ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اور انہوں نے ہرقل کے سامنے وہی پیش کیا۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ جن چار خوبیوں کا تذکرہ کیا ان میں ایکعفاف (یعنی پاک دامنی) بھی ہے۔

سورۂ یوسف کا اہم سبق

عفت کا مطلب ہے کہ اپنے آپ کو بے حیائی کے کاموں سے، بدکاری اور زنا سے بچانا۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس کو اختیار کرنے کا قرآنِ کریم کے اندر بھی حکم دیا گیا ہے، اور اس کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ پیش کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں جو واقعات پیش کئے جاتے ہیں وہ ایک مخصوص مقصد کے پیشِ نظر ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ان واقعات کے ذریعہ اس کے پڑھنے والوں اور جن تک یہ قرآن پہنچ رہا ہے ان سب کو تعلیم دینا اور عبرت دلانا مقصود ہوا کرتا ہے۔

تمہاری عورتیں بھی پاک دامن رہیں گی

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں بھی عفت اور پاک دامنی کا سبق دینے کا بڑا اہتمام تھا۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے: ’’عِفُّوْا؛ تَعِفُّ نِسَآؤُکُمْ. وَبَرُّوْا آبَائَکُمْ؛ تَبَرُّکُمْ أَبْنَآؤُکُمْ ‘‘(مجمع الزوائد: ۸/ ۶۱) تم پاک دامنی اختیار کرو؛ تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی۔ گویا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں تو تمہیں خود اس وصف اور خوبی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ فرماں برداری، اطاعت شعاری، حسنِ سلوک اور اچھائی کا معاملہ کرو؛ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرے گی۔

قدرت کسی کی رعایت نہیں کرتی

قدرت کا ایک نظام ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں چلایا ہے کہ یہاں جیسا کروگے؛ ویسا بھروگے:

ع یہ ہے گنبد کی صدا؛ جیسی کہے ویسی سنی

اور قدرت اپنے قانون کو جاری کرنے کے معاملے میں کسی کی رعایت نہیں کرتی۔ کسی کے نسب کی، کسی کے منصب کی، کسی کے مقام کی اور کسی کی شخصیت کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی، جو بھی اس قانون کے ماتحت آئے گا اس پر قدرت اپنا قانون جاری کرکے رہے گی۔ یہاں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدرت کا ایک قانون بتلایا کہ تم پاک دامن رہوگے تو تمہاری بیویاں اور تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ہماری طرف سے پاک دامنی کے تقاضوں کو پورا کرنے

میں کوتاہی برتی جائے گی، تو اس کا اثر لازمی طور پر ہماری عورتوں پر پڑے گا۔ چناں چہ واقعات بھی اسی کی شہادت دیتے ہیں۔

ایک عبرت ناک واقعہ

ہمارے ایک قریبی شخص نے سنایا کہ: ایک صاحب باقاعدہ عالمِ دین تھے، ان کا نکاح نہیں ہوا تھا، اور ایک بستی کے اندر خدمت انجام دے رہے تھے۔ وہاں کسی نوجوان لڑکی سے آنکھ لڑ گئی اور بڑھتے بڑھتے یہ سلسلہ بدکاری تک پہنچا، اور پھر یہ سلسلہ برابر جاری رہا، اور ایسی چیز چھپتی نہیں ہے۔ چناں چہ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا، گاؤں اور بستی کے سمجھ دار لوگوں نے سوچا کہ نوجوان ہے، شادی نہیں ہوئی ہے، اس لیے ایسا کریں کہ ان کا نکاح کرادیں، تاکہ وہ اس معصیت سے باز آجائیں۔ پرانے زمانہ کے لوگ عجلت سے کام نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی ایسا نہیں کیا کہ اولِ وہلہ میں ان کے خلاف کوئی اقدام کرلیا ہو، بلکہ یہ ان کی سمجھداری کی بات تھی کہ ان کو موقعہ دیا۔ اور قدرت کی طرف سے بھی موقعہ دیا جاتا ہے، اور دنیا میں جہاں بھی سنجیدہ قوانین ہیں وہاں انسان کو سدھرنے کا موقعہ دیا جاتا ہے۔

بہرحال! ان لوگوں نے مولوی صاحب کے مناسب بڑی خوبصورت لڑکی کے ساتھ نکاح کرادیا۔ لیکن ان کا تو ایک مزاج بن چکا تھا، جیسا کہ کہا جاتا ہے نا کہ: ''بازار کا کھانے کی عادت ہوجائے؛ تو گھر کا کھانا اچھا نہیں لگتا'' ایسا ہی ان کا بھی مزاج بنا ہوا تھا کہ گھر میں بیوی کے ہونے کے باوجود اس کی طرف دھیان نہیں تھا، اور پرائی عورت میں لگے ہوئے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ اپنی بیوی کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیتے تھے اور بیوی کی موجودگی میں پرائی عورت اور محبوبہ کے ساتھ بدکاری میں

ملوث رہتے تھے۔ جب بستی والوں نے دیکھا کہ ان کا معاملہ نہیں سدھرتا، تو ان کو اپنی بستی سے علاحدہ کر دیا۔ بعد میں ایک وقت آیا کہ ان کی بیوی خود اس برائی میں مبتلا ہوئی، اور جب یہ اپنی عمر کی کمزوری کی منزل میں پہنچے تو بیوی ان کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا کرتی تھی اور خود دوسرے مرد کے ساتھ ملوث ہوتی تھی، اور اسی حالت میں ان کا آخری وقت آیا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ''تم اگر پاک دامنی اختیار کرو گے؛ تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامنی اختیار کریں گی'' یہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ اور قدرت کا ایک نظام ہے، اس معاملہ میں اگر ہماری طرف سے کوتاہی ہوگی تو قدرت کی طرف سے اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اس سلسلے کے اور بھی بہت سے واقعات ہمارے علم میں ہیں۔

دوسرا واقعہ

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے، مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم نے بھی یہ واقعہ سنایا تھا۔ ایک سنار تھا جس کی بیوی بڑی حسین و جمیل تھی، نیک سیرت بھی تھی اور نیک صورت بھی تھی۔ ایک مرتبہ جب وہ اپنی دوکان سے واپس آیا تو دیکھا کہ بیوی بہت پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ اس نے پوچھا: کیا بات ہے؟ بیوی نے بتلایا کہ: ہمارا یہ نوکر؛ جس کو ہم نے بچپن سے پالا ہے، ہمارے سامنے بچہ تھا، ہم نے پال کر بڑا کیا، اب یہ اتنا نمک حرام بن گیا ہے کہ آج جب سبزی لے کر آیا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر دبا دیا، میں نے محسوس کیا کہ اس کے دل کے اندر شہوت کے جذبات ہیں۔ شوہر نے جب یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بھی رونے لگا۔ بیوی نے پوچھا: آپ کیوں روتے ہیں؟ اس نے کہا: یہ میری بدعملی کی سزا ہے۔ آج دکان پر ایک عورت

زیور خریدنے آئی تھی، اس نے مجھ سے کنگن چوڑیاں خریدیں، اور کہا: مجھے پہنا دو۔ جب میں پہنانے لگا تو اس کے ہاتھ بڑے حسین نظر آئے، تو میں نے پکڑ کر اس کو شہوت کے ساتھ دبایا، اسی کا یہ نتیجہ ہے: ''کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ'' (کشف الخفاء: ۲/۱۶۵) اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تم پاکدامن رہو؛ تمہاری بیویاں بھی پاکدامن رہیں گی، اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کریں گی۔

ماں باپ کی نافرمانی کا وبال ایک عبرت ناک واقعہ

''بَرُّوْا اٰبَآئَکُمْ ؛ تَبَرُّکُمْ أَبْنَآؤُکُمْ'' اپنے ماں باپ کے ساتھ تم اگر حسنِ سلوک، احسان اور بھلائی کا معاملہ کرو گے؛ تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے گی۔ کئی صدیوں پہلے کے ایک عالم قاضی ابوعلی تنوّخی کی لکھی ہوئی ایک کتاب ''نُشْوَارُ الْمُحَاضَرَۃِ'' ہے، اس میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ:۔

ایک مرتبہ ایک بیٹے نے اپنے باپ کے پاؤں میں رسی ڈالی اور کھینچ کر گھر سے باہر لے گیا، جب ایک مخصوص جگہ تک پہنچا تو باپ کہنے لگا: بیٹا! بس؛ اب آگے نہ لے جائیو۔ بیٹے نے پوچھا: کیوں ابا جان؟ تو باپ نے کہا: میں نے بھی اپنے باپ کے پاؤں میں رسی باندھی تھی اور ان کو کھینچ کر یہیں تک لایا تھا؛ آج تو بھی میرے ساتھ وہی معاملہ کر رہا ہے۔

اور نالے کے اندر پھینکا

حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم نے ایک واقعہ سنایا کہ: دیوبند میں ایک مٹھائی والے نے ان کو بتلایا کہ: فلاں دکان دار جب جوان تھا، تو ایک

مرتبہ اس کا باپ دکان پر بیٹھا ہوا تھا، یہ آیا اور اپنے باپ کو پکڑ کر دکان کے پاس نیچے نالی کے اندر گرا دیا۔ اس کے بعد باپ کا تو انتقال ہو گیا، اِس کی اولاد میں لڑکے نہیں تھے، چار لڑکیاں ہی تھیں، میں سوچتا رہتا تھا کہ علماء اور بزرگوں سے سنا ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کے ساتھ جیسا معاملہ کرتا ہے، اس کی اولاد بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتی ہے، اور اِس کے لڑکے تو ہیں نہیں، اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس نے اپنے باپ کو گرا کر نالی کے اندر پھینکا ہے؛ اب پتہ نہیں اس کا معاملہ کیا ہوگا؟ پھر ایک روز میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کی ایک لڑکی برقعہ پہنے ہوئے آئی اور اس بوڑھے کو اسی طرح گرا کر نالے کے اندر پھینکا؛ جس طرح اس نے اپنے باپ کو گرا کر نالی کے اندر پھینکا تھا۔

میں عرض کر رہا تھا کہ قدرت کا ایک نظام ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے بھی برائیوں سے روکنے کے لیے تعلیم دینے کا جو طریقہ اختیار کیا اس میں اس پہلو کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اور اسی کا اثر ہے کہ آدمی برائی کرنے سے رُک جاتا ہے۔

ایک نوجوان کا قصہ اور حضورِ اکرم ﷺ کی شفقت

ایک مرتبہ ایک نوجوان نبیٔ کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔ ہمارے پاس آ کر کوئی آدمی اگر ایسا کہے تو ہم لوگ اس کی مار پٹائی شروع کر دیں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی شفقت اور محبت پر قربان جائیے کہ آپ نے اس کو اپنے قریب بلا کر بٹھایا اور پوچھا: اچھا یہ بتلاؤ! تم زنا کا جو مطالبہ کر رہے ہو؛ تو وہ کسی عورت کے ساتھ ہی کرو گے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: اچھا! ایسا ہی معاملہ کوئی آدمی تمہاری بہن کے ساتھ کرے؛ تو یہ چیز تمہیں گوارا ہوگی؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پھر کہا: اچھا! ایسا ہی معاملہ کوئی آدمی تمہاری ماں کے ساتھ کرے؛ تو یہ چیز تمہیں گوارا ہوگی؟ اس نے کہا: نہیں۔ تمہاری پھوپھی کے ساتھ کرے؛ تو گوارا ہوگی؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جس کے ساتھ بھی ایسا کرنا چاہو گے؛ وہ بھی تو آخر کسی کی بہن، کسی کی ماں، کسی کی خالہ، کسی کی پھوپھی ہوگی؟ فوراً اس نے کہا: ''میں نہیں کروں گا۔'' پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سینہ پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور کہا: یا اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے قلب سے میل کچیل دور فرما، اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔ اس واقعہ کو نقل کرنے والے صحابی فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ کبھی اس نوجوان کی نظر نیچے سے اوپر نہیں اُٹھتی تھی۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا اثر تھا۔ (مسند احمد: ۵/ ۲۵۶)

صحبت کی لذت سے محروم کر دیئے جاؤ گے

ایک اور روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لَا تَزْنُوا، فَتَذْهَبَ لَذَّةُ نِسَآئِكُمْ. وَعِفُّوْا، تَعِفُّ نِسَآئُكُمْ. إِنَّ بَنِيْ فُلَانٍ زَنُوْا، فَزَنَتْ نِسَآئُهُمْ'' (کشف الخفاء: ۲/ ۷۹) تم زنا کا ارتکاب نہ کرو؛ ورنہ تم اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کی لذت سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔ عام طور پر جو آدمی زنا کا ارتکاب کرتا ہے اس کو اپنی بیوی کے ساتھ جو پاکیزہ لطف آنا چاہیے اس سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور آگے فرماتے ہیں: تم پاک دامنی اختیار کرو؛ تو تمہاری عورتیں بھی پاکدامنی اختیار کریں گی۔ پھر فرمایا: فلاں قبیلے والے زنا کے اندر مبتلا ہوئے تو ان کی عورتیں بھی زنا کار بن گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے کِفل کی مغفرت فرمادی

خلاصہ یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفت اور پاک دامنی کی بڑی تاکید فرمائی ہے، احادیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف خاص متوجہ کیا ہے۔ترمذی شریف میں ایک واقعہ ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگلی امت کا بیان کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ نہیں، تین مرتبہ نہیں، سات مرتبہ نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ مرتبہ سنا۔یعنی سات مرتبہ سنا ہوتا تب بھی میں بیان نہ کرتا، اس سے زیادہ مرتبہ سنا ہے اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو، صحابہ کو اور اپنے مخاطبین کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرنے کے لیے واقعات وغیرہ کی مثالیں دے کر سمجھانے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ہم اور آپ جو بیان کرنے والے ہوتے ہیں وہ ایک دو مرتبہ کوئی واقعہ بیان کر دیتے ہیں تو اس کے بعد یوں سمجھتے ہیں کہ تیسری مرتبہ بیان کروں گا تو لوگوں کو شاید میری صلاحیت کے اوپر شبہ ہوگا کہ کیا اس کو اس کے علاوہ اور کچھ آتا ہی نہیں؟

خیر! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنو اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس کا نام ''کِفل'' تھا، ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی - جس کے بچے فاقہ کا شکار تھے، اور بھوکے مر رہے تھے - عورت نے آکر کفل سے کہا: میرے بچے بھوکے مر رہے ہیں؛ میری کچھ مدد کر۔اس نے اس عورت کو ساٹھ دینار اس شرط پر دیئے کہ تو مجھے بدکاری کرنے کی اجازت دے۔عورت نے وہ ساٹھ دینار لے لیے، اس کے بعد شرط کے مطابق بدکاری کی تیاری کر کے اس کے سامنے بیٹھنے لگا، تو اس عورت کے اوپر لرزہ طاری ہو گیا اور کپکپی آ گئی۔جب بہت کپکپانے لگی تو کفل نے اس عورت سے کہا: میں نے تیرے ساتھ کوئی

زیادتی اور زبردستی تو نہیں کی، تو اس کے لیے خوشی سے تیار ہوئی تھی؛ پھر تیری یہ کیفیت کیوں ہے؟ اس عورت نے کہا: میری یہ کیفیت اس لیے ہے کہ ایسا کام میں نے زندگی میں کبھی نہیں کیا؛ لیکن آج بچوں کی وجہ سے میں مجبور ہوئی ہوں، اس لیے میری طبیعت اس کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ بے اختیار رو پڑی، اس آدمی نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اس کو بھی آج تک کی اپنی زندگی پر افسوس ہوا، اور اس نے فوراً توبہ کی اور ساٹھ دینار جو دیئے تھے، وہ بھی معاف کر دیئے، پھر اسی رات اس کا انتقال ہو گیا۔ بنو اسرائیل کے ساتھ قدرت کا دستور یہ تھا کہ کوئی آدمی جب گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازے کی چوکھٹ پر وہ گناہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا کہ آج اس نے یہ سیاہ وسفید کیے ہیں، اور اگر کوئی آدمی توبہ کرتا اور اس کی توبہ قبول ہو جاتی تو وہ بھی قدرت کی طرف سے لکھا جاتا، اب لوگوں کو اس واقعہ کا پتہ نہیں تھا، لوگ تو سمجھتے تھے کہ یہ بڑا بدکار آدمی ہے، جب اسی رات اس کا انتقال ہو گیا تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرمادی، لوگ تعجب کرنے لگے کہ اس کی مغفرت کیسے ہو گئی؟ وہ تو بڑا برا آدمی تھا لیکن ان کو اس کا یہ معاملہ معلوم نہیں تھا۔ (ترمذی شریف: ۲/۷۶)

یہ پیغمبرانہ صفت ہے

یہ صفت یعنی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا؛ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور خاص کر جب گناہوں کے اسباب اور وسائل سامنے آجائیں تو ایسے موقعہ پر اپنے آپ کو بچا لینا پیغمبرانہ صفت ہے۔

حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا

ہے جو تابعین میں سے ہیں، بڑے حسین اور جمیل تھے، مدینہ منورہ میں رہتے تھے، فقہائے مدینہ میں ان کا شمار ہے۔ ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مدینہ منورہ سے حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، راستے میں مقام ابواء پر ٹھہرے ان کا ساتھی کھانا خریدنے کے لیے بازار گیا، وہ جہاں ٹھہرے ہوئے تھے وہیں ایک پہاڑی تھی اور اس پہاڑی کی چوٹی کے اوپر بدو کا مکان تھا، ایک بدوی عورت نے- جو بڑی حسین وجمیل تھی- ان کو دیکھا تو ان پر فریفتہ ہوگئی۔ جب اس نے دیکھا کہ ان کا ساتھی کہیں گیا ہوا ہے اور یہ اکیلے ہیں تو وہ پہاڑ سے نیچے اتر آئی اور ان کے سامنے آ کر اس نے اپنا چہرہ کھول دیا- ''كَأَنَّهَا قِطْعَةُ قَمَرٍ '' گویا بالکل چاند کا ٹکڑا تھی- اور کچھ کہنے لگی، یہ تو اس کو دیکھ کر ہی گھبرا گئے تھے۔ جب وہ کچھ بولی تو یہ سمجھے کہ کھانا لینے آئی ہے، انہوں نے کھانا تلاش کر کے اس کو دینے کی کوشش کی تو اس نے کہا: مجھے کھانا نہیں چاہیے، بلکہ مجھے تو آپ سے وہ چیز چاہیے جو ایک عورت مرد سے چاہتی ہے۔ انہوں نے کہا: تجھے شیطان نے میرے پاس بھیجا ہے، اور اسی وقت اپنا سر اپنے گھٹنوں پر رکھ کر زور زور سے بے تحاشا رونے لگے۔ جب انہوں نے زور زور سے رونا شروع کیا تو وہ عورت گھبرا گئی کہ کہیں رسوائی نہ ہو جائے، لہٰذا بھاگ گئی۔ ان کے ساتھی جو کھانا خریدنے بازار گئے ہوئے تھے جب آئے تو دیکھا کہ ان کا چہرہ پھولا ہوا ہے، آنکھیں سرخ ہیں، اور رو رہے ہیں۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: بال بچے یاد آ گئے۔ ساتھی نے کہا: نہیں ہوسکتا! دوسری کوئی بات ہے؛ سچ سچ بتاؤ۔ بال بچے یاد آنے پر کوئی آدمی اتنا نہیں روتا۔ تمہاری کیفیت کچھ اور ہی بتلا رہی ہے۔ جب ساتھی نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے بتلا دیا کہ ایسی صورتِ حال ہوئی۔ یہ سن کر ساتھی بھی رونے لگا۔

انہوں نے پوچھا: بھائی! تو کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کا شکر و احسان ہے کہ میں نہیں تھا، ورنہ مَیں تو مبتلا ہو ہی جاتا۔ میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری حفاظت کرلی۔

خیر! پھر جب مکہ مکرمہ پہنچے تو طواف سے فارغ ہونے کے بعد حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے بیچ چادر میں لپٹے ہوئے بیٹھے تھے، چوں کہ تھکے ہوئے تھے اس لیے آنکھ لگ گئی، تو خواب میں ایک حسین نوجوان کو دیکھا۔ سلیمان بن یسار نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یوسف۔ پوچھا: کون؟ یوسف صدیق؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ سلیمان بن یسار نے کہا: آپ کا معاملہ زلیخا کے ساتھ بڑا عجیب وغریب ہے۔ اس کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: وہ ابواء والی عورت کے ساتھ تمہارا معاملہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

ایک نوجوان کا سبق آموز واقعہ

آدمی کی زندگی میں ایسے مواقع آتے ہیں جہاں عفت اور پاک دامنی کی اس صفت میں قدرت کی طرف سے آدمی کو آزمایا جاتا ہے۔ بعض آدمی تو وہ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو برائی میں مبتلا کرنے کے لیے ایسے مواقع کی تلاش ہی میں رہتے ہیں؛ لیکن اللہ کے بعض بندے ایسے ہمت والے ہوتے ہیں کہ جب انہیں ایسے حالات سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بچالے جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی ان کی بہت ہی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ ایک کتاب "الترغیب والترھیب" ہے۔ اس نام کی دو کتابیں ہیں، ایک فنِ حدیث میں ہے جو علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اور دوسری سلوک وتصوف میں ہے جو علامہ عبداللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے

اس کتاب میں دو واقعات لکھے ہیں:۔

ایک نوجوان تھا، جس کے لباس اور جسم میں سے ہمیشہ مُشک وعنبر کی خوشبو آیا کرتی تھی، جب بھی دیکھو مہک رہا ہے۔ کسی نے کہا: تم بھی عجیب آدمی ہو، خوشبو کے لیے اتنی فضول خرچی کرتے ہو، ہمیشہ خوشبو کا اتنا اہتمام کرتے ہو اور اس کے لیے اتنے پیسے فضول خرچ کرتے ہو؟ اس نوجوان نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے آج تک ایک پائی بھی خوشبو کے لیے استعمال نہیں کی۔ اس نے کہا: پھر یہ خوشبو کیسی؟ نوجوان نے کہا: اس کا ایک راز ہے، اور وہ میں نہیں بتاؤں گا۔ اس نے کہا: ضرور بتاؤ۔ آدمی کا مزاج ہے: ''اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ فِیْمَا مُنِعَ'' آپ کسی سے کہہ دو کہ نہیں بتاؤں گا، تو وہ پیچھے پڑ جاتا ہے کہ بتانا ہی پڑے گا۔ اس نے بھی جب اصرار کیا تو جوان نے کہا: بات دراصل یہ ہے کہ میرے والد کی گھریلو سامان بیچنے کی ایک دکان تھی، ایک مرتبہ ایک بڑھیا آئی اور اس نے بہت سارا سامان خریدا، میں بھی دکان پر تھا، حسین وجمیل تھا، جب وہ سامان خرید چکی تو اس نے میرے ابا سے کہا کہ: اس سامان کی قیمت لینے کے لیے تمہارے بیٹے کو میرے ساتھ گھر بھیج دو۔ چناں چہ میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ جب گھر دیکھا تو بہت خوبصورت بڑا شاندار تھا۔ ہم اس گھر میں ایک عالیشان اور خوبصورت کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں تخت پر ایک حسین وجمیل نوجوان عورت بیٹھی ہوئی تھی، وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف مائل ہوئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگی، میں تو گھبرا گیا اور میں نے اپنے آپ کو بچانا چاہا؛ لیکن وہ مجھے اپنی طرف کھینچتی اور مائل کرتی رہی۔ مجھے اس وقت کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی سوائے اس کے کہ میں نے اس سے کہا: مجھے بیت الخلاء کی ضرورت ہے؛ صاف کروادو۔ اس زمانہ کے جو بیت الخلاء ہوتے تھے وہ

آج کل کے فلش کی طرح نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ صفائی کردی گئی اور اس عورت نے کہا: تم ضرورت سے فارغ ہوجاؤ۔ مَیں اندر گیا اور حاجت پوری کی، پھر اپنا پائخانہ خود ہی اپنے ہاتھ سے لے کر اپنے جسم اور کپڑوں پر مَل لیا۔ جب باہر نکلا تو مجھے دیکھ کر وہ عورت ایک دم غصہ ہوگئی اور اس نے اپنی باندیوں سے کہا: یہ پاگل کہاں سے آگیا؟ اس کو یہاں سے نکال دو، چناں چہ مجھے نکال دیا گیا۔ اس وقت میرے پاس ایک درہم تھا، میں نے اس سے ایک صابن خریدا، نہر پر گیا اور غسل کر کے کپڑے دھوئے اور سُکھا کر پہن لیے۔ رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ انسانی شکل کے اندر آیا اور مجھ سے کہا: میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں، اور جس طرح آج تو نے اپنے آپ کو گناہ سے بچایا؛ اس پر تمہیں جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک خوشبو تھی جو اس نے یہ کہتے ہوئے میرے کپڑوں اور جسم پر مل دی کہ: جس طرح تم نے اس گناہ سے بچانے کے لیے اپنے آپ کو نجاست کے اندر ملوث کیا؛ قدرت کی طرف سے اس کا بدلہ یہ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب صبح اُٹھا ہوں تو مجھ میں سے یہ خوشبو آرہی تھی، اور اس دن سے لے کر آج تک اسی طرح آرہی ہے۔

ایک اور نوجوان کا قصہ

علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور قصہ ذکر کیا ہے:۔

ایک نوجوان بڑا مالدار تھا، برائیوں اور بدکاریوں میں پیسہ خرچ کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ ایک عورت کے بچے فاقہ کا شکار ہونے کی وجہ سے پریشان تھے، ان کے یہاں تین دن سے فاقہ تھا، جب اس عورت سے اپنے بچوں کی تکلیف اور بھوک دیکھی نہیں گئی تو اس نے اپنی پڑوسن سے اچھا لباس لے کر پہنا اور گھر سے باہر نکلی، اس کو اس

حالت میں دیکھ کر اس نوجوان نے اس کو اپنے پاس بلایا اور بدکاری کی خواہش کا اظہار کیا، اس عورت نے رونا شروع کیا اور کہا: جب تو نے مجھے بلایا تو میں سمجھی کہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کا سلوک کرے گا، لیکن تو میرے ساتھ بدکاری کرنے کی بات کرتا ہے؟ میں ایسی عورت نہیں ہوں، دراصل میرے بچے تین دن سے بھوکے ہیں، ان کی بھوک مجھ سے دیکھی نہیں گئی، اس لیے مجبور ہو کر مانگنے کے واسطے میں گھر سے باہر نکلی ہوں۔ اس نوجوان نے اس کو کچھ پیسے دیدیئے، اور اس کو آج تک کی اپنی حرکتوں پر ندامت ہوئی اور اس نے توبہ کی۔

اس کی یہ عادت تھی کہ جو بھی گناہ کرتا تھا، اپنی ایک کاپی میں اس کو لکھ لیا کرتا تھا آج جب اپنے گھر آیا اور اپنی ماں کو یہ واقعہ بیان کیا، تو اس کی ماں بہت خوش ہوئی کہ آج تک تو میں تجھے روکتی تھی، لیکن تو باز نہیں آتا تھا، آج تو نے ایک اچھا کام کیا ہے؛ اس کو بھی اپنی کاپی میں لکھ لے۔ اس نے کہا: کاپی گناہوں سے بھر چکی ہے، اور کاپی میں جگہ نہیں ہے۔ اس کی ماں نے کہا: حاشیہ میں ہی لکھ لے۔ ماں کا اصرار تھا اس لیے حاشیہ میں لکھ لیا، اور جب رات کو سویا تو اپنی حالت پر ندامت کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے سویا۔ صبح کو جب اٹھا تو پوری کاپی سفید تھی، اور صرف وہی ایک واقعہ - جو حاشیہ پر لکھا ہوا تھا - موجود تھا، اور اس کے اندر آیت لکھی ہوئی تھی: ﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (سورۂ ہود: ۱۱۴) نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔

صحابۂ کرام کی پاک دامنی

بہر حال! یہ عفت اور پاک دامنی ایک ایسا وصف ہے جو اسلامی تعلیمات میں بہت اہم مقام رکھتا ہے، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

ہمارے دورِ اول میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم جب ملکوں کو فتح کرنے کے لیے نکلے، تو ان کو باز رکھنے کے لیے دشمنوں کی طرف سے جو مختلف تدابیر اور سازشیں کی گئیں، ان میں ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ نوجوان حسین لڑکیوں کو ان کے سامنے پیش کیا گیا؛ لیکن وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی نگاہوں کو نیچا رکھتے ہوئے وہاں سے گزر گئے اور اپنی حفاظت کر لی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پچھلی مجلس میں بتلایا تھا کہ اسلام نے جہاں زنا، بدکاری اور فواحش سے منع کیا ہے، وہیں اس کے اسباب سے بھی روکا ہے، اور اسی کے ذیل میں یہ عنوان ہے: پرائی عورت اور بے ریش (بے داڑھی) حسین لڑکے کی طرف نظر کرنا حرام ہے۔

محرم اور نامحرم عورتیں

عورتوں کی دو قسمیں ہیں: ایک نامحرم ہوتی ہے، اور دوسری محرم ہوتی ہے۔

محرم: وہ عورت کہلاتی ہے جس کے ساتھ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں نکاح درست نہ ہو، ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو۔ جیسے: ماں، دادی، نانی، بیٹی، بہن، پوتی، نواسی، بھتیجی، بھانجی، وغیرہ؛ یہ سب عورتیں ''محرم'' کہلاتی ہیں، اور ان سے پردہ بھی نہیں ہے۔ اور جس عورت کے ساتھ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں نکاح حلال ہو- چاہے ابھی کسی وجہ سے حلال نہ ہو- اسے ''نامحرم'' کہتے ہیں۔ جیسے: ایک عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں ہے، تو ایک آدمی کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ دوسرے کا نکاح درست نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ طلاق دیدے اور عدت گزر جائے، اور کوئی دوسرا رشتہ نہیں ہے تو اس کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں جس عورت کے ساتھ نکاح درست ہو، ایسی عورت کو ''نامحرم'' کہتے ہیں اور اس کو بلاضرورتِ شرعیہ دیکھنا حرام ہے۔

معاشرہ میں پھیلا ہوا ایک بڑا گناہ

عورتوں میں چند رشتے ایسے ہیں جن کو ہمارے معاشرہ میں نامحرم ہونے کے

باوجود محرم سمجھا جاتا ہے، جیسے: چچی اور ممانی۔ چچی، یعنی چچا کی بیوی، اور ممانی، یعنی ماموں کی بیوی۔ تو چچی اور ممانی نامحرم ہیں۔ اس وقت وہ چچا کے نکاح میں ہے؛ لیکن چچا اگر طلاق دیدیں اور ان کی عدت گزر جائے اور دوسرا کوئی رشتہ نہ ہو؛ تو اس صورت میں چچی کے ساتھ نکاح درست ہوگا۔ یہی حال ممانی کا بھی ہے۔ اسی طرح چچا کی لڑکیاں (چچازاد بہنیں) ماموں کی لڑکیاں (ماموں زاد بہنیں) پھوپھی کی لڑکیاں (پھوپھی زاد بہنیں) خالہ کی لڑکیاں (خالہ زاد بہنیں) ان چاروں قسم سے بھی ہمارے سماج اور معاشرہ اور ہماری سوسائٹی میں پردے کا اہتمام کیا نہیں جاتا؛ حالاں کہ یہ بھی نامحرم ہیں اور ان سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے؛ بلکہ ان سے تو ملنے جلنے کی نوبت زیادہ آتی ہے، اس لیے ان سے تو پردہ کرنا اور زیادہ ضروری ہے۔ ہاں! پھوپھی اور خالہ محرم ہیں۔

جن کے شوہر سفر میں ہوں

حدیثِ پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وَلَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ'' (مشکوۃ شریف: ۲۶۹) ایسی عورتیں جن کے شوہر غیر حاضر ہوں، سفر میں ہوں؛ ان کے پاس مت جایا کرو؛ کیوں کہ ان کے شوہروں کی غیر حاضری کی وجہ سے ان کی طبیعتوں کے اندر بھی کشش اور طبعی میلان پیدا ہوتا ہے، ایسی عورتوں کے پاس آدمی جب تنہائی میں جاتا ہے تو نفس اور شیطان بھی آدمی کو گناہ کے لیے اُبھارنے کا کام کرتے ہیں، اور وہاں اسباب زیادہ ہیں اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔

کسی نے پوچھا: ''يَارَسُوْلَ اللهِ! (ﷺ) أَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: الْحَمْوُ الْمَوْتُ'' (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۴۹۳۴) اے اللہ کے رسول! دیور (شوہر کے بھائی) کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: دیور تو موت ہے۔ یعنی جیسے موت

سے بھاگا جاتا ہے، ایسے ہی دیور سے بھاگنا چاہیے۔ اس لیے کہ پرائے آدمی کو برائی کے اندر مبتلا ہونے کے لیے تدبیریں بھی کرنی پڑیں گی، اور یہ تو گھر کا فرد ہے ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے''۔ خدا نہ کرے اگر آنکھ لڑ گئی اور برائی میں مبتلا ہو گئے تو زندگی بھر برائیاں ہوتی رہیں گی اور پتہ بھی نہ چلے گا، اور بقول اکبر الٰہ آبادی:۔

پردہ دَری کا یہ نتیجہ نکلا ۞ جسے سمجھتے تھے بیٹا؛ وہ بھتیجا نکلا

جیسا معاملہ ہو جائے گا۔

یہ چیز پاکیزگی کا ذریعہ ہے

بہر حال! شریعت نے پردہ اور ''غَضِّ بَصَر'' کا بھی حکم دیا۔ اسی سلسلہ میں علامہ نوویؒ نے پہلی آیت پیش کی ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ، ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ﴾ (النور:۳۰) ''اے نبی! آپ ایمان والے مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا کریں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ چیز ان کے لیے پاکیزگی کا ذریعہ ہے'' اور آگے فرمایا: ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ (النور:۳۱) ''اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں''۔

دیکھیے! قرآنِ پاک کا عام مزاج اور دستور یہ ہے کہ جب کوئی حکم دیا جاتا ہے تو اس میں سب کو ایک ساتھ خطاب کیا جاتا ہے، مردوں کو الگ اور عورتوں کو الگ خطاب نہیں کیا جاتا، جیسے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے ایمان والو'' کہہ دیا، اس میں مرد بھی آ گئے اور عورتیں بھی آ گئیں۔ لیکن یہ ایک حکم ایسا ہے جس میں مردوں کو الگ مخاطب کیا گیا اور عورتوں کے لیے الگ آیت نازل فرمائی ہے۔ اس سے اس حکم کی

اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم کتنا اہم ہے۔

بدنظری کی وجہ سے چہرے کا نور ختم ہوجاتا ہے

نبیٔ کریم ﷺ یہاں فرماتے ہیں: ''لَتَغُضُّنَّ أَبْصَارَكُمْ وَلَتَحْفَظُنَّ فُرُوْجَكُمْ أَوْلَيَكْسِفَنَّ اللّٰهُ وُجُوْهَكُمْ'' (الترغیب:۳/۲۵) ''اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو؛ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کا نور ختم کردے گا''۔ ''کسوف'' سورج گرہن کو کہتے ہیں، جیسے سورج کو گرہن لگ جاتا ہے تو اس کا نور ختم ہوجاتا ہے اسی طرح جو آدمی بدنظری میں مبتلا ہوتا ہے وہ چاہے کیسا ہی حسین ہو، لیکن اس کے چہرے پر رونق نہیں ہوتی۔

بدنگاہی سے بچنا ہی پڑے گا

آج بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بدنظری کا گناہ ایسا عام ہوچکا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، اور مصیبت یہ ہے کہ دورِ حاضر کی جو تہذیب ہے- عام بے حیائی فحاشی، عریانی، عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا- اس کے نتیجے میں بقول مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم ''آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے'' یعنی آدمی باہر جائے تو آنکھوں کا بچانا مشکل ہوگیا ہے؛ لیکن جس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنی ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے دل میں بٹھانا ہو، اپنے دل کی اصلاح مقصود ہو اور اپنے قلب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا مطلوب ہو؛ تو اس کو بدنگاہی سے بچنا ہی پڑے گا۔

بدنظری کے ساتھ قلب کی اصلاح نہیں ہوسکتی

بزرگوں نے لکھا ہے کہ: تمام صوفیاء کا اتفاق ہے کہ بدنظری کے ساتھ قلب کی

اصلاح نہیں ہوسکتی۔ حالاں کہ اس سے بھی بڑے بڑے دوسرے گناہ ہیں، لیکن یہ گناہ ایسا ہے کہ اس کی نحوست کی وجہ سے جب تک وہ بدنظری کے اندر مبتلا رہتا ہے اس کا قلب کبھی سدھر نہیں سکتا، آدمی کے دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم اور استوار ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے آپ بیتی کے اندر لکھا ہے کہ: بہت سے ذاکرین ایسے ہیں کہ ذکر کرنے کے نتیجے میں ان کے دلوں میں نور پیدا ہوا؛ لیکن بدنظری کا شکار ہوئے اور اس سے محروم کردیئے گئے۔

عبادت کی لذت کیوں حاصل نہیں ہوتی؟

آج کل ہم لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے ہیں، تسبیحات کا اہتمام کرتے ہیں، دیگر ساری چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں؛ لیکن نماز، تسبیحات اور تلاوت کی جو لذت ہمیں حاصل ہونی چاہیے؛ وہ نہیں ہوتی۔ اس کی جو مختلف وجوہات ہیں ان میں سے ایک بڑی وجہ یہی ''بدنظری'' ہے۔

بڑا خطرناک روگ

گویا بدنظری ایک بڑا خطرناک روگ ہے، اور ایسا روگ ہے کہ لگنے کے بعد آسانی سے جانا بھی مشکل ہے۔ ایک آدمی زنا کاری کرے تو زنا کاری کے لیے کچھ اسباب بھی ہونے چاہیے، مثلاً: جسم میں قوت چاہیے، لیکن بقول حکیم الامت تھانویؒ: بدنظری ایسی بیماری ہے کہ قبر میں پاؤں لٹکے ہوئے ہیں، آدمی بوڑھا ہوچکا ہے؛ پھر بھی نہیں جاتی۔ بوڑھے بوڑھے بھی بھانپو (نظرباز) بنے ہوئے ہیں، ذرہ برابر حیا اور

مروت نہیں رہی، اور اس کو گناہ بھی نہیں سمجھتے، اس گناہ کی شناعت وقباحت اور برائی دلوں سے نکل چکی ہے۔ کسی جگہ بیٹھے ہیں اور ماں بیٹیاں گزر رہی ہیں تب بھی دیکھنے میں ذرا باک نہیں سمجھا جاتا۔ اور یہ گناہ ایسا ہے کہ آدمی چپکے سے کر لے تو کسی کو پتہ بھی نہ چلے بقول حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ: ''مولوی صاحب؛ مولوی صاحب رہے۔ قاری صاحب؛ قاری صاحب رہے'' مطلب یہ ہے کہ اس گناہ کو کرتے ہوئے عام طور پر کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

بہرحال! یہ بڑا خطرناک روگ ہے، اسی لیے اس گناہ سے خاص طور پر روکنے کے لیے گویا باری تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے اندر علاج بتایا ہے: ﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ (المؤمن: ۱۹) اس علاج کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

اعضاءِ بدن اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۶)

بے شک کان اور آنکھ اور دل؛ یہ سب کے سب وہ اعضاء ہیں جن کی کارگزاری کے متعلق اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا، جسم عطا فرمایا اور جسم میں مختلف صلاحیتوں والے مختلف اعضاء ہمیں نصیب کیے۔ دیکھنے کے واسطے آنکھ دی، سننے کے واسطے کان دیئے، بولنے کے لیے زبان دی، پکڑنے کے لیے ہاتھ دیئے، چلنے کے واسطے پاؤں عطا کیے، کھال کے اندر احساس کا مادہ رکھا کہ گرمی سردی وغیرہ کو ہم محسوس کر سکتے ہیں، سوچنے کے لیے دماغ دیا، دل کے اندر جذبات پیدا فرمائے، جسم کے اندر مختلف قسم کی یہ مشینیں قدرت کی طرف سے فِٹ (Fit) کی گئی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ

یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانتیں ہیں، انسان ان چیزوں کا مالک نہیں ہے؛ بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی مِلک ہیں، ہمیں ایک وقتِ مقررہ تک ان کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، اور یہ ہمارے پاس عاریت اور مانگے کی چیزیں ہیں، ہم ان کو مالک کی ہدایتوں کے مطابق ہی استعمال کریں، جہاں جہاں استعمال کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ان چیزوں کو ہمیں استعمال کرنا ہے، اور جہاں استعمال کرنے سے منع کیا ہے ان سے ہمیں اپنے آپ کو باز رکھنا ہے۔

بدنظری کیوں منع ہے؟

''آنکھ'' اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کے ذریعہ جو مناظر دیکھے جاتے ہیں اس کی وجہ سے آدمی کے دل کے اندر مختلف قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، انہیں آنکھوں کے ذریعہ اگر ہم نے کعبۃ اللہ کو دیکھا تو اس وقت ہمارے دل کے جذبات اور اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت ہوتی ہے، اور ایسے عمدہ اور اعلیٰ جذبات پیدا ہوتے ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، اور آدمی خواہش مند ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ چیزیں نصیب کرے۔ جب ماں باپ کو، اپنے بڑوں کو، اساتذہ کو اور اہل اللہ کو ہم دیکھتے ہیں؛ اس وقت دل کی کیفیت کچھ الگ ہوتی ہے۔ بیماروں، دکھیوں اور پریشان لوگوں کو جب ہم دیکھتے ہیں، اور یہ مناظر اور تصویریں آنکھ کے ذریعہ ہمارے دل ودماغ تک پہنچتی ہیں تو ہمارے جذبات کے اندر رحم کا مادّہ اُبھر آتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کریں، ہماری طرف سے کوشش ہوتی ہے کہ ان کو ہم اپنی طرف سے جیسی بھی راحت پہنچا سکتے ہوں؛ پہنچائیں۔ جب ہم کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی کے ساتھ ظلم کر رہا ہے، ظالمانہ طور پر بے جا پٹائی کر رہا ہے، جب ہم اس منظر کو دیکھتے ہیں

اور یہ تصویر آنکھ کے ذریعہ سے دل ودماغ میں پہنچتی ہے تو جس کے ساتھ ظلم کیا جارہا ہے اس کے ساتھ جذبۂ ترحم (رحم کھانے کا جذبہ) اور ظلم کرنے والے کے ساتھ جذبۂ تنفر (نفرت کرنے کا جذبہ) ہمارے نفس کی کیفیت ہوتی ہے۔ اسی طرح اجنبی عورتوں اور حسین چہروں کے اوپر جب نظر پڑتی ہے اور یہ مناظر دل ودماغ میں پہنچتے ہیں تو شہوت کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُبھارتے ہیں اور اپنی شہوت کو پورا کرنے کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سارے مناظر اور تصویریں جب آنکھ کے ذریعہ سے دل ودماغ کے اندر پہنچ گئیں تو ایسا نہیں ہے کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، بلکہ ان مناظر اور تصویروں کے دل ودماغ پر مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ہماری یہ آنکھیں ایسا کیمیرہ ہیں جس کے ذریعہ منتقل ہونے والے مناظر اور تصویریں اندر جاکر اپنا اثر دکھلاتی ہیں، اور انہی اثرات کے مطابق شریعت کی طرف سے ہمیں دیکھنے اور نہ دیکھنے کے متعلق ہدایتیں دی گئی ہیں۔ بعض چیزوں کے دیکھنے کی ترغیب دی گئی، اور بعض چیزوں کے دیکھنے سے روکا گیا۔

آنکھ عجیب وغریب نعمت

آنکھ اللہ تعالیٰ کی ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ جس کے پاس یہ نعمت نہیں ہے اس سے ہم پوچھیں کہ بھائی! یہ کیسی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے؟ حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: سائنس دانوں کی تحقیق ہے کہ آنکھ کے اندر اللہ تعالیٰ نے اعصاب اور سنایو (ચેતાતંતુ) رکھے ہیں، آدمی جب اندھیرے سے روشنی میں آتا ہے اور روشنی سے اندھیرے میں جاتا ہے تو

آنکھیں پھیلتی ہیں اور سکڑتی ہیں، اس پھیلنے اور سکڑنے میں ایک لمحہ کے اندر وہ نو میل کی مسافت طے کر لیتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

نگاہِ محبت سے دیکھنے کی فضیلت

بہرحال! ان مناظر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف وعدے اور وعیدیں ہمیں دیئے گئے ہیں۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے: شوہر اگر اپنی بیوی کو نگاہِ محبت سے دیکھتا ہے، بیوی اپنے شوہر کو نگاہ محبت سے دیکھتی ہے؛ تو اللہ تعالیٰ دونوں کو نگاہ رحمت سے دیکھتے ہیں۔ (التدوین للرافعی: ۲/ ۷ ۴)

نگاہِ محبت سے منع نہیں کیا گیا؛ لیکن ہر جگہ نہیں، بلکہ جہاں کرنی چاہیے؛ وہاں کرو۔ آج کل تو معاملہ اُلٹا ہو گیا، بیوی سامنے آرہی ہے تو اس سے نفرت کر رہے ہیں اور اجنبی عورت آرہی ہے تو اس کے متعلق دل میں رحمت اور محبت کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ جس سے روکا گیا ہے وہ ہو رہا ہے، اور جو کرنا ہے اس سے اپنے آپ کو بچا رہے ہیں۔

گھر بیٹھے حج مبرور کا ثواب

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مطیع اور فرمانبردار بیٹا (ماں باپ کی بات ماننے والا، ان کو راحت پہنچانے والا، جس کے دیکھنے سے ماں باپ بھی خوش ہوتے ہوں) جب ماں باپ کو نظرِ رحمت اور مہربانی کے جذبات سے دیکھتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر ایک نظر پر حجِ مبرور کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا انعام ظاہر ہوتا ہے جو بہت معمولی کام پر کیا گیا ہو، اور یہ اندیشہ ہو کہ یہ کام تو بہت سب لوگ کریں گے؛ تو انسانوں کا حال تو یہ ہے کہ انعام کو گھٹا دیتے ہیں، مثلاً:

پہلے کو ملے گا، دوسرے کو نہیں ملے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''وَلَوْ فِي كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ'' اللہ کے رسول! اگر کوئی آدمی ایک دن میں سو مرتبہ اپنے ماں باپ کو نظرِ رحمت سے دیکھے؟ (تب بھی یہی انعام ہے؟) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نَعَمْ! أَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ'' (مکارم الاخلاق للخرائطی، حدیث نمبر: ۲۱۵) جی ہاں! اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بڑی اور پاکیزہ ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ گھر بیٹھے بیٹھے بھی حجِ مبرور کا ثواب لے سکتے ہیں، کوئی آدمی دن میں سو مرتبہ دیکھے گا تو سو حج مبرور کا ثواب ملے گا۔ ہمیں کہیں عمرہ کرنے کے لیے جانے کی ضرورت نہیں، گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔

بدنظری کے حرام ہونے کی ایک مثال سے وضاحت

مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان مختلف مناظر کے اپنے اثرات ہیں، اور انہی اثرات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کو دیکھنے اور نہ دیکھنے کے احکام دیئے ہیں کہ فلاں چیز آپ دیکھ سکتے ہیں، فلاں چیز آپ نہیں دیکھ سکتے۔ بیمار آدمی جس کو ہارٹ (Heart) کا حملہ ہوا ہو، اور وہ اسپتال میں ہو، جب لوگ اس کو ملنے کے لیے جائیں گے تو ڈاکٹر پہلے سے ہدایت کر دیں گے کہ دیکھو! کوئی اس کے سامنے آنسو مت نکالیو، اگر کسی نے اس کے سامنے اپنی آنکھیں ڈبڈبائیں تو اس کے دل پر اثر ہوگا، پھر کہیں اٹیک (Attack) نہ آجائے۔ اور ایسا آدمی جس کے متعلق یہ خطرہ ہو کہ وہاں جا کر آہ وواویلا کرے گا اس کو جانے ہی نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح جو چیزیں تمہارے دین اور ایمان کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں ان تمام چیزوں سے منع کر دیا گیا۔ نامحرم عورتوں اور بے ریش لڑکوں کو دیکھنے سے بھی اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے۔

مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ

عام طور پر شیطان دنیا کے اندر جو فتنہ وفساد پھیلاتا ہے اس کا ایک بڑا ہتھیار آوارہ اور بدکار عورتیں ہیں۔ شیطان ان کو اپنے جال کے طور پر استعمال کرتا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ '' (بخاری شریف) ''میرے بعد میں نے مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں چھوڑا'' یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس کی وجہ سے اچھے اچھے لوگ پھنس جاتے ہیں۔

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مرتبہ عورتوں کو نصیحت فرما رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: ''مَا رَأَيْتُ مِنْ نَّاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ '' (بخاری شریف: ۱/ ۴۴) دین اور عقل کے اعتبار سے ناقص شخصیت کو سمجھدار اور تجربہ کار آدمی کی عقل اُٹھا لے جانے والا تم سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ عقل کے اعتبار سے مرد کے مقابلہ میں کم؛ لیکن بڑے بڑے دانا اور تجربہ کاروں کی عقلوں کو اُڑا کر لے جاتی ہیں۔

بہر حال! ان فتنوں سے بچانے کے لیے ہمیں شریعت نے حکم دیا ہے کہ نگاہوں کو نیچا رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھ دی، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے ہم ہر چیز دیکھتے رہیں؛ بلکہ جن چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے (یعنی نامحرم عورتیں) اس سے بچنا چاہیے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حسین چہروں کو دیکھ لیا، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی حسین عمارت دیکھ لی؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

......تو کیا حال ہے

بعض روایتوں میں آتا ہے نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ نَظَرَ إِلٰى مَحَاسِنِ إِمْرَأَةٍ يُلْقَ الْآنُكُ فِيْ عَيْنَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' (نصب الرایۃ) جس نے کسی عورت کے حسن کو دیکھا تو قیامت کے روز اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ آج اگر ایک چھوٹا سا تنکا یا ڈھول کا ایک چھوٹا سا ذرہ ہماری آنکھ میں جاتا ہے، تو ہم بے چین ہوجاتے ہیں۔ یا ذرا سا پانی چلا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے کیسی حالت ہوجاتی ہے، اور گرم پانی گر جائے تو پھر کیا حال ہو؟ لیکن بدنظری کی سزا میں نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے)

گناہوں سے بچنے کا نسخہ

اس لیے نگاہوں کے غلط استعمال پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کرلینا چاہیے اور ان کا استحضار ہونا چاہیے۔ جرائم کے اوپر جو سزائیں وارد ہوئی ہیں اگر آدمی ان کو سامنے رکھے تو اس کے لیے جرائم سے رُکنا آسان ہوجاتا ہے۔

زہریلا تیر

حدیثِ پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيس، مَنْ تَرَكَهَا مَخَافَتِيْ أَبْدَلْتُهُ إِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَةً فِيْ قَلْبِهٖ'' (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰/ ۱۷۳) نگاہ؛ شیطان کے تیروں میں سے زہریلا تیر ہے۔ پہلے زمانے میں تیر چلائے جاتے تھے تو پہلے سے اس کو زہر میں ڈبویا جاتا تھا، اس لیے کہ زہر میں بجھایا ہوا نہ ہو، اور خراش لگ جائے تو وہ خراش اچھی ہوسکتی ہے؛ لیکن زہر میں بجھائے ہوئے

تیر کی خراش بھی اگر لگ جائے تو وہ جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ شیطان جن تیروں سے انسانوں کا شکار کرتا ہے ان میں ایک آدمی کی اپنی نگاہیں بھی ہیں۔

یہ ایسا تیر ہے جو خود کو پہلے زخمی کرتا ہے

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آدمی جب نامحرموں کو دیکھتا ہے تو اس کی یہ نگاہ دوسرے پر کوئی اثر ڈالے اس سے پہلے خود اس کے لیے مہلک ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایسا تیر ہے جو دیکھنے والے ہی کو پہلے لگتا ہے، اسی لیے نگاہ کی حفاظت کا ہمارے اکابر نے بڑا اہتمام کیا۔ نگاہ کی حفاظت کے سلسلہ میں ہمارے اکابر کتنا اہتمام کرتے تھے اس کو مَیں ابھی بتلاتا ہوں۔

کتنا بڑا وعدہ ہے

پھر آگے کتنا عظیم وعدہ کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا: جو آدمی بدنظری کو میرے ڈر کی وجہ سے چھوڑ دے گا، یہ سوچے گا کہ میری اس بدنظری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، تو مَیں اس کے اس عمل پر معاوضہ کے طور پر ایمان کی وہ کیفیت عطا کروں گا جس کی مٹھاس اور شیرینی وہ اپنے دل کے اندر محسوس کرے گا۔ بھائی! اگر یہ شیرینی لینی ہے تو اس کے لیے تھوڑا مجاہدہ تو کرنا ہی پڑے گا، محنت تو برداشت کرنی ہی پڑے گی۔ کتنا بڑا وعدہ ہے!

طاعت کی لذت سے محروم

اس سے ہم استدلال کر سکتے ہیں کہ جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ایمان کی مٹھاس سے محروم ہو جاتے ہیں، ان کو عبادت اور طاعت کی لذت نصیب نہیں

ہوتی۔اسی لیے بزرگوں نے فرمایا: جو آدمی بدنظری میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ طاعت کی لذت سے محروم کردیا جاتا ہے۔ دوسرے بہت گناہ ہیں لیکن ان پر ایسی سخت وعید نہیں آئی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگ اس گناہ کو ایسا ہلکا سمجھ بیٹھے ہیں کہ کرنے کے بعد اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

گناہ ایک آگ ہے

پھر دوسرے گناہ تو ایسے ہیں کہ آدمی اگر ان کو کئی مرتبہ کرلے تو ان سے دل اُچاٹ ہوجاتا ہے۔ مثلاً: شراب نوشی ہے، دو بوتل، تین بوتل، چار بوتل پئے گا؛ اور کتنی پئے گا؟ آخر تو رُکے گا؟ اسی طرح زنا کا ارتکاب ہے؛ تو زنا کب تک کرے گا؟ جب تک اس کی قوت ساتھ دے گی، آخرکار تو اس کی ٹانگیں ڈھیلی ہوجائیں گی۔ ہر گناہ کا یہی حال ہے کہ ایک حد پر اس کی انتہاء ہوجاتی ہے؛ لیکن بدنظری ایسا گناہ ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، یہ تو مسلسل چلتی رہتی ہے، ایک گھنٹہ تو ایک گھنٹہ، دو گھنٹے تو دو گھنٹے تک بیٹھے ہوئے ہیں اور گزرنے والی عورتوں پر نظر پڑ رہی ہے اور اپنے زعم میں لطف اور لذت اُٹھا رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھو! یہ لذت نہیں ہے؛ بلکہ آگ ہے آگ۔ یہ مناظر جو اندر محفوظ ہورہے ہیں؛ بعد میں پھر وہی یاد آتے ہیں اور ستاتے ہیں۔ نماز کے لیے جب کھڑے ہوتے ہیں، یا دوسرے کام میں لگے ہوتے ہیں؛ تو یہ ساری چیزیں سامنے آتی ہیں اور آدمی کو پریشان کرتی ہیں۔

بے چینی سے بچنے کا سستا سودا

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: بدنظری کے لیے آنکھیں بہت

کوشش کرتی ہیں، جب کوئی عورت سامنے سے گزر رہی ہوتی ہے تو دل یوں کہتا ہے کہ ذرا دیکھ لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ بغیر تمہارے دیکھے وہ گزر جائے اور پتہ نہیں کیسی حسین ہوگی، ذرا ایک نظر دیکھ لو تاکہ افسوس نہ رہ جائے، اور اسے دیکھے بغیر دل مانتا ہی نہیں۔ دل میں ایک طرح کی بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت نے پوچھا: یہ بے چینی کتنی دیر رہتی ہے؟ کہا: تھوڑی دیر؛ تین چار منٹ رہتی ہے، جب وہ عورت گزر جاتی ہے تو وہ بے چینی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت نے پوچھا: اچھا! اگر اس کو دیکھ لیا اور اس کی تصویر دل کی میمری (Memory) میں اتر گئی، تو اس کے بعد اس کا خیال بار بار آتا ہے نا؛ وہ کتنا رہتا ہے؟ اس نے کہا: تین چار دن تک تو وہ جاتا ہی نہیں۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا: اگر تین چار دن کی اس بے چینی کے بدلہ میں تین چار منٹ کی بے چینی برداشت کر لی جائے؛ تو یہ سودا سستا ہے۔

سالکین کو خاص ہدایت

بہر حال! اس کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ بڑا خطرناک گناہ ہے۔ مَیں نے پہلے بتلایا تھا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ جو ذاکرین ہیں، خاص کر راہِ سلوک میں لگے ہوئے ہیں، وہ اللہ کے ذکر کا سلسلہ شروع کرتے ہیں تو طبیعت میں ایک لذت اور جوش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، لیکن بدنظری میں مبتلا ہوتے ہیں؛ تو وہ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

نسبت کی تعریف اور ایک مثال سے اس کی وضاحت

نسبت؛ صوفیاء کی ایک اصطلاح ہے، یعنی آدمی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک

خاص تعلق پیدا ہوجائے جس کی وجہ سے ہر لمحہ اللہ کی یاد ہو، اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا تصور ہو، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اہتمام ہو؛ اسی کو نسبت کہتے ہیں۔ پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ جیسے: دیہاتوں میں عورتوں کو دیکھا ہوگا کہ کنویں کے اوپر دو دو، تین تین، چار چار اور جماعت کی شکل میں سر کے اوپر گھڑے اور برتن لے کر پانی بھرنے جاتی ہیں اور آپس میں باتیں بھی کر رہی ہوتی ہیں، ہنسی مذاق بھی کر رہی ہوتی ہیں؛ لیکن ان کا دھیان ایک منٹ کے لیے بھی اپنے برتن سے نہیں ہٹتا۔ یا جیسے کوئی ڈرائیونگ کر رہا ہو تو ڈرائیونگ کرنے والا باتیں بھی کرتا ہے، ہنسی مذاق بھی کرتا ہے؛ لیکن اس کا دھیان ڈرائیونگ سے چوکتا نہیں۔

نسبت کے ختم ہونے کا ایک سبب

بزرگوں نے لکھا ہے کہ بہت ریاضتیں اور مجاہدے کرنے کے بعد آدمی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہوتا ہے اسی کو نسبت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ساری ریاضتیں وسارے مجاہدات اسی لیے کرواتے ہیں کہ نسبت پیدا ہوجائے، جیسے: کہا جاتا ہے کہ یہ صاحبِ نسبت بزرگ ہیں، یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو چکا ہے۔ تو جو نسبت ریاضت اور مجاہدہ کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے وہ نسبت جن چیزوں سے ختم ہوجاتی ہے، اس کے کئی اسباب ہیں، ان میں ایک بڑا سبب ''بدنگاہی'' بھی ہے۔ گویا حاصل شدہ نسبت بھی بدنگاہی سے ختم ہوجاتی ہے۔ اسی لیے راہِ سلوک کی جو رکاوٹیں اور موانع ہیں ان میں ایک بڑا مانع ''بدنگاہی'' ہے۔ دوسرا مانع ''حرام لقمہ'' ہے۔ اور تیسرا مانع ''غلط صحبت'' ہے۔ معلوم ہوا کہ بدنگاہی بڑی خطرناک چیز ہے اور اس کے بڑے نقصانات ہیں۔

بدنگاہی سے دونوں پر لعنت ہوتی ہے

اور یہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا حقدار بناتی ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ إِلَيْهِ'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ:۲۷۰۰) جو نامحرم کو غلط اور ناجائز نگاہ سے دیکھتا ہے، تو اس پر اور جس کو دیکھا جا رہا ہے؛ دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ اب سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ دیکھنے والے کے اوپر تو لعنت سمجھ میں آنے والی بات ہے؛ لیکن جس کو دیکھا جا رہا ہے اس پر لعنت آخر کیوں کی گئی؟ تو اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضراتِ علماء نے لکھا ہے کہ جس کو دیکھا گیا ہے اس نے بھی تو اس بات کا اہتمام کیا تھا، اپنے آپ کو سنوارا تھا اور زیب و زینت اختیار کی تھی؛ تاکہ لوگ مجھے دیکھیں۔ جیسے: مرد جب لباس پہنتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ عورتیں مجھے دیکھیں اور پسند کریں۔ اور عورتیں بھی جب زیب و زینت کرتی ہیں تو وہ یوں سوچتی ہیں کہ مرد ہمیں دیکھیں اور پسند کریں۔ گویا اس نے بھی اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کیا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں بھی گناہ ہے، اس لیے اس پر بھی لعنت ہوئی۔

لعنت کتنی خطرناک چیز ہے؟

اللہ تعالیٰ کی لعنت کتنی خطرناک چیز ہے! اس کا تو وجود بھی مصیبت بنتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، ایک آدمی نے اپنے اونٹ پر کسی وجہ سے لعنت بھیجی۔ صرف اس کی زبان سے لعنت کا لفظ نکلا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق حکم

دیا کہ اس اونٹ کو قافلہ سے الگ کر دو، لعنت والی چیز ہمارے ساتھ نہیں رہنی چاہیے۔

(مسلم شریف، حدیث نمبر:۲۵۹۵)

انسان کو دھوکہ دے سکتے ہیں؛ لیکن......

تو مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآنِ پاک کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں متنبہ کر دیا کہ اپنی نگاہوں کے متعلق یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے متعلق سوال ہوگا۔ اب کوئی آدمی سوچے کہ سوال تو تب ہو جب اس کا پتہ بھی چلے، جیسا کہ باپ کی طرف سے بچے کو سوال تو اس وقت ہو جب کہ باپ کو پتہ بھی چلے کہ اس نے گڑبڑ کی ہے، تب ہی تو باپ گرفت اور مواخذہ کرے گا، اگر پتہ ہی نہ چلے تو پھر پکڑ کیسے کرے گا؟ تو آگے آیت لائے ہیں: ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (المؤمن:۱۹) آنکھوں کی خیانت کو وہ جانتا ہے۔ آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ کسی جگہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور اجنبی عورت آئی تو ایسا چپکے سے دیکھ لیا کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چلا، جس کو کہتے ہیں کہ کھانچا مار دیا، گویا سب کو دھوکہ دیدیا۔ تو کھانچا مار کر تم انسانوں کو دھوکہ دے سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا ہے، کیوں کہ وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے؟

بدنگاہی سے بچنے کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بتلائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس تصور کو تازہ کر لو کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ: اگر آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں سے کوئی حسین عورت گزر رہی ہے؛ لیکن آپ کے ابّا موجود ہیں جو ٹکٹکی لگائے ہوئے آپ کو دیکھ رہے ہیں تو آپ اس کو نہیں دیکھیں گے، اس

لیے کہ ابا دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح استاذ موجود ہیں جو آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کی نگرانی کر رہے ہیں، آپ ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں، اور وہاں سے کیسی ہی حسین عورت گزر جائے تو اگر چہ جی بہت چاہ رہا ہوگا تب بھی استاذ کے موجود ہونے کا خیال کرتے ہوئے آپ اپنی نگاہیں نہیں اُٹھائیں گے۔ یوں سوچیں گے کہ اگر یہ دیکھ لیں گے تو وہ میرے متعلق کیا گمان کریں گے! ایسے ہی اگر پیر اور شیخ دیکھ رہے ہیں، تو ان کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے مرید بدنگاہی نہیں کرے گا۔ یہ تو بڑوں کی بات تھی، اگر اپنے سے چھوٹے وہاں موجود ہوں، جیسے: شاگرد استاد کو دیکھ رہے ہیں، یا مرید پیر کو دیکھ رہے ہیں یا بیٹا باپ کو دیکھ رہا ہے، تو استاذ، پیر اور باپ بدنگاہی نہیں کریں گے، وہ شرمائیں گے کہ شاگرد، مرید اور بیٹا میرے متعلق کیا سوچیں گے کہ عمر کی اس منزل میں پہنچ کر بھی یہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں!

تو دیکھئے آدمی ان لوگوں سے شرم محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو بدنگاہی سے بچاتا ہے، حالاں کہ اگر انہوں نے دیکھ لیا تو اس کی وجہ سے کیا نقصان ہوگا؟ کیا ان کے ہاتھوں میں ہماری دنیا اور آخرت کا کوئی اختیار ہے؟ ہماری عمر ان کے ہاتھ میں ہے؟ ہماری روزی ان کے ہاتھ میں ہے؟ بس اتنا ہے کہ وہ ہمیں برا سمجھیں گے، اس کے سوا اور کوئی نقصان ہونے والا نہیں ہے۔ نہ تو وہ ہماری تنخواہ کاٹ لیں گے، نہ ہماری روزی گھٹائیں گے، ہمارا کوئی معاملہ ان کے اختیار میں نہیں ہے، اس کے باوجود آدمی ان لوگوں کی موجودگی میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے، اور جب کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ تمام دروازے- جہاں سے کوئی اس کو دیکھ سکتا ہو- بند کر لیتا ہے؛ بلکہ چھوٹا بچہ بھی وہاں موجود ہو تب بھی گناہ نہیں کرتا ہے کہ بچہ دیکھ رہا ہے۔ حالاں کہ ہمارا تو عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں: ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾ (اقراء: ۱۴) ”کیا

اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے'' بزرگوں نے باقاعدہ اس آیت کا مراقبہ بتایا ہے۔ مراقبہ یعنی آدمی ہر وقت یہ سوچے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ہوں۔ آج کل جگہ جگہ بورڈ لگائے جارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، مَیں اللہ کی نگاہوں میں ہوں؛ تاکہ یہ تصور ہمارے دل ودماغ میں جم جائے اور ہر وقت یہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

ایک عمدہ مثال

اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے کہ: اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہاں مسجد میں ہم اکیلے ہیں، لیکن یہاں کیمرے لگے ہوئے ہیں اور جہاں ان کیمیروں کی اسکرین ہے وہاں نگران بیٹھے ہوئے ہماری نگرانی کررہے ہیں، اور اس درمیان کوئی اجنبی عورت یہاں آجائے تو مسجد میں کسی کے موجود نہ ہونے کے باوجود ہم اپنے آپ کو بچائیں گے کہ ہماری (Watch) نگرانی ہورہی ہے، اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدنگاہی سے بچنے کی تدبیر بتلائی ہے: ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (المؤمن:۱۹) یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ تو نگاہوں اور آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے، اور جس وقت تم کسی کو دیکھ رہے ہوتے ہو اس وقت تمہارے دل میں کیا کیا خیالات آتے ہیں، اور تم کیا کیا سوچ رہے ہوتے ہو؛ اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے تو اس کا محاسبہ بھی کرے گا اور اس کی سزا بھی دے گا۔

تیرا رب گھات میں ہے

ہم لوگ انسانوں کو اسی وقت دھوکہ دیتے ہیں جب ان کی توجہ ہماری طرف نہ

ہو، جب وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہوں، تب ہم کھانچا مار دیتے ہیں، لیکن اگر کوئی ہمیں ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھ رہا ہو تو ہم سوچتے ہیں کہ یہ برابر ہماری طرف دھیان لگائے ہوئے ہے، ابھی موقعہ نہیں ہے۔ اسی بات کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ (الفجر:۱۴) تیرا رب تیری گھات میں ہے۔ گھات کا مطلب یہ ہے کہ شکاری جس وقت شکار کرنے کے لیے شکار کی طرف بندوق تاکتا ہے اور نشانہ لیتا ہے، تو بندوق کی گولی چھوڑنے سے کچھ پہلے شکار کی طرف جو نگاہ ہوتی ہے؛ اس کو "مرصاد" کہتے ہیں۔ اس وقت ساری چیزوں سے بے حس و بے حرکت ہو کر اور سب چیزوں سے توجہ ہٹا کر شکار کی طرف پورا دھیان ہوتا ہے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتے ہیں لیکن یہاں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ گھات میں ہیں، یعنی ہماری طرف پورے طور پر دھیان دیئے ہوئے اور متوجہ ہیں۔ اگر ہمارے دل و دماغ میں یہ تصور جم جائے؛ تو پھر کیا ہم بدنگاہی کریں گے؟ یہی وہ چیز تھی جس نے ہمارے اکابر و اسلاف کو ان چیزوں کے معاملہ میں اتنا محتاط بنا دیا تھا کہ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل

خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان احکام پر کیسا عمل فرماتے تھے؟ علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب قبیلۂ عبد القیس (جو بحرین کا ایک قبیلہ تھا) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس میں ایک بے ریش لڑکا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا (کشف الخفاء: ۲/۲۳۱) حالاں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو معصوم اور پاک تھے؛ لیکن اپنے اس عمل سے اپنی امت کو سبق دینا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت داود علیہ السلام کی قوم اس فتنے میں مبتلا ہو گئی۔ (الترغیب والترہیب للیافعی)

اکابر واسلاف کے واقعات وارشادات

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ''اَمرد'' آیا۔(اَمرد کی تعریف یہ کی ہے کہ مونچھ کے کچھ ڈورے تو پھوٹ چکے ہوں، لیکن ابھی ڈاڑھی نہ آئی ہو، بہت چھوٹے بچے کو''اَمرد'' میں شامل نہیں کیا ہے؛ بلکہ ایسا لڑکا کہ جس کی طرف عورتیں بھی رغبت رکھتی ہیں، جو لڑکا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے فتنہ ہو؛ اس کو''اَمرد'' سے تعبیر کیا ہے۔) تو ایک آدمی اپنے بے ریش لڑکے کو لے کر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، امام صاحب نے کہا: آئندہ اس کو مت لانا۔لوگوں نے عرض کیا: حضرت! آپ اس کی اتنی تاکید کیوں فرما رہے ہیں؟ فرمایا: میرے اکابر نے مجھے یہی تاکید کی ہے کہ کبھی بھی بے ریش کو اپنے پاس نہ آنے دینا، اس سے اپنے آپ کو بچانا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ایک مرتبہ حمام تشریف لے گئے تو حمام کے مالک نے پانی پہنچانے کی خدمت کے لیے کسی بے ریش کو بھیج دیا، انہوں نے کہا: جلدی سے اس کو یہاں سے نکالو، میں دیکھ رہا ہوں کہ عورت کے ساتھ تو ایک شیطان ہوتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ بارہ، تیرہ شیطان لگے ہوئے ہیں۔

حکم بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگوں میں گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں: بے ریش لڑکوں کی شکلوں اور صورتوں میں ایسی کشش ہوتی ہے جیسی کنواری لڑکیوں کے چہروں میں ہوتی ہے؛ بلکہ ان کے مقابلہ میں زیادہ ہی ہوتی ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔امام موصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایسے چالیس بزرگوں کو- جو قطب وابدال کے درجے پر تھے- مَیں نے دیکھا کہ وہ اس سے بہت بچنے کی تاکید کرتے تھے۔

بہر حال! اپنے آپ کو بدنگاہی سے بچانے کا بہت اہتمام ہونا چاہیے۔

آنکھوں سے زنا ٹپک رہا ہوتا ہے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے سامنے اللہ تعالیٰ سب احوال کھول دیتے ہیں؛ لیکن ایسے بندوں کا ظرف بھی اللہ تعالیٰ بڑا وسیع بنا دیتے ہیں، ان کے اندر اللہ کی شانِ ستاری کی جھلک آجاتی ہے، اس لیے وہ بندوں کی ان برائیوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک آدمی حاضر ہوا جو بدنظری کر کے آیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چہرہ دیکھ کر پہچان لیا؛ لیکن تنبیہ اس انداز سے فرمائی کہ لوگوں کو پتہ بھی نہ چلے، فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ مجلس میں ایسی حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپک رہا ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ (۱) نے حضرت رائے پوریؒ (۲) کا واقعہ سنایا تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی صاحبؒ ہی کے حوالہ سے آپ بیتی میں بھی نقل کیا ہے کہ: ایک مرتبہ بڑے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ وضو فرما رہے تھے، دو آدمی آئے، ایک تو آپ کا مرید تھا، دوسرا اس کے ساتھ آیا تھا، مرید کو دیکھ کر فرمایا: تمہارا تو کچھ بگڑا نہیں؛ سُستی چُستی آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ دراصل وہ

(۱) فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مراد ہیں۔

(۲) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ مراد ہیں۔ مرتب۔

مرید معمولات کی پابندی میں کوتاہی کرتا تھا۔ اور دوسرے کے متعلق فرمایا: ایک روگ اس کے دل کے اندر ہے، اور ایک آنکھ کے اندر ہے۔ دراصل وہ دوسرا آدمی بدنگاہی کا شکار تھا اور عقیدہ بھی بگڑا ہوا تھا۔

اور اس پر نگاہ پڑ جائے

ہمارے بزرگ اپنے آپ کو بدنگاہی سے بچانے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب دو گاڑیوں کا میل (Crossisng) ہوتا ہے (مثلاً: ایک گاڑی بمبئی جانے والی اور دوسری گاڑی احمد آباد جانے والی؛ دونوں سورت اسٹیشن کے ایک ایک پلیٹ فارم پر کھڑی ہوں) تو اگر میں کھڑکی پر بیٹھا ہوا ہوتا ہوں تو سامنے کھڑی ہوئی دوسری گاڑی پر نظر نہیں کرتا؛ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ دوسری گاڑی کی کھڑکی پر کوئی عورت بیٹھی ہوئی ہو، اور وہ یہ سمجھ کر کہ مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے، اپنا چہرہ کھلا ہوا رکھے اور اس پر میری نگاہ پڑ جائے۔

آج ہمارے اس زمانہ میں عورتوں کی بے حیائی اور راستوں پر ان کا بے پردہ چلنا اور آوارہ گردی عام ہو چکی ہے، اُس زمانہ میں اس طرح کھلے چہرے کے ساتھ ان کے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، بلکہ اُس زمانے میں عورتیں باہر نکلتی ہی نہیں تھیں۔

عورت چھپانے کی چیز ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں لکھا ہے کہ: بعض لوگ اپنی لڑکیوں سے ایسا پردہ کرواتے تھے کہ ان کے پڑوسیوں تک کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ اس کے گھر میں لڑکی ہے، جب شادی ہوتی تھی تو محلے والے کہتے تھے: اچھا! اس کے گھر لڑکی تھی؟ یعنی اس

لڑکی کے وجود تک کا پتہ نہیں چلتا تھا، اس کو چھپا کر پردے میں رکھنے کا اتنا زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا۔ اور آج کل تو بقول حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ: یہ حال ہے کہ لڑکی صبح سے گھر سے غائب ہے، شام کو واپس آتی ہے لیکن گھر والوں کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کہاں گئی تھی اور کیوں گئی تھی۔ لیکن اگر گھر کی مرغی تھوڑی دیر کے لیے اِدھر اُدھر ہو گئی ہو تو سارے گھر والے- بوڑھے بھی، مرد بھی، عورتیں بھی- اس کی تلاش کرنے کے لیے نکلیں گے کہ مرغی غائب ہے، مرغی غائب ہے، مرغی غائب ہے، دیکھو کہاں چلی گئی۔ (یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حضرت کا جملہ نقل کر رہا ہوں) تو یہ ایک مزاج بن چکا ہے۔ آج ہمارے سماج میں اس کا کوئی اہتمام ہی نہیں رہا، حالاں کہ ہمارے بزرگوں کے یہاں اتنا زیادہ اہتمام تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاء

حدیثِ پاک میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم وحیاء کو بتلایا گیا ہے کہ حضور کے اندر شرم ایسی تھی جیسے کنواری لڑکی اپنے گھر کے اندر کوٹھری میں بیٹھی ہوئی ہو، اور اس پر شرم غالب ہو (شمائل ترمذی، ص: ۲۴) اس حدیث کی شرح کرنے والے علماء نے لکھا ہے کہ: عام طور پر کنواری بچیوں کو گھر کے اگلے حصے میں بھی نہیں، بلکہ اندر کے چھوٹے کمرے میں رکھتے ہیں، جیسے: تجوری ہوتی ہے اور اس تجوری میں بھی چور خانہ ہوتا ہے، تو گھر اور گھر کے اندر بھی چھوٹا حجرہ ہوتا ہے۔ اُس زمانہ میں اتنا اہتمام ہوتا تھا کہ اندر کے کمرہ میں رکھا جاتا تھا۔ لیکن آج یہ بات نہیں رہی۔ آج تو جوان بچیوں کو اپنے ساتھ ہی لے کر نکلتے ہیں، اور وہ جوان لڑکی بے پردہ ہوتی ہیں، ان کے ماں باپ کے سامنے اجنبی لوگ اس کو دیکھ رہے ہوتے ہیں؛ لیکن اس پر ان کو غیرت بھی نہیں آتی۔

ہماری غیرت کہاں چلی گئی؟

علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المدخل'' میں اپنے زمانہ کی مصری عورتوں کا حال لکھا ہے، حالاں کہ وہ تو آج سے پانچ چھ صدی پہلے کے عالم ہیں؛ لیکن عجیب بات ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارے اِس زمانہ کی عورتوں ہی کا حال لکھا ہے کہ: وہ اجنبیوں کے ساتھ دکانوں پر خریدی کرنے کے لیے جاتی ہیں، دکاندار سے باتیں کرتی ہیں۔ اور وہ چلتی ہیں تو اپنی لچک دکھلا کر اور کمر مٹکا کر چلتی ہیں، اور ان کے گھر والے، شوہر، ماں باپ ان کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، تب بھی انہیں کوئی غیرت نہیں آتی۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ چیزیں بڑی احتیاط کی ہیں۔ اور آج کا ماحول یہ ہے کہ آدمی کے لیے بچنا مشکل ہو گیا ہے۔

ہر آدمی کے لیے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے لیے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس میں وہ لامحالہ مبتلا ہوگا۔ آنکھ کا زنا نامحرم کو دیکھنا ہے، اس کی تشریح میں مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہٗ نے جو لکھا ہے وہ مجھے تو بہت پسند آیا کہ: ہر آدمی کی زندگی میں ایسے مواقع آتے ہیں جس میں ہو سکتا ہے کہ آنکھ کی بے احتیاطی ہو جائے، کان کی بے احتیاطی ہو جائے، زبان کی بے احتیاطی ہو جائے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کیسے زنا میں مبتلا ہوں گے؛ لیکن ہر آدمی کی زندگی میں ایسے مواقع آتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں مبتلا ہو جائے، اور آج کا جو ماحول ہے اس میں آنکھ کی بے احتیاطی سے کون بچ سکتا ہے؟ آپ چوراہوں پر دیکھئے،

محلے میں دیکھئے، بازار میں دیکھئے، گھروں کے اندر اوٹوں کے اوپر دیکھئے، اور کمال تو یہ ہے کہ گھر کی دیواروں کے اوپر اور گھر کے اندر جو اخبار آتے ہیں اس پر دیکھئے، اور اگر کوئی اخبار نہ پڑھے تو استعمال کی چیزوں پر دیکھئے، مثلاً: سرمہ کی چھوٹی بوتل لے آئیں تو اس پر بھی عورت کی تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے، اور نامحرم عورت کی تصویر کو دیکھنا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ زندہ عورت کو دیکھنا تو جب اس پر نگاہ پڑے گی تو اس میں مبتلا ہو ہی گیا۔ اب آدمی کتنا بچے گا؟ پھر بھی اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے اور وہ اپنی عفت اور پاک دامنی کی حفاظت کرتے ہوئے ان چیزوں سے بچنے کا اہتمام کرلے اور پھر بھی کوئی فروگذاشت (کوتاہی) ہوگئی تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلے، اپنے آپ کو آگے بڑھنے سے بچائے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیدیتے ہیں۔

قابلِ تقلید طرزِ عمل

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: حضرت مولانا حافظ قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، سہارنپور کی جامع مسجد کے امام تھے، ایک مرتبہ وہ بیمار ہوئے تو ان کی جگہ پر امامت کے لیے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں حضرت مولانا الیاس صاحبؒ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھاتے تھے۔ تو حضرت کا معمول یہ تھا کہ عصر کے لیے تشریف لے جاتے اور مغرب پڑھا کر واپس آتے، کبھی کبھی عصر کے وقت مَیں بھی ان کے ساتھ جاتا تھا اور مَیں نے بڑے اہتمام سے نوٹ کیا کہ حضرت جب گھر سے باہر نکلتے تو مسجد پہنچنے تک نگاہیں اپنے پاؤں کے اوپر ہی رہتیں، اور مسجد سے نکلتے تو مدرسہ کے دروازہ میں داخل ہونے تک نگاہیں پاؤں پر ہی رہتیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی جب باہر نکلتے تھے تو نگاہوں کو نیچا رکھنے کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحب دامت برکاتہم کا ابھی جو دورہ ہوا تھا، تو ڈابھیل میں انہوں نے خود مجھے قصہ سنایا کہ: ان کے ایک ساتھی نے ان کو بتلایا کہ جب میں چھوٹا بے ریش اور اَمرد تھا، اس زمانہ میں ایک مرتبہ سہارنپور مدرسہ میں کسی کمرہ میں چوری ہوئی۔ اور جن پر شبہ ہوتا ہے ان لوگوں کی جیبوں کی بھی تلاشی ہوتی ہے تو جب جامہ تلاشی کی ضرورت پیش آئی، جب میری جامہ تلاشی کی نوبت آئی تو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت حکیم الامتؒ کے اجلِ خلفاء میں تھے، اور حضرت قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کے خلیفہ تھے) نے اتنی زیادہ احتیاط فرمائی کہ مجھ سے کہا: پہلے تم اپنی جیب جسم سے الگ کرلو، پھر میری جیب میں ہاتھ ڈالا، تاکہ جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے جسم کے ساتھ نہ لگے۔ یہ حضرات اپنے آپ کو بچانے کا اتنا اہتمام کرتے تھے۔

پہلی نظر معاف؛ مگر نقصان سے خالی نہیں

یہاں ایک مسئلہ اور ہے کہ اچانک کی نظر کو معاف رکھا گیا ہے۔ اور بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ بلا قصد غیر اختیاری طور پر نظر پڑ جائے؛ تو ہم کیا کریں؟ بھائی! بلا قصد غیر اختیاری طور پر نظر پڑ گئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ فوراً نگاہیں نیچی کرلو؛ تب تو وہ معاف ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: ''یَاعَلِیُّ! لَاتُتْبِعِ النَّظْرَۃَ النَّظْرَۃَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُوْلٰی وَلَیْسَتْ لَكَ الثَّانِیَۃَ''
(مشکوۃ شریف:۲۶۹) اے علی! ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت ڈالو، اس لیے کہ پہلی میں تو کوئی نقصان (یعنی گناہ) نہیں ہے؛ لیکن دوسری میں گناہ ہے۔ اب ایسا تو نہیں ہے کہ ان حضرات کو یہ روایت معلوم نہیں تھی، یہ روایت تو ان لوگوں نے بھی پڑھی تھی؛ لیکن وہ حضرات اچانک نظر پڑنے کی بھی نوبت نہیں آنے دیتے تھے۔

اور بلا قصد کسی بھی عورت پر نظر نہ پڑے اس کا اہتمام اس لیے کرتے تھے کہ اچانک کی نظر اگرچہ گناہ کے اعتبار سے تو معاف ہے، لیکن اس کی وجہ سے اگر دل میں کوئی خیال بیٹھ گیا تو اس کے نقصان سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے: بھول سے زہر کھالیا تو گنہگار تو نہیں ہوگا؛ لیکن زہر اپنا اثر تو کرے گا۔ وہاں مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھیں گے کہ: مولوی صاحب! وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے اور کھا گیا اور مرگیا؛ اس کو خودکشی کا گناہ ہوا، یا نہیں؟ تو جواب ملے گا کہ گناہ تو نہیں ہوگا؛ لیکن جو نقصان پہنچنا تھا وہ تو پہنچ ہی گیا۔ اسی طرح بلا قصد کی نظر اگرچہ گناہ کے اعتبار سے معاف ہو؛ لیکن اس کے اثرات اپنا کام ضرور کریں گے، اس لیے اپنے آپ کو اس سے بچانے کا خصوصی اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

مخلوط ملازمت کے بارے میں ایک سوال اور حضرت دامت برکاتہم کا تشفی بخش جواب

سوال:۔ سرکاری دفتروں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی نوکریاں کرتی ہیں، ساتھ میں نوکری کرنے کی وجہ سے بات چیت بھی کرنی پڑتی ہے، اور چوں کہ وہ

نامحرم ہیں، اس لیے گناہ میں شامل ہوں گے؟

جواب:- دیکھئے! آدمی اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرلے اور ایک مرتبہ یہ طے کرلے کہ مجھے اپنے آپ کو بچانا ہے؛ تو پھر آسان ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ۔ جو حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ کے اجلِ خلفاء میں تھے۔ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت پہلے وکیل تھے، وکالت کا پیشہ پسند نہیں کیا گیا تو اس کو چھوڑ کر ہومیو پیتھک ڈاکٹر بنے۔ (ہومیو پیتھک ڈاکٹری ذرا آسان ہے) پھر ان کا یہی پیشہ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ڈاکٹر کے پاس عورتیں بھی آتی ہیں اور مرد بھی آتے ہیں۔ جب ڈاکٹر بنے تو یہ دوسرا مسئلہ پیش آیا تو ڈاکٹر صاحب خود فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنالیا کہ نگاہیں نیچی رہیں، کبھی اونچا دیکھنا ہی نہیں۔ پھر بعد میں تو اتنا آسان ہوگیا کہ کوئی دشواری ہی نہیں رہی۔ جب کوئی آیا اور اس نے اپنی ضرورت بیان کی، اس کے مطابق اس کو دوائی دیدی اور مریض کون ہے اس کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

ایمان کے لیے ٹی بی

دیکھئے! ایک آدمی کو ٹی بی کی بیماری ہے اور اس کو ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ بیڑی پیتے ہیں وہ چھوڑنی پڑے گی، ورنہ آپ کے لیے ہلاکت ہے، تو وہ اس کو چھوڑنے کے لیے تکلیف اٹھاتا ہے۔ اسی طرح بدنظری بھی ہمارے ایمان کے لیے ٹی بی سے کم نہیں ہے، اور اس سے اپنے آپ کو بچانا ہی ہے، اب اپنے آپ کو بچانے کے لیے کچھ نہ کچھ مشقت تو برداشت کرنی ہی پڑے گی! یہ کڑوا گھونٹ حلق سے نیچے اتارنا ہی پڑے گا۔

مزہ کی بنیاد عادت پر ہے

ہمارے نفس کی لذتوں کا حال ایسا ہے کہ اس کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ جو لوگ پان کھاتے ہیں اور پان کے ساتھ تمبا کو بھی کھاتے ہیں ان کو اس میں لذت آتی ہے؛ لیکن جو آدمی تمبا کو نہیں کھاتا اس کے منہ میں آپ تمبا کو رکھ دیجئے؛ تو کیا رکھتے ہی اسے میٹھا لگے گا اور اس کو مزہ آجائے گا؟ نہیں؛ بلکہ کڑوا لگے گا اور کھاتے ہی چکر آجائیں گے؛ لیکن جب وہ ذرا حلق سے نیچے اترے گا تو پھر اس کی وجہ سے ایک سرور کی کیفیت پیدا ہوگی۔ پہلی مرتبہ تھوڑا سا کھلایا تھا، اب دوسری اور تیسری مرتبہ کھایا، تو پھر وہ ایسا عادی ہوگیا کہ اس کے بغیر چلتا ہی نہیں۔ اب جو لوگ نہیں کھاتے وہ دیکھ کر یوں سمجھتے ہوں گے کہ شاید اس کا ذائقہ بڑا شاندار ہوگا۔ حالاں کہ جب وہ کھائیں گے تب پتہ چلے گا کہ ذائقہ شاندار ہے، یا نہیں؟ لیکن جو کھاتے ہیں ان کو پوچھو کہ کیسا مزہ آتا ہے۔

بہرحال! میں تو مزہ کی بات کر رہا ہوں کہ ہمارے نفس کے مزہ کا کوئی معیار نہیں ہے۔ اور مزہ کی بنیاد عادت پر ہے، جس نے بدنظری کو اپنے مزہ کا معیار بنالیا ہے وہ تو بدنظری کر کے مزہ اٹھاتا ہے؛ لیکن اس کے دل کی جو کیفیت ہوتی ہے، اور جو بے چینیاں اندر پیدا ہوتی ہیں وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے برخلاف آدمی اپنے آپ کو بدنظری سے بچا کر مشقت اُٹھاتا ہے؛ تو پھر دھیرے دھیرے مشقت اُٹھانے میں اس کو مزہ آنے لگتا ہے۔

یہ بھی ایک مزہ ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ آپ نے فضائل کی کتابوں میں پڑھا ہوگا

کہ: مجھے دنیا کی زندگی کی تمنا ہے، لیکن اس لیے نہیں کہ دولت کماؤں، بلکہ گرمی کے دنوں میں روزے رکھوں۔ اب گرمی کے دنوں میں روزے رکھنا تو بڑا مشکل کام ہے؛ لیکن وہ رکھتے تھے اور ان کو اس میں مزہ آتا تھا، اس لیے اس کی تمنا کرتے تھے۔

بہر حال! نگاہوں کی حفاظت کر کے مشقت برداشت کرنا بھی ایک مزہ کی چیز ہے؛ لیکن اس کے لیے کچھ دنوں کڑواہٹ برداشت کرنی پڑے گی۔

تو زندگی بھر دودھ نہیں چھوٹے گا

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصیدہ "قصیدہ بردہ" ہے جو انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہا ہے، اس میں ایک شعر ہے:

حُبِّ الرَّضَاعِ وَإِنْ تُفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ	۞	اَلنَّفْسُ كَالطِّفْلِ إِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى

نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے، اور دودھ پیتے بچے کا جب دودھ چھڑانے کا وقت آتا ہے تو اس کی ماں کو بڑی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ جب دودھ چھڑانے کے دن آتے ہیں تو وہ بچہ رات کو نہ خود سوتا ہے، نہ ماں کو سونے دیتا ہے؛ بلکہ پورے گھر کو سونے نہیں دیتا، اور ایسا طوفان مچاتا ہے اور چلاتا ہے کہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ اب اس کے چلانے اور رونے کو دیکھ کر اس کی ماں یوں سوچے کہ: بیچارہ مر جائے گا اور اس پر رحم کھا کر دودھ پلا دے؛ تو پھر زندگی بھر اس کا دودھ نہیں چھوٹ سکے گا۔

نفس بھی بچہ کی طرح ہے

اب وہ بچہ کیوں چلاتا ہے؟ اس لیے کہ وہ یوں سمجھتا ہے کہ میری مرغوب چیز مجھ سے چھینی جا رہی ہے، حالاں کہ اس کو معلوم نہیں ہے کہ دودھ چھڑا کر جب وہ غذا پر

آئے گا تو دنیا میں ایسی غذائیں اور ایسی لذتیں اور ایسے ذائقے ہیں جن کا اس وقت اسے تصور بھی نہیں۔ ابھی تو صرف دودھ کا ذائقہ جانتا ہے، جب کھانا سیکھے گا تو ایسے ایسے ذائقے اس کو ملیں گے جن کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح بدنظری بھی جب چھوڑیں گے تو روحانی طور پر ایسے ایسے ذائقے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے جائیں گے کہ آدمی ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

بہرحال! علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس بچے کی طرح ہے، اگر تم اس کو مہلت اور ڈھیل دو گے تو وہ اسی دودھ میں جوان اور بڑا ہو جائے گا، اور ماں کا دودھ نہیں چھوڑے گا۔ لیکن اگر ہمت کر کے دودھ چھڑا دو گے تو چھوٹ جائے گا؛ البتہ کچھ دن ہمت اور ارادہ سے کام لینا پڑے گا اور اس میں تمہیں کچھ تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔

کنٹرول آسان ہوجائے گا

جیسے: خارش کا تقاضہ ہوتا ہے، تو آدمی یوں سمجھتا ہے کہ کھجا لوں گا تو میرا معاملہ حل ہو جائے گا؛ لیکن ایسا نہیں ہے، اگر کھجا لو گے تو یہ مسئلہ اور پیچیدہ ہو جائے گا، اب اور کھجلاؤ اور کھجلاؤ، یہاں تک کہ خون نکل رہا ہے، لیکن چین نہیں پڑتا۔ پہلی مرتبہ جب کھجانے کا تقاضہ پیدا ہو، اور دل میں بہت بے چینی ہو، اسی وقت صبر و تحمل سے کام لیا جائے اور طے کرلیا جائے کہ کچھ بھی ہو جائے مجھے نہیں کھجلانا؛ تو تھوڑی دیر تک تو بے چینی رہتی ہے، پھر وہ بے چینی دور ہو جاتی ہے، اس کے بعد دوسری مرتبہ تقاضہ اتنا زوردار نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپ ہمت سے کام لیں گے تو دھیرے دھیرے نفس کے یہ تقاضے ختم ہو جائیں گے اور آپ آسانی سے اس پر کنٹرول کرسکو گے۔

روزانہ صبح میں اُٹھنا کیا آسان کام ہے؟

اور ہم یہ چیزیں دنیا کے ہر کام میں کرتے ہیں لیکن جب دین کی بات آتی ہے تو اس میں ہم پیچھے رہ جاتے ہیں۔ دنیا کے معاملات میں ہم تکلیفیں برداشت کرتے ہیں، مثلاً: صبح میں جا کر دکان کھولنا، نوکری اور ملازمت کے لیے ''گجرات کوین'' میں احمد آباد جاتے ہیں، یا ''فلائنگ رانی'' میں بمبئی جاتے ہیں۔ اب روزانہ صبح میں اس طرح اُٹھنا کیا آسان کام ہے؟ انہیں لوگوں کو اتوار کو دیکھ لو، گیارہ بجے تک تکیہ سے سر بھی نہیں اٹھائیں گے؛ لیکن روزانہ کیوں جاتے ہیں؟ اس لیے کہ تنخواہ ملے گی، پیسے ملیں گے، لہٰذا ان پیسوں اور تنخواہ نے سردی کے زمانہ میں صبح کے وقت جلدی اُٹھنا ان کے لیے آسان کر دیا۔

مصیبت کیوں سر لیتی ہے؟

ماں کو بچوں سے محبت ہوتی ہے، سردی کے زمانہ میں بچہ پیشاب کر دیتا ہے تو ماں رات کو اُٹھ کر پیشاب صاف کرتی ہے، اس لیے کہ اگر پیشاب ہی میں رہے گا تو بیمار ہو جائے گا۔ ماں رات میں اُٹھتی ہے اور اس کے کپڑے بدلتی ہے، بستر صاف کرتی ہے۔ اگر کسی عورت کو بچہ پیدا نہیں ہوتا تو وہ بچے کے لیے کیسی کیسی تدبیریں کرتی ہے؟ اگر کوئی اس سے کہے کہ تو فلاں کو نہیں دیکھتی کہ اس کا بچہ سردی کی راتوں میں اس کو سونے نہیں دیتا؛ تو یہ مصیبت کیوں سر لیتی ہے؟ تو وہ کہے گی کہ: کوئی بات نہیں، بچے کی محبت کے اندر میں یہ سب برداشت کر لوں گی؛ لیکن مجھے بچہ چاہیے۔

آخر کوئی مزہ تو آتا ہوگا

میں نے بطورِ مثال یہ ساری چیزیں اس لیے سمجھائیں کہ بھائی! ان گناہوں سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعامات دیئے جائیں گے وہ بہت بڑے ہیں۔ اللہ والے رات رات بھر جاگ رہے ہیں اور عبادتیں کررہے ہیں؛ تو آخر ان کو کوئی تو مزہ آتا ہوگا تب ہی تو کرتے ہیں! مزہ کے بغیر تو کوئی نہیں کرتا۔ اور پھر یہ دنیا کا مزہ تو ایسا ہے کہ دیکھنے میں مزہ ہے لیکن اس کے اندر بے چینی ہے، دل میں کوئی چین اور قرار نہیں، اے سی (A.C) میں پڑے ہوئے ہیں، گولیوں پر گولیاں کھارہے ہیں، لیکن نیند نہیں آرہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اللہ تعالیٰ نے سکون رکھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور اس کی وجہ سے قلب کو جو ٹھنڈک اور اطمینان حاصل ہوگا؛ اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت اور بڑے سے بڑا سرمایہ بھی نہیں کرسکتا۔ اس لیے اس سے تو انکار نہیں کہ یہ تکلیف کی چیز ہے، تب ہی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لذت بھی ملتی ہے۔ لذت ایسے ہی تھوڑے ملتی ہے؟ ہم قربانی دیں گے تو کچھ ملے گا۔

اب آگے اس سلسلہ میں کچھ روایات کو پیش کررہے ہیں۔

ہر انسان کے لیے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے

۱۶۲۲:- وعن أبي هريرة - رضي الله عنه -: أنّ النبيّ ﷺ قالَ: ((كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذَلِكَ لا مَحَالَةَ: العَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الاسْتِمَاعُ، وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الكَلَامُ، وَاليَدُ زِنَاهَا البَطْشُ، وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الخُطَا، والقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَنَّى، وَيُصَدِّقُ ذَلِكَ الفَرْجُ أَوْ يُكَذِّبُهُ))

(متفق عَلَيْهِ. هَذَا لفظ مسلمٍ، ورواية البخاري مختصرَةٌ.)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انسان پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جس کو وہ یقیناً پائے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے، دل اس کی خواہش اور تمنا کرتا ہے، اور آدمی کی شرمگاہ ان سارے اعضاء کے اعمال کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

افادات:- اس روایت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے کہ زنا اس فعلِ مخصوص ہی کے لیے خاص نہیں کہ آدمی بدکاری کے طور پر وہی کام انجام دے، بلکہ زنا کے اور بھی درجات ہیں جو اس آخری درجہ تک پہنچنے کا ذریعہ بنتے ہیں، اور یہ درجات ایسے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس کے لیے ان میں سے کسی ایک میں مبتلا ہونا اور پھنسنا مقدر فرمایا ہے وہ اس سے سرزد ہو کر رہتا ہے۔

چناں چہ اجنبی عورتوں اور بے ریش لڑکوں کو دیکھنا؛ یہ آنکھ کا زنا ہے۔ آج اِس زمانہ میں تو نگاہ کے زنا کے مواقع اتنے زیادہ پیش آتے ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا متقی اور پرہیزگار آدمی بھی (ٹرین، بس، ہوائی جہاز کے سفر میں، یا سڑک پر چلتے ہوئے) اپنے آپ کو بچانا چاہے؛ تو کیسے بچائے گا؟ اِس وقت پوری دنیا کے جو حالات ہیں ان میں آدمی کتنی ہی احتیاط کیوں نہ کرلے، اس کے لیے اپنی نگاہوں کا بچانا مشکل ہوگیا ہے۔ اور چوں کہ انسان کے اعضاء میں سے ہر ایک عضو کا اس عمل میں اپنا اپنا حصہ ہے اس لیے اگر آدمی کی نظر کسی پر پڑ گئی تو وہ بدنظری کا شکار تو ہو ہی گیا، اب اگر آگے کے مراحل سے وہ بچ بھی گیا، تب بھی زنا کا اتنا حصہ تو اس کو مل ہی چکا ہے، اس لیے کہ اجنبی عورت کے دیکھنے کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ کے زنا سے تعبیر کیا ہے۔ گویا آنکھوں نے بدنظری کر کے اس نے اپنا حصہ تو حاصل کر ہی لیا۔

کانوں کا زنا نامحرم عورتوں کی باتیں اور گانے سننا ہے جو شہوات کو بھڑکانے والے ہوتے ہیں۔ گویا کان ان باتوں کو سن کر لذت اُٹھاتے ہیں، یہ بھی زنا ہی کا ایک حصہ ہوا۔ زبان کا زنا نامحرم عورتوں کے ساتھ باتیں کرنا ہے۔ ہاتھ کا زنا نامحرم عورتوں کو چھونا اور پکڑنا ہے۔ پاؤں کا زنا نامحرم سے ملاقات کے لیے، اس کو دیکھنے کے لیے، اس سے بات چیت کرنے کے لیے، اس کو چھونے کے لیے اس کی طرف چلنا اور جانا ہے۔ اور دل اس چیز کی خواہش اور تمنا کرتا ہے۔ گویا اس عمل میں آدمی کا ہر ہر عضو اپنا کچھ نہ کچھ حصہ لگا ہی لیتا ہے۔

بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جاتی، نہ آنکھ کا زنا ہوا، نہ ہاتھ کا، نہ پاؤں کا، نہ زبان کا؛ لیکن دل میں خواہش پیدا ہو جاتی ہے، اور اس سے تو بہت ہی کم لوگ بچ پائیں گے، عام طور پر انسان کا اس میں تو ابتلاء ہو ہی جاتا ہے اسی لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: زنا کا جو حصہ لکھا ہوا ہے وہ تو انسان لامحالہ پا کر ہی رہتا ہے۔ یعنی آدمی کو ایسے حالات سے واسطہ پڑ ہی جاتا ہے جس میں کبھی آنکھ کا بچانا مشکل، کبھی ہاتھ کا بچانا مشکل، کبھی پاؤں کا بچانا مشکل، کبھی زبان کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔ سارے ہی اعضاء ان آزمائشوں سے گزرتے ہیں۔

موفَّق مِنَ اللہ ہی بچ سکتے ہیں

''مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ'' کا خلاصہ صرف اتنا ہی ہے کہ ہر آدمی کو اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی تو ایسے حالات سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ کوئی کیسا ہی متقی اور پرہیزگار کیوں نہ ہو، اس کو بھی ایسے مواقع پیش آتے ہی ہیں کہ نگاہ کا بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا موقعہ آجاتا ہے کہ نگاہ پڑ جاتی ہے، کبھی نامحرم کی آواز کان میں پڑ جاتی ہے، کبھی اس سے

بات کرنے یا سننے کی نوبت آجاتی ہے۔ اور کم سے کم دل میں خواہش اور تمنا تو پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تب ہی آدمی اپنے آپ کو بچا پاتا ہے۔ اللہ کے بہت کم بندے جو مؤفَّق مِنَ اللہ ہوتے ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق شاملِ حال ہوتی ہے، وہی عفت وعصمت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ کو بچا لے جاتے ہیں، ورنہ ہر آدمی کبھی نہ کبھی ایسے حالات سے گزر کر ان میں مبتلا ہو ہی جاتا ہے۔

ان اعضاء کا زنا کب معاف ہوگا؟

البتہ ان سارے مراحل کا آخری درجہ شرمگاہ کا عمل ہے، وہ اس بات کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے کہ شروع کے مراحل زنا تھے یا نہیں۔ اولاً جب نگاہ پڑی تو اس کا حصہ آگیا، پھر بات چیت کرنے کی نوبت آئی تو زبان کا حصہ آگیا۔ اب اگر حالات نے ابتلاء فی الزنا کا موقعہ دیا پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کے سامنے جواب دہی کے تصور سے اپنے آپ پر کنٹرول کر گیا اور اپنے آپ کو زنا سے بچا لے گیا؛ تو شروع کے مراحل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کر دیا جائے گا؛ لیکن یہ اسی وقت جبکہ زنا پر پوری قدرت ہوتے ہوئے اپنے آپ کو بچائے۔ اور جس کی قدرت میں سوائے دیکھنے کے اور کچھ بھی نہ ہو، اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے، کیوں کہ اس کے لیے سوائے دیکھنے کے اور کوئی موقعہ ہی کہاں ہے۔

سرِ راہ بیٹھنے کی اجازت نہیں

۱۶۲۳:-وعن أَبي سعيد الخُدريِّ-رضی الله عنه-عن النبيِّ ﷺ قَالَ: ((إيّاكُمْ والجُلُوس فِي الطُّرُقَاتِ!)) قالوا: يَارسولَ الله، مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ،

نَتَحَدَّثُ فِيهَا. فَقَالَ رسولُ الله-ﷺ-: ((فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلاَّ الْمَجْلِسَ، فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ)) قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ يَارسولَ اللهِ؟ قَالَ: ((غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الأَذَى، وَرَدُّ السَّلاَمِ، والأمرُ بِالْمَعْرُوفِ، والنَّهيُ عنِ الْمُنْكَرِ)) (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سرِ راہ بیٹھنے سے اپنے آپ کو بچاؤ (جہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا ہے وہاں بیٹھنے کی جو جگہ بنائی جاتی ہے، جیسے: آج کل بینچیں رکھی جاتی ہیں، اوٹے بنے ہوتے ہیں، یا جہاں سے عام طور پر مرد اور عورتیں گزرتی ہیں؛ ایسی جگہوں پر بیٹھنے سے بچو۔ اب حضراتِ صحابہ جن کے پاس گھروں کا معاملہ ایسا تھا جیسے آج کل جھونپڑپٹی میں ہوتا ہے، یعنی ان کے مکانات وسیع نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ لے دے کر ایک جھونپڑا سا ہوتا تھا جہاں گھر کے تمام افراد ساتھ ہی رہتے تھے، اور جب بھی آپس میں مل کر بیٹھنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو ان کے گھر سے باہر صحن ہوتا تھا جو سرِ راہ ہی ہوتا تھا، اسی کو وہ حضرات اپنی بیٹھک اور مجلس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ گویا ان کے بیٹھنے کے لیے یہی جگہیں ہوتی تھیں، جیسے: آج کل دو چار کمروں کے وسیع مکانات ہوتے ہیں، جس میں ایک بیٹھک روم (Sitting Room) بھی ہوتا ہے جہاں ہماری مجلسیں ہوا کرتی ہیں؛ ان کے گھروں میں اس کی گنجائش کہاں ہوتی تھی؟ اگر ان حضرات کو بیٹھنا پڑتا تو گھر کے صحن اور آنگن ہی کو استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا) حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہماری بیٹھنے کی جگہیں یہی ہیں جو سرِ راہ ہیں (اور آپ سرِ راہ بیٹھنے سے منع فرماتے ہیں۔ اگر آپس میں اپنی ضروری گفتگو کرنے کے لیے بیٹھنا ہو تو ہمارے لیے اور جگہیں کہاں ہیں؟ گویا اپنی ضروری باتوں کو انجام دینے

کے لیے وہیں بیٹھنا ضروری ہے) تو حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اگر سرِ راہ بیٹھنا تمہاری ضرورت میں داخل ہے، اور) جب تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستہ کا حق ادا کرو۔ حضراتِ صحابہؓ نے فوراً دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! راستہ کا حق کیا ہے؟ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی نگاہوں کو نیچی رکھو (ایسا نہیں کہ وہاں بیٹھے تو جو بھی گزر رہا ہے وہ آپ کی نگاہوں سے بچ کر نہیں جا سکتا، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمہاری نگاہیں کسی نامحرم عورت پر پڑنے نہ پائیں۔ بدنگاہی سے بچو) اور ایذا رسانی سے بچو (بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ اوٹے پر بیٹھے ہیں اور کوئی گزر رہا ہے تو اس پر کوئی فقرہ چست کر دیا، ٹھٹھا اور مذاق کر دیا، کسی کی ہنسی کھیل کر دی، کسی کو چھیڑ دیا؛ اس طرح کی ایذا رسانیوں سے خوب بچو) اور اگر گزرنے والا سلام کر رہا ہے تو اس کے سلام کا جواب دو۔ اور (جہاں ضرورت محسوس ہو وہاں) بھلی بات کا حکم کرو، کوئی برائی ہو رہی ہو تو اس سے روکو (یہ سب راستے کے حقوق ہیں، اگر یہ حقوق ادا کر سکتے ہو تب تو سرِ راہ بیٹھنے کی گنجائش ہے؛ ورنہ نہیں۔)

ایک اشکال اور اس کا جواب

افادات:۔ اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے جب منع فرما دیا تو صحابہؓ کی طرف سے یہ گذارش کیوں کی جا رہی ہے؟ اس کا جواب بعض حضراتِ علماء اور شرّاح نے یہ دیا ہے کہ گویا صحابۂ کرامؓ کو امید تھی کہ ہماری طرف سے یہ گذارش کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورِ اکرم ﷺ کے ذریعہ کچھ آسانی ہو جائے گی۔

اور بعض حضرات اس کی توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ حضورِ اکرم ﷺ

کے اس ارشاد سے یہ سمجھے کہ اصلاً سرِ راہ بیٹھنا گناہ نہیں، لیکن وہ گناہ کا ذریعہ بنتا ہے، اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے منع فرمارہے ہیں۔ اب وہ اپنی گذارش سے گویا یہ بتلانا چاہتے تھے کہ یارسول اللہ! یہ تو ہماری ضروریات کا ایک حصہ ہے، اگر یہاں نہیں بیٹھیں گے تو اس صورت میں ہماری ضرورتیں پوری ہی نہیں ہوں گی۔

راستہ کا حق ادا کرو

''**راستہ کا حق ادا کرو**'' جیسا کہ آج کل بس اسٹینڈ پر جگہیں بنی ہوتی ہیں، مثلاً: ایک آدمی سفر کرنا چاہتا ہے تو اس کو بس کے انتظار میں لامحالہ وہاں بیٹھنا ہی پڑے گا، وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر تو بس کا انتظار نہیں کرسکتا۔ گویا یہ ایک ضرورت ہوئی۔ اب اگر وہاں کوئی آدمی یہ مسئلہ بتائے تو وہ کہے گا کہ: مولوی صاحب! بس میں جانے کے لیے بیٹھنا پڑے گا؛ تو اب کیا کریں؟ تو اس کا طریقہ بتلادیا کہ اس صورت میں آپ کو راستہ کا حق ادا کرنا ہے۔

اور جیسا کہ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ شریعت جب کسی کام سے منع کرتی ہے اور کسی چیز کو گناہ وممنوع ٹھہراتی ہے تو اس کے قریبی اسباب وذرائع پر بھی پابندی عائد کرتی ہے تاکہ ان تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آئے؛ اسی کو سدِ ذرائع کہا جاتا ہے۔ یہاں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدنگاہی سے بچنے کا جہاں حکم دیا وہیں بدنگاہی کے اسباب سے بھی روکا۔

ایسی بیٹھکوں کا حق یہ ہے

۱۶۲۴:-وعن أَبي طلحة زيد بن سهل رضي الله عنه قَالَ: كُنَّا قُعُوداً

بالأَفْنِيَةِ نَتَحَدَّثُ فِيهَا، فَجَاءَ رسولُ اللهِ ﷺ فَقَامَ عَلَيْنَا، فَقَالَ: ((مَا لَكُمْ وَلِمَجَالِسِ الصُّعُدَاتِ؟ اجْتَنِبُوا مَجَالِسَ الصُّعُدَاتِ)) فَقُلْنَا: إِنَّمَا قَعَدْنَا لِغَيْرِ مَا بَأْسٍ، قَعَدْنَا نَتَذَاكَرُ، وَنَتَحَدَّثُ. قَالَ: ((إِمَّا لاَ، فَأَدُّوا حَقَّهَا: غَضُّ البَصَرِ، وَرَدُّ السَّلاَمِ، وَحُسْنُ الكَلاَمِ)). (رواہ مسلم)

((الصُّعُدات)) بضمِ الصادِ والعين: أيِ الطُّرقَاتِ.

ترجمہ:- حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے گھر کے آنگن میں بیٹھ کر آپس میں بات چیت کر رہے تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور کھڑے ہوگئے، پھر ارشاد فرمایا: تم لوگ اس طرح سرِ راہ بیٹھک جمائے ہوئے ہو؟ سرِ راہ کی ان بیٹھکوں سے بچو (یعنی راستہ کے کناروں پر اس طرح مت بیٹھو) صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم لوگ کسی غلط کام کے لیے نہیں بیٹھے ہیں، بلکہ اپنی ضرورت کی باتیں کر رہے ہیں اور آپس میں مذاکرہ کر رہے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر بیٹھنا ہی ہے (یعنی اس کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے) تو پھر اس کا حق ادا کرو (اور ان مجلسوں کا حق) نگاہوں کا نیچا رکھنا ہے، سلام کا جواب دینا ہے، اور اچھی بات کرنا ہے۔

اچانک کی نظر کا حکم

۱۶۲۵:- وعن جرير- رضي الله عنه- قَالَ: سألت رسول الله- ﷺ- عن نَظَرِ الفَجْأَةِ فَقَالَ: ((إصْرِفْ بَصَرَكَ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچانک کی نظر کے متعلق سوال کیا (یعنی اگر غیر اختیاری طور پر، بلا ارادہ اور بلا قصد کسی نامحرم عورت پر نظر پڑ جائے؛ تو کیا حکم ہے؟) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فوراً اپنی نظریں ہٹالو

(اگر آپ نے جمائے رکھی؛ تو گناہ ہے)

افادات:۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی نظر بلا قصد اور غیر اختیاری طور پر کسی نامحرم پڑ جاتی ہے، یعنی اسے پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس طرف کوئی نامحرم ہوگی، اور جیسے ہی اُدھر منھ کیا کہ کسی اجنبیہ پر نظر پڑ گئی؛ تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ اگر قصداً نظر ڈالی ہے تو اگر چہ نظر پڑتے ہی ہٹا لوگے تب بھی گناہ ہے؛ لیکن اگر بلا قصد اور بلا ارادہ، غیر اختیاری طور پر نگاہ پڑ گئی؛ تو اس روایت کو لا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ فوراً نگاہ کو پھیر لو۔

ورنہ دل کا روگ بڑھتا ہی رہے گا

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اچانک کی نظر بھی اپنے اندر اثر رکھتی ہے، لیکن اگر آپ فوراً ہٹا لیں گے اور اس سے پیدا شدہ اثر کو دور کرنے کی فوری تدبیر بھی کریں گے؛ تو ان شاء اللہ وہ اثر دور ہو جائے گا۔ اور اگر آپ نے نظر جمائے رکھی، یا بار بار دیکھا؛ تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی پودے کو پانی پلانا۔ یعنی کسی پودے کو اگر ہم بار بار پانی دیتے رہیں تو جیسے اس کا نشو ونما ہوتا رہتا ہے، اسی طرح اگر بد نگاہی کے ذریعہ سے آپ پانی دیتے رہیں گے تو دل کے اندر کا روگ بڑھتا ہی رہے گا۔ اس کا علاج یہی ہے کہ فوراً اُدھر سے نظر ہٹالی جائے، اور اس اثر کو دور کرنے کی تدبیر اختیار کی جائے۔

حلال طریقہ سے ضرورت پوری کیجئے

چناں چہ روایتوں میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تدبیر یہ بتلائی ہے کہ کسی آدمی کی نظر غیر اختیاری طور پر کسی اجنبیہ عورت پر پڑ گئی اور اس کے نتیجہ میں دل میں

خواہش پیدا ہوئی، شہوت کا تقاضا اُبھر آیا؛ تو اسے چاہیے کہ فوراً اپنی بیوی کے پاس جا کر اپنی حاجت پوری کر لے۔ اس لیے کہ اس کے پاس بھی وہی ہے جو اس کے پاس ہے۔ چوں کہ دل میں شہوت کے جو تقاضے اُبھرے ہیں وہ اپنا اثر دکھلا کر ہی رہیں گے، ان کے نقصان سے بچنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کو ایک تدبیر بتلائی ہے کہ جب آپ کی بیوی موجود ہے تو آپ حلال طریقہ سے اپنی ضرورت پوری کر لیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عملی نمونہ

بلکہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت وہ ایک خوشبو بنا رہی تھیں، ان کے پاس کچھ عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آتا ہوا دیکھ کر وہ عورتیں وہاں سے ہٹ گئیں اور آپ کو خلوت کا موقعہ دیدیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ضرورت پوری فرمائی، اس کے بعد باہر تشریف لا کر آپ نے ارشاد فرمایا: عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے، یعنی ورغلانے والا انداز ہوتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کو پسند آ جائے تو چاہیے کہ اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی اس سے صحبت کر لے، ایسا کرنے سے وہ خیال دل سے نکل جاوے گا۔ یعنی جب بیوی سے صحبت کرے گا اور منی کا برتن خالی ہو جائے گا تو ذہن اس عورت کی طرف سے ہٹ جائے گا (۱)۔ (مسلم شریف، کتاب النکاح، باب دوم)

---

(۱) **سوال:**۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معصوم تھے، پھر نظر پڑنے سے یہ کیفیت کیوں پیدا ہوئی؟

جواب:- ایسا تشریع (قانون سازی) کے پیشِ نظر ہوا تھا، انبیاء جو قانون بناتے ہیں وہ ذوقی ہوتے ہیں، وہ فکری قانون نہیں بناتے، اور اسی وجہ سے فرشتوں کو رسول نہیں بنایا گیا، کیوں کہ اگر فرشتے رسول بن کر آتے تو وہ لوگوں کے لیے=

جسمانی وروحانی بربادی

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ چیز ایسی نہیں کہ اس کی طرف سے غفلت برتی جائے آج کل تو قصداً دیکھ دیکھ کر اپنی شہوات اور جذبات کو اُبھارا جاتا ہے، جس کی وجہ سے حال یہ ہوجاتا ہے کہ وہ یا تو گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، یا شہوانی جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور ان کی تسکین کے لیے حرام طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں آدمی اپنے آپ کو ہلاک اور برباد کر کے رہ جاتا ہے۔ گویا دینی اعتبار سے بھی بربادی ہوتی ہے اور جسمانی اور صحت کے اعتبار سے بھی اپنے آپ کو برباد کرلیتا ہے۔ لہٰذا ان تدبیروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

نظر کی حفاظت عورتوں کے لیے بھی ضروری

۱۶۲۶:- وعن أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عنها قالت: كنتُ عِندَ رسول الله ﷺ، وعندهُ مَيْمُونَة، فَأَقْبَلَ ابنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، وَذَلِكَ بَعْدَ أَنْ أُمِرْنَا بِالحِجَابِ. فَقَالَ النبيُّ ﷺ: ((احْتَجِبَا مِنْهُ)) فَقُلْنَا: يَا رسولَ اللهِ! أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى، لاَ يُبْصِرُنَا وَلاَ يَعْرِفُنَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا، أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ!؟.

(رواه ابو داود، والترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح))

=غور وفکر کی بنیاد پر قانون بناتے، وہ ذوق کی بنیاد پر قانون نہیں بنا سکتے تھے، کیوں کہ ان میں وہ جذبات نہیں جو انسان میں ہیں۔ اور جب نبی انسان ہوتا ہے تو اس پر تمام احوال گزرتے ہیں کیوں کہ وہ بشر ہوتا ہے، چناں چہ ایک بار آپ ﷺ کو بھی یہ کیفیت پیش آئی تاکہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو اور آپ ﷺ اس کا علاج تجویز فرما سکیں۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ انبیاء کبھی بیانِ جواز کے لیے خلافِ اَولیٰ کام بھی کرتے ہیں اور وہ نبی کے حق میں خلافِ اَولیٰ نہیں ہوتے، کیوں کہ وہ تشریع کے لیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کیفیت کا آپ ﷺ پر گزرنا آپ ﷺ کے حق میں برا نہیں تھا بلکہ ضروری تھا کیوں کہ تشریع اس پر موقوف تھی۔ (تحفۃ الالمعی ۳/ ۵۹۹)

ترجمہ:- اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضورِ اکرم ﷺ کے پاس تھی، اس وقت آپ کے پاس حضرت میمونہؓ بھی تھیں (دونوں ازواجِ مطہرات ہیں) اسی دوران حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم تشریف لائے (یہ ایک نابینا صحابی تھے، مہاجرین میں سے تھے اور حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے) پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن اُم مکتومؓ کو آتا ہوا دیکھ کر ان دونوں سے کہا: تم دونوں پردے میں چلی جاؤ، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو اندھے ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں، نہ ہمیں پہچان سکتے ہیں (پردہ کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟) حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؛ تم ان کو دیکھ نہیں سکتیں؟

افادات:- معلوم ہوا کہ جس طرح نظر کی حفاظت مردوں کے لیے ضروری ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ضروری ہے۔

ایک دوسرے کے ستر کو نہ دیکھو؛ اور ایک ہی چادر میں نہ لیٹو

۱۶۲۷:-وعن أَبي سعيد- رضي الله عنه-: أَنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: لاَ يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ، وَلاَ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ، وَلاَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَلاَ تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے، اور نہ کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو دیکھے۔ اور کوئی مرد ایک کپڑے میں دوسرے مرد کے ساتھ نہ لیٹے، اور کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ برہنہ حالت میں نہ لیٹے۔

افادات:- یعنی ایک چادر اوڑھ کر دونوں اس طرح لیٹیں کہ بدن برہنہ ہو، یہ چیز آدمی کو گناہ میں مبتلا کرنے والی ہے۔

دعا

سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إلٰه غيرك. اللّٰهم صلّ وسلّم وبارك على سيّدنا محمّد وعلىٰ آل سيدنا محمّد كما تحب وترضىٰ بعدد ما تحب وترضىٰ. ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم يغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين

اے اللہ! نگاہوں کی پاکیزگی ہمیں عطا فرما، اے اللہ! اس بدنگاہی نے ہمارے دین کا ستیاناس کر رکھا ہے، اے اللہ! اس بیماری سے ہم کو پورے طور پر پاک اور صاف فرمادے۔ نجات عطا فرمادے۔ اس سے بچنا ہمارے لیے آسان کردے۔ اے اللہ! اس کے نقصان کو ہمارے سامنے ایسا واضح کردے کہ اس سے ہمیں نفرت ہو جائے۔ اے اللہ! اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اپنانے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہمارے بیماروں کو صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرما۔ مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی کی شکلیں پیدا فرما۔ پریشان حالوں کی پریشانیوں کو دور فرما۔ قید و بند میں محبوسوں کو رہائی نصیب فرما۔ مقدمات میں ماخوذوں کو بری فرما۔ جو جس مصیبت میں گرفتار ہے اے اللہ! اس سے نجات عطا فرما۔ اے اللہ! اس مجلس میں تیرے جتنے بھی بندے موجود ہیں تمام کی جائز مرادوں کو پورا فرما۔ اے اللہ! حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی بھی خیر اور بھلائی آپ سے مانگی، ہمیں اور پوری امت کو عطا فرما۔ اور جن شرور و برائیوں سے پناہ چاہی، ان سے ہماری اور پوری امت کی حفاظت فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمّد وآله وأصحابه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين

باب تحریم الخلوة بالأجنبية

اجنبیہ کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا حرام ہے

ایک مکان جہاں اجنبی عورت ہو، تو کوئی اجنبی مرد اس کے ساتھ تنہائی کے اندر نہ ملے، اس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بڑی تاکید سے منع فرمایا ہے۔

چناں چہ یہاں سورۂ احزاب کی وہ آیت پیش کی ہے جو پردہ کے سلسلے میں نازل ہوئی: ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ جس میں حضراتِ صحابۂ کرامؓ کو یہ حکم دیا گیا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے کوئی سامان لینے کی ضرورت ہو، تو سامنے جا کر نہ لیں؛ بلکہ پردے کی آڑ میں سے لیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گھر میں سے کوئی برتن لینا ہوتا ہے، یا ضرورت کی کوئی چیز مانگنی پڑتی ہے، جیسے: دودھ کے لیے برتن مانگنا پڑا، اور گھر میں مرد موجود نہیں ہوتا، اس لیے عورتوں سے یہ چیز حاصل کرنے کی نوبت آتی ہے، ایسے مواقع پر دونوں اس طرح آمنے سامنے ہوں کہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں؛ اس کی اجازت نہیں ہے۔

یہ چیز دلوں کو پاک رکھنے والی ہے

یہاں حضراتِ مفسرین لکھتے ہیں کہ: یہ حکم اس جماعت کو دیا جا رہا ہے جو امتِ محمدیہ میں سب سے زیادہ پاکباز جماعت (یعنی حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی) ہے، اور جن کے متعلق حکم دیا جا رہا ہے وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں جو

امت کی مائیں ہیں، جن سے زیادہ پاکباز عورتیں اور کہیں نہیں مل سکتیں۔ اس سے اس حکم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آج کل لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح آمنا سامنا ہونے میں کیا اشکال ہے، جبکہ ہمارا دل تو پاک ہے، ہمارے دل میں کوئی میل نہیں ہے؛ تو نعوذ باللہ یہاں جو حکم دیا جارہا ہے؛ کیا وہ مہمل ہے؟ حالاں کہ اس حکم کا فائدہ اسی آیت میں بتلایا جارہا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ یہ چیز تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے والی ہے۔ کسی مرد کے سامنے کوئی اجنبی عورت آئے اور دل میں وسوسہ نہ آئے؛ یہ ناممکن ہے۔ کیسا ہی پاکباز آدمی کیوں نہ ہو، دل کے وسوسہ سے تو وہ بچ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے یہاں اس کا خاص اہتمام کرایا گیا کہ اگر کوئی چیز لینے کی ضرورت پیش آئے تب بھی پردے کی آڑ میں سے لی جائے۔ جب اس کا حکم دیا گیا تو تنہائی میں ملنے کی اجازت کہاں دی جائے گی؟

دیور تو موت ہے

۱۶۲۸:- وعن عقبة بن عامر رضی الله عنه: أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ!)) فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: أَفَرَأَيْتَ الحَمْوَ؟ قَالَ: ((الحَمْوُ المَوْتُ!)). (متفق عَلَيْهِ)

((الحَمْو)): قَرِيبُ الزَّوْجِ كَأَخِيهِ، وابْنِ أَخِيهِ، وَابْنِ عَمِّهِ.

ترجمہ:- حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اجنبی عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے بچو۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دیور (شوہر کے بھائی) کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ (اس سے بھی تنہائی میں ملنے سے

بچنا ضروری ہے؟) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: دیور تو موت ہے۔ (یعنی ان سے بچنا تو ایسا ضروری ہے جیسے موت سے بچا جاتا ہے)

''الحَمْو'': یعنی شوہر کے رشتہ دار، شوہر کا بڑا یا چھوٹا بھائی، بھتیجا، یا چچا زاد بھائی وغیرہ مراد ہے۔

افادات:۔ روایت میں ہے کہ اگر اس عورت کا محرم وہاں موجود ہو تو گھر میں داخل ہو سکتے ہیں، لیکن گھر میں محرم نہ ہو، وہ عورت گھر میں تنہا ہو؛ تو اس صورت میں شریعت اجازت نہیں دیتی کہ کوئی مرد اس گھر میں داخل ہو۔

جنید ورابعہ بھی تنہائی اختیار نہ کریں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں ایک واقعہ ہے کہ ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے اور عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کے پردہ کے سلسلہ میں احتیاط نہیں کرتے تھے، بلکہ بے پردہ عورتوں کو اپنے سامنے آنے کی اجازت دیتے تھے، اور یوں سمجھتے تھے کہ میں عمر کی جس منزل کے اندر ہوں وہاں بدکاری کے گناہ میں مبتلا ہونے کا سوال ہی نہیں دوسرے بزرگ نے ان کو منع کیا کہ شریعت کی طرف سے ہر حال میں پردے کا حکم ہے چاہے تمہاری طبیعت میں اس کا تقاضا باقی رہا ہو، یا نہ رہا ہو۔ یعنی کوئی بوڑھا آدمی یہ نہ سمجھے کہ میں تو عمر کی جس منزل میں پہنچ چکا ہوں وہاں اس کا کوئی امکان نہیں رہا، اس لیے حکم میں تبدیلی آ گئی۔ ان بزرگ نے - جو احتیاط نہیں کرتے تھے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا اور حضور سے یہی مسئلہ دریافت کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں عمر کی جس منزل میں ہوں اس میں مجھے اپنے متعلق یہ اندیشہ نہیں ہے؛ لہٰذا عورتوں کو اپنے پاس بے پردہ آنے دینے میں کوئی حرج تو نہیں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

فرمایا: مرد اگر اتنا بزرگ ہوجائے جیسے جنید بغدادی، اورعورت اگراتنی بزرگ ہوجائے جیسے رابعہ بصریہ، اور وہ دونوں کسی مکان کے اندر تنہا ہوں گے؛ تو وہاں تیسرا شیطان ہوگا اور وہ ان دونوں سے کچھ نہ کچھ کرواہی دے گا۔

اس لیے عورتوں کے ساتھ تنہائی سے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے، ورنہ آدمی اپنے آپ کو گناہ سے نہیں بچا سکتا۔ ایسے اسباب ہی کیوں اختیار کیے جائیں، اور آدمی اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ہی کیوں ڈالے؛ جس کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہونے کی نوبت آجائے؟

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

''دیور تو موت ہے''یعنی دیور، اور شوہر کے دوسرے رشتہ دار، جیسے: شوہر کا بڑا یا چھوٹا بھائی، اس کے چچازاد بھائی یا بھتیجے وغیرہ کے ساتھ تنہائی کی نوبت آئے، اس سے بچنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے موت سے بچا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ سب تو گھر کے لوگ ہیں۔ دوسرے لوگوں کے لیے تنہائی اختیار کرنا آسان کام نہیں ہوتا، اس لیے کہ جب لوگ دیکھیں گے تو پوچھیں گے کہ اس کے گھر میں کیوں گیا تھا؟ لیکن یہ سب گھر کے افراد ہونے کی وجہ سے ان کے متعلق کوئی ایسا سوچے گا بھی نہیں۔ اور عام طور پر ان لوگوں کا گھر میں آنا جانا رہتا ہے، لہٰذا خدا نہ کرے اگر کوئی ایسی ویسی بات پیش آگئی تو ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' جیسا مسئلہ ہوجائے گا۔ ان سے جتنا زیادہ خطرہ لاحق ہوسکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں جو برائی پیدا ہوگی وہ ایسی ہوگی جو رُکنے کا نام نہ لے گی۔ اور آج کل تو ایسی بے شمار شکایتیں آتی رہتی ہیں۔ اس لیے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بچنے کی بڑی تاکید فرمائی۔

ہماری جہالت، معاشرہ کی ہلاکت

آج کل ہمارا معاشرہ بے پردگی کا اتنا زیادہ شکار ہو چکا ہے کہ اگر کوئی بیچاری دیندار لڑکی کسی کے گھر میں بہو بن کر جاتی ہے، اور وہ اپنے شوہر کے بھائی سے پردہ کرتی ہے، تو ساس اس سے ناراض ہو جاتی ہے، اور اس کو طعن و تشنیع کرتی ہے، اور اس سے جھگڑتی ہے۔ ساس کہتی ہے کہ: اچھا! اب تو میرے ہی بیٹوں سے پردہ کرے گی؟ انہی سے تجھے خطرہ لگتا ہے؟ نعوذ باللہ۔! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ دیور (شوہر کا بھائی) موت کا درجہ رکھتا ہے، اور اس سے بچنے کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور ایک عورت اسی ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اس سے بچنے کا اہتمام کرتی ہے؛ تو اُسے مطعون کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی وجہ سے ساس اپنی بہو کی دشمن بن جاتی ہے اور اس کو مختلف طریقوں سے پریشان کرتی ہے۔ بلکہ بعض جگہوں کے متعلق تو یہاں تک سننے میں آیا کہ وہ اپنے بیٹے سے کہتی ہے کہ اس کو طلاق دے کر الگ کر دو۔ ہماری یہ جہالت معاشرے کو کہاں تک پہنچانے والی ہے! اس لیے ان چیزوں سے واقفیت اور اپنے گھر والوں کو ایسے مسائل سے واقف کرنا بے انتہاء ضروری ہے۔

کوئی کسی نامحرم سے تنہائی میں نہ ملے

۱۶۲۹:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ:

((لَا يَخْلُوَنَّ أَحَدُكُمْ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ)). متفق عَلَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے؛ مگر یہ کہ اس کا محرم وہاں موجود ہو۔

افادات:- اگر اس کا شوہر ہی وہاں موجود ہے تب تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کا باپ، بھائی، بھتیجا وغیرہ کوئی نہ کوئی محرم وہاں موجود ہو؛ تب ہی اس سے ملے، اور بات چیت کرے۔ اس کے بغیر کوئی آدمی تنہائی میں کسی عورت کے ساتھ نہ رہے۔

اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کی بیویوں کی حرمت

۱۶۳۰:- وعن بُرَیدَۃَ- رضی اللہ عنہ- قَالَ: قَالَ رسولُ اللہ-ﷺ-: ((حُرْمَۃُ نِسَاءِ المُجَاھِدِینَ عَلَی القَاعِدِینَ کَحُرْمَۃِ أُمَّھَاتِھِمْ. مَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ القَاعِدِیْنَ یَخْلُفُ رَجُلاً مِنَ المُجَاھِدِینَ فی أھْلِہٖ، فَیَخُونُہُ فِیھِمْ إلاَّ وَقَفَ لَہُ یَوْمَ القِیَامَۃِ، فَیَأْخُذُ مِنْ حَسَنَاتِہٖ مَا شَاءَ حَتّٰی یَرْضٰی)) ثُمَّ التَفَتَ إلَیْنَا رسولُ اللہِ ﷺ فَقَالَ: ((مَا ظَنُّکُمْ ؟)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجاہدین کی عورتوں کی حرمت ان لوگوں پر جو گھروں میں ہیں؛ اپنی ماؤں کی حرمت کی طرح ہے۔ جو لوگ گھروں پر ہیں اور جہاد میں جانے والے کسی آدمی کے گھر والوں کی ضرورتیں پوری کرنے اس کے گھر پر جاتے ہیں، پھر اسی بنیاد پر (آنکھ لڑ گئی، اور غلط تعلق قائم کر کے) خیانت کے مرتکب ہو جاتے ہیں، ان کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا (اور جو اللہ کے راستہ میں گیا تھا اس سے) کہا جائے گا کہ: تو اس کی نیکیوں میں سے جتنی نیکیاں چاہے لے لے؛ یہاں تک کہ تیرا جی خوش ہو جائے۔ حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں: یہ ارشاد فرما کر حضور اکرم ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے؟ (یعنی کیا وہ کسی طرح کی بھی کمی پر راضی ہوگا؟)۔

افادات:- جو لوگ دین کی نسبت پر کہیں سفر پر جاتے ہیں، جیسے: تبلیغی جماعت میں نکلتے ہیں، یا جہاد میں جاتے ہیں، اور عام طور پر اس زمانہ میں جہاد ہی کا سلسلہ

جاری تھا، اس لیے کہ گھر میں مرد نہیں ہوتا، اور جانے والا- بھی یہ سمجھ کر کہ امانت داری سے دوستی کا حق ادا کرے گا- خود ہی کہہ جاتا ہے کہ میرے گھر کی ضرورتوں کا خیال رکھنا، اگر کچھ بازار لا کر دینا ہو، یا باہر سے کسی چیز کی ضرورت ہو تو پوری کر دینا، اور اسی نسبت پر اس کے گھر کسی کا آنا جانا ہو؛ تو ایسے آدمی کو چاہیے کہ جس طرح اپنی ماں کی عزت و آبرو اور حرمت کا لحاظ کرتا ہے، اسی طرح سفر میں جانے والوں کی عورتوں کی حرمت کا لحاظ کرے۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارے سامنے بہت ساری دولت رکھی جائے اور وہ بھی ایسے موقعہ پر جبکہ ہمیں اس کی سخت احتیاج ہو، اور پھر کہا جائے کہ اس میں سے جتنا چاہو لے لو؛ تو ہم اس میں سے کچھ بھی چھوڑیں گے؟ کچھ بھی نہیں چھوڑیں گے، بلکہ سب ہی لے لیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی کوئی نیکی نہیں چھوڑے گا۔

باب تحریم تشبه الرجال بالنساء والنساء بالرجال فی لباس وحركة وغير ذٰلك

مردوں کا عورتوں کے ساتھ اور عورتوں کا مردوں کے ساتھ لباس، حرکت وسکون اور دوسری تمام چیزوں میں مشابہت اختیار کرنا حرام ہے

ایک نیا عنوان قائم کیا ہے کہ عورت اگر کوئی ایسا لباس پہننے لگ جائے جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، یا جو طور وطریق اور انداز ووضع قطع مردوں کی ہے اسی کو اختیار کرنے لگ جائے۔ اسی طرح جو وضع قطع، لباس اور جو طور وطریق وانداز عورتوں کا ہے وہ مرد اختیار کرنے لگے؛ تو شریعت اس کی کسی حال میں بھی اجازت نہیں دیتی، اور یہ حرام ہے۔

ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے، اور ایک باطن

دراصل ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن ہوتا ہے۔ اس کی ظاہری شکل

وصورت اور ظاہری جسم ہوتا ہے، اور ایک اس کی اندرونی حقیقت ہوتی ہے جو اس کی جان اور روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ان ہی دو چیزوں کے مجموعہ سے وہ چیز وجود میں آتی ہے۔ صرف ظاہری جسم ہو تب بھی وہ بے کار ہے، جیسے: انسان میں اگر جسم ہی جسم ہو، اور روح نہ ہو؛ تو وہ بے کار ہے۔ ہر چیز میں یہی فلسفہ ہے۔ مثلاً: آم کی ایک شکل و صورت ہے اور ایک اس کی حقیقت یعنی اس کا ذائقہ ہے جو مخفی ہوتا ہے جس کو ہم محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح خربوزہ کی بھی ایک ظاہری شکل وصورت ہوتی ہے، اور ایک اس کی مخفی حقیقت یعنی اس کا ذائقہ ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی آدمی خربوزہ کی حقیقت حاصل کرنا چاہے تو آم نہیں خریدے گا، بلکہ خربوزہ کی جو مخصوص شکل وصورت ہے اسی کو خریدے گا، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ میں جس حقیقت کا طلب گار ہوں وہ مجھے اسی میں ملے گی۔ اسی طرح جو آدمی آم کی حقیقت، اور آم کا ذائقہ وٹیسٹ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو وہ امرود نہیں خریدے گا، بلکہ آم کی شکل وصورت کو حاصل کرے گا، اس لیے کہ اسی کے ذریعہ سے اس کو یہ چیز حاصل ہوگی۔

ہر جنس کے مقاصد وفوائد الگ الگ

اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کو بنایا، ان میں حضرت انسان بھی ہیں، اور انسانوں میں بھی جنس مختلف ہے۔ مرد الگ جنس ہے، اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لیے مردوں کو بنایا ہے وہ الگ ہیں اور اس کے فوائد بھی الگ ہیں۔ اور عورتوں کو جس مقصد کے لیے بنایا ہے وہ الگ ہے۔ لہٰذا مرد کی حقیقت مرد ہی کی شکل وصورت میں پائی جائے گی۔ اور عورتوں کی حقیقت عورت ہی کی شکل وصورت میں پائی جائے گی۔ عورت کی حقیقت کو اگر آپ مردانہ شکل وصورت میں ڈھونڈھیں گے تو نہیں ملے گی۔ اسی لیے

شریعت یہ چاہتی ہے کہ ہر ایک کی شکل وصورت الگ ہو، اور اس کے امتیازات جن کے ذریعہ وہ دوسری جنس سے الگ پڑ جاتی ہے وہ بھی جدا ہی رہیں۔ جیسے: آم کی ایک شکل وصورت ہے جس کے ذریعہ وہ امرود سے الگ پڑ جاتا ہے۔ امرود کو دیکھ کر آپ خود ہی کہہ دیں گے کہ یہ امرود ہے، کوئی آپ کو امرود بتا کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ آم ہے، یا آم بتا کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ امرود ہے۔ گویا آپ اس کی باتوں سے دھوکہ نہیں کھائیں گے۔ اسی طرح ہر ہر چیز کے کچھ ظاہری امتیازات ہوتے ہیں، اور اس کی حقیقت اسی میں پائی جاتی ہے جس کو کسی بھی حال میں بدلا نہیں جا سکتا۔

شریعت نے بھی ان چیزوں کا لحاظ کیا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے نبیٔ کریم ﷺ نے ظاہری شکل وصورت بھی بتلائی ہے کہ اس کو کس طرح کا لباس اختیار کرنا چاہیے، کس طرح کے بال رکھنے چاہیے، لباس کی تراش وخراش اور وضع قطع کس طرح کی اختیار کرنی چاہیے، اس کا اُٹھنا بیٹھنا کس انداز کا ہونا چاہیے؛ تاکہ وہ کفار وفساق سے ممتاز ہو جائے۔

اس کا لحاظ دنیوی چیزوں میں بھی کیا جاتا ہے

دنیوی اعتبار سے مکانوں تک میں اس چیز کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ ہوٹل کی شکل و صورت الگ ہوتی ہے۔ اسکول کی شکل وصورت الگ ہوتی ہے۔ آدمی دیکھ کر ہی کہہ دیتا ہے کہ یہ اسکول کی عمارت ہے، اس کے اندر کی حقیقت الگ ہے، اور اسکول والی حقیقت اسکول کی شکل وصورت والی عمارت ہی میں پائی جائے گی۔ اگر کوئی آدمی اسکول کو ہوٹل جیسی بنا دے تو لوگ کہیں گے کہ یہ کیا کیا؟ ہوٹل بنایا ہے، یا اسکول؟ اور اس کا یہ طرز اعتراض کا نشانہ بن جاتا ہے۔

مسجد کی شکل وصورت الگ ہوتی ہے اور مندر کی الگ ہوتی ہے، اگر کوئی آدمی مسجد کی شکل وصورت ایسی بنائے جو مندر کی ہوتی ہے، یا مندر کی شکل وصورت مسجد جیسی بنادے؛ تو اس کو قابلِ اعتراض سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی شرعی اعتبار سے کچھ احکام ایسے دئے ہیں جن میں اس طرح کے اختلاط کو ممنوع قرار دیا ہے، اور ہر ایک کو اپنی خصوصیتوں کو ممتاز رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چناں چہ روایت لائے ہیں:

مشابہت اختیار کرنے والے مرد وعورت پر لعنت

۱۶۳۱:- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ، وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ.

وفی روایۃ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، والْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔

افادات:- یعنی مرد ہو کر عورتوں جیسا لباس پہنیں، مرد ہو کر عورتوں جیسے بال رکھیں، مرد ہو کر عورتوں جیسی چال ڈھال بنائیں، مرد ہو کر بولنے کا انداز ایسا بنائیں جیسا کہ عورتوں کا ہوتا ہے۔ اور عورت ہوتے ہوئے مردوں جیسا لباس پہنیں، عورت ہوتے ہوئے مردوں جیسی چال ڈھال بنائیں، عورت ہوتے ہوئے ان کا بولنا مردوں کے انداز کا ہو۔ وہی سارے طور طریقے اختیار کریں جو مردوں کے ہوتے ہیں؛ ان سب پر لعنت ہے۔

عجیب وغریب دھوکہ

آج کل لباس کے معاملہ میں ایک وبا چل پڑی ہے کہ مرد اور عورت کا کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہے۔ بعض مرتبہ آدمی عجیب وغریب دھوکہ کھا جاتا ہے۔

ہمارے ایک ساتھی امریکہ سے آئے تھے، انہوں نے اپنا ایک قصہ سنایا کہ: ایک مرتبہ وہ دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں کے ساتھ ملاقات کے لیے ایک مکان پر گئے تو ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی، وہاں بیٹھے اور ایک گھنٹہ تک اس سے بات چیت ہوتی رہی، اس کو دین سمجھایا، جب رخصت ہونے کے لیے اُٹھے تو وہ بھی کھڑا ہوا؛ تب پتہ چلا کہ جس سے بات ہو رہی تھی وہ تو لڑکی ہے۔ یعنی اتنی دیر تک بیٹھ کر بات چیت کی تب بھی اندازہ نہیں ہوا۔ یقیناً آج کل لڑکیوں اور لڑکوں میں امتیاز کرنا مشکل ہوگیا ہے۔

قابلِ لعنت مرد وعورت

۱۶۳۲:-وعن أَبي هريرة- رضی الله عنه- قَالَ: لَعَنَ رسُولُ الله ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ المَرْأَةِ، والمَرْأَةَ تَلْبِسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ. (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے لعنت فرمائی اس مرد پر جو عورتوں جیسا لباس پہنے، اور اس عورت پر جو مردوں جیسا لباس پہنے۔

افادات:- بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو مردوں اور عورتوں میں مشترک ہوا کرتی ہیں؛ اس میں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، جیسے: اوڑھنے کی چادر اور دوسری استعمال کی بعض چیزیں جو مردوں یا عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھی جاتیں، اس میں اگر دونوں میں کوئی فرق نہ ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ ہاں! جو چیزیں مردوں کے

اعتبار سے الگ ہوتی ہیں اور عورتوں کے اعتبار سے الگ ہوتی ہیں، سب لوگ ہی جانتے ہیں کہ یہ زنانہ (Ladies) ہیں، اور یہ مردانہ (Gants) ہیں؛ ان میں اگر کوئی آدمی خلط ملط کرنا چاہے، تو اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اور یہ چیز قابلِ لعنت ہے۔

جہنمیوں کی دو قسمیں

۱۶۳۳:- وعنه قَالَ قَالَ رسولُ الله ﷺ: صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ البَقَرِ، يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ. وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلاَتٌ مَائِلاَتٌ، رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ البُخْتِ المائِلَةِ؛ لاَيَدْخُلْنَ الجَنَّةَ وَلاَيَجِدْنَ رِيحَهَا وإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَ كَذَا)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا (یعنی آنے والے زمانہ میں ان کا ظہور ہوگا۔ گویا یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی پیشین گوئیوں میں سے ہے جو آج ظاہر ہو رہی ہے) ایک تو وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جن کے ذریعہ وہ لوگوں کی پٹائی کریں گے۔ اور دوسری قسم وہ عورتیں ہیں جو لباس پہنے ہوئے ہوں گی لیکن ننگی ہوں گی، دوسروں کو مائل کرنے والی، اور خود بھی مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹ کی جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے، وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو دور سے محسوس کی جاتی ہے۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے۔

افادات:- علامہ احمد عبدالرحمٰن جو مصر کے بڑے عالم ہیں ان کی ایک کتاب ہے: ''الفتحُ الرّبانی فی ترتیب مسند أحمد بن حنبل الشیبانی'' اس

میں انہوں نے لکھا ہے کہ: دورِ حاضر میں محکمۂ شرطہ کے معاونین مجرموں سے اقرار کرانے کے لیے ایسی ہی چیزوں سے مارنے کا کام لیتے ہیں، وہ اس کا مصداق ہیں۔

کپڑا پہنے ہوئے ہونے کے باوجود ننگی

''نِسَآءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ'' سے کیا مراد ہے؟ کپڑا پہنے ہوئے ہونے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ تو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہیں:

(۱) ''معنی ((كَاسِيَاتٌ)) أيْ مِنْ نِعْمَةِ اللهِ ((عَارِيَاتٌ)) مِنْ شُكْرِهَا''

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے وہ مزین ہوں گی، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا لباس ان کو اوڑھا رکھا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ان کو حاصل ہوں گی، لیکن اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے وہ عاری، ننگی اور خالی ہوں گی۔

(۲) ''وَقِيلَ مَعْنَاهُ: تَسْتُرُ بَعْضَ بَدَنِهَا، وَتَكْشِفُ بَعْضَهُ إِظْهَاراً لِجَمَالِهَا وَنَحْوِهِ'' دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا لباس پہنیں گی کہ لباس پہنے ہوئے بھی ننگی نظر آئیں گی۔

اب لباس پہنے ہوئے ننگی نظر آنے کی کئی شکلیں ہیں: (اس لیے کہ لباس کا مقصد ستر کو چھپانا ہے۔ ''ستر'' یعنی جسم کا وہ حصہ جس کو چھپانے کا شریعت نے حکم دیا ہے مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ستر میں داخل ہے جس کا چھپانا ضروری اور فرض ہے۔ عورت کے لیے چہرہ اور ہتھیلیوں کو چھوڑ کر پورا جسم ستر میں داخل ہے جس کا چھپانا ضروری اور فرض ہے۔)

الف: - اگر کوئی عورت ایسا لباس پہنے کہ جسم کا کچھ حصہ کھلا رہ جائے، بازو کھلے رہ جائیں، جیسے: بغیر آستین کا یا آدھی آستین فروک پہنے، تو اس صورت میں ہاتھ کا

جتنا حصہ کھلا رہے گا وہ ستر ہونے کہ وجہ سے ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا وہ لباس پہننے کے باوجود ننگی ہے۔شریعت نے جتنا بدن ڈھانپنے کا حکم دیا اس سے وہ محروم ہے۔

ستر ڈھانپنے کا مقصد دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک تو انسان کے جسم کی رنگت نظر نہ آئے کہ کالا ہے یا گورا۔اگر بدن کھلا ہوا ہو تو جسم کا رنگ نظر آجائے گا۔اور دوسرا اعضو کی سائز اور ساخت نظر نہ آئے۔اس لیے ستر چھپانے کے لیے جو کپڑا استعمال کیا جاتا ہے اس میں دو باتیں ہونی چاہیے، ایک تو یہ کہ وہ جسم کی رنگت کو چھپانے والا ہو، اور دوسرا یہ کہ اس کو پہننے کے نتیجہ میں جسم کی ساخت اور سائز لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہیے۔اسی لیے لباس موٹا ہونا چاہیے یعنی اتنا باریک نہ ہو کہ پہنے ہونے کے باوجود اندر کا جسم جھلکتا ہو۔

ب:۔جو عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں جس کی وجہ سے ان کا جسم جھلکتا نظر آتا ہے، جیسے: پتلا دوپٹہ اوڑھ لیا، یا ایسا پتلا کپڑا پہنا کہ جسم کا اندرونی حصہ باہر سے نظر آتا ہے؛ تو اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ یہ کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہیں۔

ج:۔اور ایک شکل یہ ہے کہ کپڑا تو موٹا ہے جس کی وجہ سے جسم کا اندرونی حصہ جھلکتا نہیں ہے؛ لیکن وہ لباس اتنا تنگ ہے جس کی وجہ سے سائز نظر آتی ہے، سینہ نظر آتا ہے، بازو نظر آتے ہیں، کولھے، سرینیں اور پیٹ نظر آتا ہے، مطلب یہ کہ اس کی سائز معلوم ہو جاتی ہے تو اس صورت میں یہ کپڑا اگرچہ موٹا ہے جس کی وجہ سے اندر کا جسم جھلکتا نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی اس کی سائز نظر آنے کی وجہ سے یوں ہی سمجھا جائے گا کہ وہ کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہے۔

یہ سب شکلیں عورتیں اپنے جمال اور خوب صورتی کو نمایاں کرنے کے لیے

استعمال کرتی ہیں؛ تو یوں سمجھا جائے گا کہ وہ باوجود کپڑا پہننے کے ننگی ہیں۔

(۳) ''وَقِيلَ: تَلْبَسُ ثَوباً رَقِيقاً يَصِفُ لَوْنَ بَدَنِهَا'' ایک مطلب وہی ہے کہ وہ پتلا اور بارک لباس پہنیں گی کہ لباس پہننے کے باوجود اس کے جسم کا رنگ نظر آتا ہو، اس میں سے جسم جھلکتا ہے؛ تو یوں کہا جائے گا کہ کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہیں۔

(۴) ''وَمَعْنَى ((مَائِلَاتٌ)) قِيلَ: عَنْ طَاعَةِ اللهِ وَمَا يَلْزَمُهُنَّ حِفْظُهُ'' ''مَالَ يَمِيلُ'' کا معنیٰ آدمی کا جھکا ہوا ہونا، اور کسی طرف مائل ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کے احکام بجالانے سے ہٹی ہوئی ہیں۔

''((مُمِيلَاتٌ)) أَيْ: يُعَلِّمْنَ غَيْرَهُنَّ فِعْلَهُنَّ الْمَذْمُومَ'' یعنی دوسروں کو بھی ایسی حرکتیں کرنے کو سکھاتی ہیں۔ خود بھی راہِ راست سے ہٹی ہوئی ہیں اور دوسری عورتوں کو بھی راہِ راست سے ہٹانے والی ہیں۔ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خود تو غلط کار ہوتی ہی ہیں اور لوگوں میں بھی اس کی ترویج و اشاعت کرتی ہیں۔

(۵) ''وَقِيلَ: مَائِلَاتٌ يَمْشِينَ مُتَبَخْتِرَاتٍ، مُمِيلَاتٌ لِأَكْتَافِهِنَّ'' بعضوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ مٹکاتی ہوئی چلیں گی۔ اپنے جسم کو خم دیتے ہوئے اور اپنے کندھے کو ہلاتے ہوئے چلیں گی۔

(۶) ''وقِيلَ: مَائِلاتٌ يَمْتَشِطْنَ الْمِشْطَةَ الْمَيْلَاءَ: وهي مِشْطَةُ الْبَغَايَا، و((مُمِيلاتٌ)) يُمَشِّطْنَ غَيْرَهُنَّ تِلْكَ الْمِشْطَةَ'' اور بعضوں نے کہا کہ مائلات کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بالوں کی ساخت فاحشہ عورتوں جیسی بناتی ہیں یعنی مانگ ٹیڑھی کرنا وغیرہ۔ اور دوسری عورتوں کو باقاعدہ ایسا بنا کر دینا، یعنی دوسری عورتوں کو بھی بالوں کا ایسا انداز بنا کر دیں گی۔ خود بھی ایسا بناتی ہیں اور دوسروں کو بھی ایسا بنا کر دیتی ہیں، جیسے: بیوٹی پارلرز میں ہوتا ہے کہ خود بھی اپنے لیے ایسی زیب و زینت

اختیار کرتی ہیں، اور دوسری عورتوں کو بھی اس طرح کی زیب وزینت بنا کر دیتی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے تکملہ فتح الملہم میں غالباً علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "مَائِلَاتٌ" یعنی وہ عورتیں جو زنا اور اسبابِ زنا کی طرف مائل ہیں۔ یعنی وہ ایسا ناز وانداز اختیار کرتی ہیں اور ایسا طور و طریق اور ایسا لباس اپناتی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ خود بھی زنا اور اسبابِ زنا کی طرف مائل ہیں اور دوسروں کو بھی زنا کی طرف مائل کرتی ہیں۔ آج کل جو بھی فیشن رائج ہو رہے ہیں ان کا خلاصہ یہی ہوتا ہے کہ خود بھی ان برائیوں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف مائل کرتی ہیں۔

بختی اونٹوں کے کوہان

"رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ" أَيْ: يُكَبِّرْنَهَا وَيُعَظِّمْنَهَا بِلَفِّ عِمَامَةٍ أَوْ عِصَابَةٍ أَوْ نَحْوِهَا "ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح ہوں گے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وہ کپڑا لپیٹ کر اپنے سر کو بڑا بنا کر ظاہر کریں گی۔ اُس زمانہ میں مصری عورتوں میں یہ فیشن چلا تھا اور چوں کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ مصر کے رہنے والے تھے، اس لیے فرماتے ہیں کہ کپڑا لگا کر یا عمامہ جیسا کپڑا لپیٹ کر اپنے سروں کو بڑا ظاہر کرتی ہیں۔ لیکن مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تکملہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں کہ: دورِ حاضر میں عورتوں نے بالوں کی زینت اور فیشن کے طور پر جو مخصوص ساخت شروع کی ہے کہ بالوں کو سر کے اوپر اکٹھا کر کے جمانے کی کوشش کرتی ہیں؛ وہ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے اونٹ کی کوہان ہو۔ اب جس نے یہ شکل نہ دیکھی ہو وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا؛ لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی اس طرح پوری ہوتی ہے۔

باب النهي عن التشبه بالشيطان والكفار

شیطان اور کفار کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے کی ممانعت

ایک ہے تشبہ اور ایک ہے مشابہت:

تشبہ کا مطلب ہے: آدمی کا بالقصد اپنے ارادہ واختیار سے اپنے آپ کو ایسا بنانا کہ میں فلاں جیسا نظر آؤں، مثلاً: کوئی مخصوص طور وطریق اور مخصوص انداز وفیشن ہو اور آدمی اسی طرح کے کپڑے اس لیے پہنے کہ میں بھی ان جیسا نظر آؤں، جیسے: کوئی آدمی کوٹ پتلون اس لیے پہنتا ہے کہ میں بھی یورپین اور انگریز کی طرح نظر آؤں۔ یا کفار کا کوئی مخصوص لباس اسی نیت سے پہنتا ہے کہ میں بھی ان جیسا نظر آؤں؛ وہ تو تشبہ ہے، اور تشبہ حرام ہے۔ بلکہ اگر اس نے ایسی چیز کو اختیار کیا جو ان کا مذہبی شعار اور مذہبی علامت سمجھی جاتی ہے؛ تو اس صورت میں تو بعض مرتبہ کفر تک پہنچنے کی نوبت آجاتی ہے۔ لیکن اگر اس کی نیت ان جیسا بننے کی نہیں ہے؛ تو اس صورت میں اس کو تشبہ نہیں بلکہ مشابہت کہیں گے، اور یہ بھی مکروہ ہے، لیکن اس کا گناہ پہلے جیسا نہیں ہوگا۔

یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشبہ بالشیطان والکفار سے منع فرماتے ہیں کہ شیطان اور کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔ کفار کے ساتھ مشابہت اگر ارادہ وقصد کے ساتھ ہو تب تو منع ہے ہی؛ لیکن اگر غیر ارادی طور پر ہو جائے تب بھی شریعت کی نگاہوں میں ناپسندیدہ ہے؛ لیکن اس کا گناہ اس درجہ کا نہیں جو بالارادہ اور بالقصد کرنے کی صورت میں ہوتا ہے، اس لیے کہ بالارادہ کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو اسلامی طور وطریق اور اسلامی انداز ناپسند ہے، اور غیر اسلامی انداز پسند ہے۔

بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کے ساتھ مشابہت ہے

۱۶۳۴: -عن جابر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللہِ ﷺ: ((لاَ تَأْكُلُوا بِالشِّمَالِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ ويَشربُ بِالشِّمَالِ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ: -حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ، اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

افادات: -اس سے معلوم ہوا کہ شیطان بھی حقیقۃً کھاتا اور پیتا ہے، اور روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اس کی عادت بائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کی ہے، اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ پیو، بلکہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ پیو؛ ورنہ شیطان کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی۔

۱۶۳۵: وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((لاَ يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ، وَلاَ يَشْرَبَنَّ بِهَا، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِهَا)) (رواہ مسلم)

ترجمہ: -حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، اور نہ اُلٹے ہاتھ سے پانی پیئے، اس لیے کہ شیطان اُلٹے ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

افادات: -ان روایتوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ شیطان جیسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، اگر ہم بائیں ہاتھ سے کھائیں گے تو ہم بھی شیطان جیسے بن جائیں گے۔

غیروں کی مخالفت کا حکم

۱۶۳۶: -وعن أَبي هريرة- رضی اللہ عنہ -: أَنَّ رَسُولَ اللهِ -ﷺ- قَالَ:

((إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبُغُونَ، فَخَالِفُوهُمْ)). (متفق عَلَيْهِ)

اَلْمُرَادُ: خِضَابُ شَعْرِ اللِّحْيَةِ وَالرَّأْسِ الْأَبْيَضِ بِصُفْرَةٍ أَوْ حُمْرَةٍ، وَأَمَّا السَّوَادُ، فَمَنْهِيٌّ عَنْهُ كَمَا سَنَذْكُرُهُ فِي الْبَابِ بَعْدَهُ، إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہود اور نصاریٰ اپنے بالوں کو نہیں رنگتے (یعنی جب ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہوجاتے ہیں تو وہ لوگ خضاب نہیں لگاتے) لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو (یعنی خضاب لگاؤ)۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ڈاڑھی اور سر کے جو بال سفید ہو چکے ہوں، ان کو پیلے یا سرخ رنگ سے رنگنا اور خضاب کرنا مراد ہے۔ رہا کالا رنگ؛ تو وہ تو ممنوع ہی ہے جیسا کہ آئندہ باب میں آرہا ہے۔

افادات:۔ یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو خاص تاکید فرمائی کہ یہود و نصاریٰ کے بال جب سفید ہوجاتے ہیں تو وہ خضاب نہیں کرتے؛ لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔ یا جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشرکین کے متعلق فرمایا کہ وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں اور ڈاڑھی کٹاتے ہیں، لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو کہ اپنی ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتر واؤ۔ اور بھی بہت سی چیزوں میں ہمیں یہی تاکید فرمائی گئی ہے۔ گویا جو طور وطریق اور لباس وغیرہ کی تراش وخراش اور کٹنگ ان کے جیسی ہو، تو اس کو اختیار نہ کیا کرو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' جو آدمی کسی قوم کے ساتھ بالارادہ تشبہ اختیار کرے گا تو وہ بھی ان ہی میں شمار کیا جائے گا۔ قرآنِ پاک میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں ان کی طرف نہ جھکو (ان کے طور و طریق اختیار نہ کرو) کہ جہنم کی آگ تم کو بھی پکڑ لے گی۔

باب نهی الرجل والمرأة عن خضاب شعرهما بسواد

مرد ہو یا عورت؛ سیاہ خضاب کرنے کی ممانعت

۱۶۳۷:- عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: أُتِيَ بِأَبِي قُحَافَةَ والِدِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہما يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ كَالثَّغَامَةِ بَيَاضاً. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((غَيِّرُوا هَذَا وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتحِ مکہ کے دن لایا گیا تو ان کا سر اور ڈاڑھی ثغامہ پودے کی طرح بالکل سفید تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: اس کو بدل دو (یعنی یہ سفیدی نکال دو، اس کو رنگ دو) لیکن سیاہی سے بچو (یعنی خضاب سیاہ رنگ کا نہیں ہونا چاہیے)

افادات:- حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ایمان نہیں لائے تھے، جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اس وقت حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے تو ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی گود میں اُٹھا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کلمہ پڑھایا اور وہ ایمان لائے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اُٹھا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کو کیوں لائے، مجھے بتاتے تو میں خود آجاتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان کو ہی آپ کی خدمت میں آنا چاہیے تھا، کہا کہ آپ

ان کے پاس تشریف لے جاتے۔خیر! جب وہ لائے گئے تو چوں کہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے، اس وجہ سے ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے۔

''ثَغَامَة''ایک پودا ہوتا ہے جو پہاڑوں پر پایا جاتا ہے، جب وہ خشک ہو جاتا ہے تو بالکل سفید برف کی طرح نظر آتا ہے۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ایک درخت ہے جس کے پھل اور پھول بہت سفید ہوتے ہیں، جب وہ آتے ہیں تو پورا پودا سفید نظر آتا ہے۔

خود آپ ﷺ نے خضاب فرمایا ہے، یا نہیں؟ یہ چیز محدثین کے درمیان مختلف فیہ ہے۔احناف کے یہاں راجح یہی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے خضاب نہیں فرمایا ہے۔اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے سر، ڈاڑھی کے بالوں میں اٹھارہ یا انیس بالوں سے زیادہ سفید بال نہ تھے، البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہندی اور کَتَم کا خضاب کیا ہے۔

سرخ سیاہی مائل رنگ کی مہندی کا حکم

''کَتَم'' بھی مہندی کی طرح کا ایک پودا ہوتا ہے، اس سے بال کا رنگ سیاہی مائل ہو جاتا ہے، اور ان دونوں کو ملایا جائے گا تو اس سے سرخ سیاہی مائل رنگ آجاتا ہے۔اس طرح کا خضاب لگانے کی اجازت ہے، لیکن خالص سیاہ رنگ کے خضاب کی اجازت نہیں ہے۔

کالی مہندی کا مسئلہ

آج کل ''کالی مہندی'' کے نام سے ایک خضاب آتا ہے، اس کو بنانے

والے بھی عجیب ہیں کہ اس کو نام ہی ''مہندی'' دے دیا، تاکہ کسی کو زیادہ تحقیق کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، اور سب یہی سمجھیں کہ یہ مہندی ہے، حالاں کہ وہ ایک کیمیکل ہے جس کو ''کالی مہندی'' کا صرف نام دیدیا ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ واقعۃً مہندی ہو اور اس سے صرف کالا رنگ آتا ہو؛ تب بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

ہیر ڈائی کا حکم، عورتیں متوجہ ہوں

آج کل بالوں کو رنگنے کے لیے ہیر ڈائی آتی ہے، اس سے بھی اگر صرف رنگ آتا ہے، جیسے مہندی کا رنگ آتا ہے؛ تو اس میں بھی کالے کو چھوڑ کر باقی رنگ، جیسے بھورا، سرخ رنگ کو استعمال کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ صرف رنگ ہی ہو، یعنی اس کو لگانے سے رنگ ہی چڑھتا ہو۔ اور اگر وہ اتنا گاڑھا ہو جس کی وجہ سے بالوں پر پرت چڑھ جاتی ہو، جیسے: آئل پینٹ میں ہوتا ہے؛ تو اس صورت میں پھر وضو اور غسل درست نہیں ہوگا۔ جیسے: عورتیں نیل پالش لگاتی ہیں، جس میں ناخن پر باقاعدہ پرت اور پڑ جم جاتا ہے، تو اس صورت میں ان کا نہ غسل ہوگا اور نہ وضو ہوگا، بلکہ خدانخواستہ اگر ایسی حالت میں انتقال ہوگیا تو ناخنوں پر نیل پالش لگی ہوئی ہونے کی وجہ سے ان کا غسل بھی نہیں ہوگا، اور جب غسل نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی، اس لیے کہ مُردہ کو جب تک غسل نہ دیا جائے اس پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ عورتوں کے ناخنوں پر اگر نیل پالش لگی ہوئی ہو تو اس کو کھرچا جائے، اگر کھرچا نہیں جائے گا تو ان کا غسل ہی درست نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا۔ ابوداود شریف میں روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعض لوگ ایسا خضاب استعمال کریں گے جیسے

کبوتر کے پوٹے ہوتے ہیں، وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھیں گے (۱)۔ کبوتر کے پورے جسم کا رنگ تو الگ ہوتا ہے، لیکن گلے کے نیچے کے حصہ کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ اسی لیے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کالا خضاب استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ البتہ دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے میدانِ قتال میں اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اس کی گنجائش دی گئی ہے۔

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یکون قوم یخضبون فی أخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام، لا یریحون رائحة الجنة. (سنن ابی داود: باب ما جاء في خِضَابِ السواد۔ حدیث نمبر: ۴۲۱۲)

باب النهي عن القَزَع
وإباحة حَلْقِهِ كُلِّهِ للرجل دون المرأة

''قَزَع'' کی ممانعت کا بیان

بال کاٹنے کی اجازت صرف مَردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے نہیں

''قَزَع'' کا مطلب

''قَزَعٌ''، جمع کا صیغہ ہے، اس کا واحد ''قَزْعَةٌ'' آتا ہے، جس کا اصل معنیٰ تو ہے: بادل کا وہ ٹکڑا جو تنہا ہو، آسمان میں بادل کی جماوٹ نہ ہو۔ بعض مرتبہ سر کے بال اس طرح کاٹے جاتے ہیں کہ سر کے کسی حصہ کے کاٹے جاتے ہیں اور کسی حصہ کے رہنے دیئے جاتے ہیں؛ اسی کو ''قَزَع'' سے تعبیر کیا گیا ہے کہ سر کے کسی حصہ کے بال کاٹ کر کسی حصہ کے بال کو رہنے دینا۔ اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ہاں! اگر پورے سر کے بال کاٹنا چاہے کہ سر پر بالکل بال رہے ہی نہیں؛ تو کاٹ سکتے ہیں۔ لیکن سر کے کچھ حصہ کے بال رہنے دینا اور کچھ حصہ کے کاٹنا، جیسا کہ عام طور پر شریعت کے خلاف بال رکھنے والوں کا قدیم زمانہ سے یہی طریقہ چلا آیا ہے کہ کان کے پاس

کے بال کاٹ دیئے جاتے ہیں اور سر کے اوپر کے بال رہنے دیئے جاتے ہیں، یا پیچھے گُدی کے حصے کے بال کاٹ دیئے جاتے ہیں اور باقی بالوں کو رہنے دیا جاتا ہے؛ تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ اگر بال رکھنے ہیں تو پورے سر کے رکھے جائیں، اور اگر کاٹنے ہیں تو پورے سر کے کاٹ دیئے جائیں۔

۱۶۳۸:- عن ابن عمر رضی الله عنهما، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عن القَزَعِ. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قزع سے منع فرمایا۔ (قزع کا مطلب اوپر بتایا جاچکا ہے۔)

بچوں کے بالوں کی تراش خراش کی ذمہ داری والدین کی ہے

۱۶۳۹:- وعنه، قَالَ: رأَى رَسُولُ اللهِ ﷺ صَبِيّاً قَدْ حُلِقَ بَعْضُ شَعْرِ رَأْسِهِ وَتُرِكَ بَعْضُهُ، فَنَهَاهُمْ عَنْ ذَلِكَ، وقال: ((احْلِقُوهُ كُلَّهُ، أَوِ اتْرُكُوهُ كُلَّهُ))

(رواه أبو داود بإسناد صحيح عَلَى شرط البخاري ومسلم.)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بچے کو دیکھا جس کے سر کے کچھ حصے کے بال کاٹے گئے تھے، اور کچھ حصے کے چھوڑ دیئے گئے تھے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: یا تو پورے کے بال کاٹ دو، یا پورے سر کے بال رہنے دو۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کے بالوں کی تراش وخراش اور بچوں کے لباس کی وضع قطع کے معاملہ میں ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ ان کو شریعت کے مطابق رکھنے کا اہتمام کریں، ورنہ انہیں کا مواخذہ ہوگا۔ یہاں تک کہ

کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ چھوٹے بچے کو ماں پیشاب یا پائخانہ اس طرح کرا رہی ہے کہ اس بچہ کی پیٹھ، یا اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو رہا ہے؛ تو یہ درست نہیں ہے۔ اور چھوٹا بچہ چاہے پانچ مہینہ کا ہو، یا ایک سال کا ہو، اور وہ لڑکا ہے تو اس کو ریشمی کپڑا، یا سونے کی چین پہنانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بچوں کے ان تمام معاملات میں شریعت کے احکام کی پابندی کروانے کی ذمہ داری ماں باپ کی ہے، اگر ان میں شریعت کی خلاف ورزی ہوگی تو پکڑ ماں باپ کی ہوگی۔

پورے سر کے بال مونڈے جاسکتے ہیں

۱۶۴۰:-وعن عبد الله بن جعفر رضی الله عنهما: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمْهَلَ آلَ جَعْفَرٍ ثَلاَثاً ثُمَّ أَتَاهُمْ فَقَالَ: ((لاَ تَبْكُوا عَلَى أَخِي بَعْدَ الْيَوْمِ)) ثُمَّ قَالَ: ((ادْعُوا لِي بَنِي أَخِي)) فَجِيءَ بِنَا كَأَنَّنَا أَفْرُخٌ فَقَالَ: ((ادْعُوا لِي الْحَلاَّقَ)) فَأَمَرَهُ فَحَلَقَ رُؤُوسَنَا. (رواه أبو داود بإسناد صحيح عَلَى شرط البخاري ومسلم.)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے گھرانے والوں کو تین دن (رونے کی) مہلت دی۔ جب تین دن ہو گئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی کے واسطے مت روئیو، پھر ارشاد فرمایا: میرے بھائی کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا (ہم اتنے چھوٹے بچے تھے) گویا ہم چوزے ہوں (مطلب یہ ہے کہ ہم بہت چھوٹے چھوٹے تھے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حلّاق کو بلواؤ۔ جب وہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا: ان کے بال مونڈ دو، تو اس نے ہمارے سروں کو مونڈ دیا۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات

افادات:۔ حضرت جعفرؓ کے تین بیٹے تھے: (۱) محمد (۲) عبداللہ (۳) عون۔ یہ تینوں بہت چھوٹے چھوٹے تھے، ان میں سے عبداللہ شکل وشباہت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت مشابہ تھے، اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد بھی بنے۔ حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ کے بڑے بھائی تھے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے پہلے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ اس وقت پہنچے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے جا چکے تھے، چناں چہ وہیں خیبر جا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، اس وقت خیبر فتح ہو چکا تھا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معانقہ فرمایا، پیشانی پر بوسہ دیا، اور فرمایا کہ: میں یہ نہیں بتلا سکتا کہ مجھے اس وقت کس چیز کی زیادہ خوشی ہے؛ خیبر کے فتح ہونے کی، یا جعفر کی ملاقات کی (۱)۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ہی سخی تھے۔ غزوۂ مؤتہ کے موقعہ پر پہلے امیر تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنائے گئے تھے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو امیر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے۔ اسی جنگ میں حضرت جعفرؓ شہید ہوئے، اور ان کی شہادت کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچی۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعۂ وحی بھی آگاہ کر دیا تھا، لہٰذا آپ نے مدینہ منورہ میں "الصلوٰۃ جامعة" کی آواز لگوا کر لوگوں کو جمع کروایا، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

(۱) حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ عَوْنِ بنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ جَعْفَرٌ مِنْ هِجْرَةِ الْحَبَشَةِ، تَلَقَّاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم فَعَانَقَهُ، وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَقَالَ: مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَنَا أَسَرُّ، بِفَتْحِ خَيْبَرَ، أَوْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ. (المعجم الكبير للطبرانی، حديث رقم: ۱۴۵۲)

سامنے میدانِ جنگ کا پورا نقشہ کر دیا گیا تھا، آپ لوگوں بتلاتے جاتے تھے کہ پہلے حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہوئے، پھر حضرت جعفرؓ شہید ہوئے۔ خیر! ان کی شہادت کی اطلاع جب ان کے گھر پہنچی تو گھر والوں کو بڑا غم ہوا، اور وہ رونے لگے۔

رونا اگر غیر اختیاری طور پر آ رہا ہے اور شریعت کے خلاف بھی کسی حرکت کا ارتکاب نہیں کیا جا رہا ہے، جیسے: گالوں پر طمانچے نہیں مارے جا رہے ہیں، بالوں کو نوچا نہیں جا رہا ہے، گریبان پھاڑا نہیں جا رہا ہے، اور مرنے والے کے غلط اوصاف بیان کر کے شور و ہنگامہ برپا نہیں کیا جا رہا ہے؛ تو رونے کی اجازت ہے۔ خیر! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے والوں کو تین دن تک رونے کی مہلت دی، یعنی رونے سے منع نہیں کیا۔ اس روایت کو لا کر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ پورے سر کے بال مونڈے جا سکتے ہیں۔ اور خاص کر بچوں کے بارے میں تو زیادہ مناسب یہی ہے کہ سر پر بال رکھنے کے مقابلہ میں بالوں کو مونڈ دیا جائے۔

عورت سر کے بال نہ منڈوائے

۱۶۴۱:- وعن عليٍّ - رضی الله عنه - قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا. (رواه النسائی)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ عورت اپنے سر کے بال منڈوائے۔

افادات:- عورتوں کے لیے تو بال کاٹنے کی بھی ممانعت آئی ہے، اس لیے کہ اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور جو عورت وضع قطع، تراش وخراش اور لباس میں مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

باب تحریم وصل الشعر والوشم والوشر وهو تحديد الأسنان

بالوں کے ساتھ دوسروں کے بالوں کو جوڑنا، گوندنا لگوانا، دانتوں کونوکیلا بنانا

اپنے بالوں کے ساتھ دوسروں کے بالوں کو جوڑ کر اپنے بالوں کو بڑا بنانا، جیسا کہ عام طور پر عورتیں کرتی ہیں۔ اور گوندنا لگوانے کی بھی ممانعت ہے، یعنی سوئیوں کے ذریعہ جسم میں سوراخ کر کے اس میں سرمہ یا نیم بھر دینا، جس کی وجہ سے اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔ آج کل دیکھا ہوگا کہ بہت سے نوجوان اپنے جسم میں جگہ جگہ مختلف جانوروں --بچھو، شیر-- کی تصویریں گوندواتے ہیں، یا اپنا نام لکھواتے ہیں، یا غیر مسلم لوگ اپنی دیوی دیوتاؤں کی شکلیں بنواتے ہیں۔ اہلِ عرب میں بھی اس کا رواج تھا؛ یہی ''وَشْم'' کہلاتا ہے۔ اور ''وَشْر'' یعنی دانتوں کونوکیلا بنانا۔ اسلام میں ان سب باتوں کی ممانعت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خِلْقَت کو بدلنا شیطانی فریب ہے

قرآنِ پاک کی آیت پیش کی ہے: ﴿إِنۡ يَدۡعُونَ مِنۡ دُونِهِۦٓ إِلَّآ إِنَٰثٗا وَإِنۡ يَدۡعُونَ إِلَّا شَيۡطَٰنٗا مَّرِيدٗا، لَّعَنَهُ ٱللَّهُ. وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيبٗا مَّفۡرُوضٗا. وَلَأُضِلَّنَّهُمۡ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَأٓمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ ءَاذَانَ ٱلۡأَنۡعَٰمِ وَلَأٓمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ

اللّٰہِ.(النسآء: ۱۱۹،۱۱۸،۱۱۷)

ترجمہ: -وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں، دراصل وہ نہیں پکارتے مگر مؤنث اور مادہ کو (یعنی عام طور پر غیر اللہ کو جو پکارا جاتا ہے وہ دیویاں ہی ہوتی ہیں، اور اہلِ عرب میں ہر قبیلہ کا بت علاحدہ ہوا کرتا تھا، اور اس کے لیے ان کے یہاں یہی جملہ استعمال کیا جاتا تھا: ''أُنْثٰى بَنِيْ فُلَانٍ'' فلاں قبیلے کی دیوی۔ ہمارے ملک میں بھی غیر اللہ کی جو پوجا کی جاتی ہے ان میں دیویاں ہی زیادہ ہیں) اور نہیں پکارتے ہیں مگر شیطانِ سرکش کو (حقیقت میں شیطان ہی گمراہ کرتا ہے، اور غیر اللہ کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ گویا اس کے بہکاوے میں آکر جو کچھ کیا جاتا ہے درحقیقت وہ عبادت اور پوجا شیطان ہی کی ہورہی ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کردیا (جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کیا اس وقت) وہ کہنے لگا: میں تیرے بندوں میں سے اپنے لیے ایک حصہ مقرر کرلوں گا (مطلب یہ ہے کہ تیرے بندوں میں سے ایک تعداد وہ ہوگی جو میری بات ماننے والی اور میری پیروی کرنے والی ہوگی، میں ان کو اپنا بنالوں گا) اور میں ان کو گمراہ کروں گا، اور میں ان کو تمنائیں دلواؤں گا (اور عام طور پر آدمی تمناؤں اور امیدوں میں پڑکر ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں مبتلا ہوتا ہے) اور میں ان کو بہکاؤں گا جس کے نتیجہ میں وہ اپنے جانوروں کے کانوں کو چیریں گے، اور ان کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خِلْقَت کو بدل دیں۔

افادات: -اس آیت کو یہاں اسی لیے پیش کیا ہے کہ جسموں پر جو گوندنا لگوایا جاتا ہے، اسی طریقے سے دانتوں کو جو باریک کروایا جاتا ہے، اور بالوں کو غلط طریقوں سے تراشا جاتا ہے؛ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خِلْقَت کو بدلنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

بالوں کو عورتوں کے لیے زینت بتلایا ہے، جیسا کہ بعض کتابوں میں بعض فرشتوں کی یہ تسبیح بتلائی گئی ہے: ''سُبْحَانَ مَنْ زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللُّحیٰ وَالنِّسَآءَ بِالذَّوَائِبِ'' پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی کے ذریعہ سے اور عورتوں کو چوٹی کے ذریعہ سے زینت عطا فرمائی۔ آج کل دونوں نے اپنی زینت چھوڑ دی ہے، مردوں نے ڈاڑھی ختم کر دی اور عورتوں نے چوٹی نکال دی۔

بالوں کو جوڑنے والی اور جُڑوانے والی پر لعنت

۱۶۴۲:-وعن أسماء رضی الله عنها أنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يارسولَ اللهِ! إِنَّ ابْنَتِي أَصَابَتْهَا الحَصْبَةُ، فَتَمَرَّقَ شَعْرُهَا، وإِنِّي زَوَّجْتُهَا، أَفَأَصِلُ فِيهِ؟ فقالَ: ((لَعَنَ اللهُ الوَاصِلَةَ وَالمَوْصُولَةَ)). (متفق علیه)

وفي روايةٍ: ((الوَاصِلَةَ، والمُسْتَوْصِلَةَ)).

قَوْلُهَا: ((فَتَمَرَّقَ)) هو بالراءِ ومعناهُ: انْتَثَرَ وَسَقَطَ. ((وَالوَاصِلَةُ)): التي تَصِلُ شَعْرَهَا، أو شَعْرَ غَيْرِهَا بِشَعْرٍ آخَرَ. ((وَالمَوْصُولَةُ)): التي يُوصَلُ شَعْرُهَا. ((والمُسْتَوْصِلَةُ)): التي تَسْأَلُ مَنْ يَفْعَلُ لها ذلك.

ترجمہ:- حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ ایک عورت نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میری بیٹی کو چیچک کی بیماری ہوگئی جس کے نتیجہ میں اس کے بال جھڑ گئے، اور میں نے اس کا نکاح کرار کھا ہے، تو کیا اب میں اس کے بالوں میں دوسرے بال جوڑ کر اس کے بال لمبے کروں؟ (دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شوہر نے مطالبہ کیا تھا اور اس نے ساس سے کہا تھا کہ تمہاری بیٹی کے بال جھڑ گئے ہیں تو اس کے بالوں کے ساتھ دوسرے بال جوڑ دو۔ تو اس عورت نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس

سلسلہ میں اجازت چاہی) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو عورت اپنے بالوں کو جوڑے اور جس کے بال جوڑے جائیں؛ ان دونوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

افادات:۔اس سلسلہ میں اکثر حضراتِ محدثین اس طرف گئے ہیں کہ کسی بھی حال میں بالوں میں مطلقاً دوسرے بالوں کو جوڑنے کی اجازت نہیں ہے، چاہے وہ انسانی بال ہوں، یا کسی ناپاک یا حلال جانور کے بال ہوں، یا مصنوعی بال ہوں۔لیکن احناف کے یہاں حکم یہ ہے کہ اگر انسان کے بال ہیں، یا کسی ناپاک جانور کے بال ہیں، جیسے سور کے بال ہوں تو ان کو تو جوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔اور اگر کسی حلال اور پاک جانور کے بال ہیں، یا مصنوعی بال ہیں؛ تو ان کو جوڑنے کی اجازت ہے

وعن عائشة رضی الله عنها نحوهُ. (متفق علیه)

حضرت عائشہؓ سے بھی یہی بات منقول ہے جو اوپر گزری۔

بالوں میں بال جوڑنے کی وجہ سے بنواسرائیل ہلاک ہوئے

۱۶۴۳:-وعن حُمیدِ بنِ عبدالرحمٰنِ: أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ رضی الله عنه عامَ حَجَّ علی المِنْبَرِ وَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِنْ شَعْرٍ كَانَتْ فِی يَدِ حَرَسِيٍّ فَقَالَ: يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ! أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ؟ سَمِعتُ النَّبِیَّ ﷺ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هٰذِهِ، ويقُولُ: ((إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ حينَ اتَّخَذَهَا نِسَاؤُهُمْ)). (متفق علیه)

ترجمہ:-حضرت حمید بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس سال آخری حج کیا، اس وقت میں نے ان کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا، حال یہ کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں بالوں کی (چوٹی کا) ایک گچھا پکڑ رکھا تھا (کسی عورت نے بالوں میں لگائی ہوگی جو الگ ہو کر راستہ میں گر گئی تھی، اور آپ کے سپاہی کو ملی تو حضرت معاویہؓ نے اس

کے ہاتھ سے لے کر اپنے ہاتھ میں پکڑا) اور فرمایا: اے مدینہ والو! تمہارے علماء کہاں گئے؟ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس حرکت سے (یعنی بالوں کے ساتھ دوسرے بالوں کو جوڑنے سے) منع فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: بنو اسرائیل ہلاک ہوگئے جب ان کی عورتوں نے اس طرح کے بال بنالیے (یعنی جب ان کی عورتوں نے اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بالوں کو جوڑنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب آیا اور وہ ہلاک ہوگئے۔)

علماءِ کرام کی ذمہ داری

افادات: ۔اس روایت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ علماءِ کرام کی ذمہ داری اور ان کا فریضہ ہے کہ اگر لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایات اور شریعت کے احکام کے خلاف کسی کام میں مبتلا ہوں تو ان کو تنبیہ کریں، اس کے گناہ سے ان کو آگاہ کر کے اس سے روکنے کی کوشش کریں۔ گویا یہ علماء کا فرضِ منصبی ہے، اسی لیے حضرت معاویہؓ نے اہلِ علم کو خاص طور پر خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ: تمہارے علماء کہاں گئے؟ وہ اپنے فرضِ منصبی کو ادا کرنے میں کیوں کوتاہی برت رہے ہیں کہ جس کی وجہ سے عوام میں یہ کام کرنے کی نوبت آئی۔ معلوم ہوا کہ معاشرہ میں جو بھی بگاڑ پیدا ہو رہا ہو، اہلِ علم کو اس کی طرف پورے طور پر نظر رکھنی چاہیے، اور اس سلسلہ میں لوگوں کو آگاہ اور متنبہ کرتے رہنا چاہیے۔

گوندنا لگانے والی اور لگوانے والی پر لعنت

۱۶۴۴:۔وعن ابن عمر رضی اللہ عنهما: أَنَّ رَسُولَ اللهِ -ﷺ- لَعَنَ

الوَاصِلَةَ والمُستَوصِلَةَ، والوَاشِمَةَ والمُستَوشِمَةَ. (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالوں کو جوڑنے والی اور بالوں کو جُڑوانے والی، اور گوندنا لگانے والی اور گوندنا لگوانے والی عورت پر لعنت فرمائی۔

افادات:- دیکھو! تین لفظ آتے ہیں: (۱) واصلہ (۲) مستوصلہ (۳) موصولہ

(۱) ''واصلہ'' کا معنٰی ہے کہ بالوں کو جوڑنے والی۔ اب جوڑنا عام ہے، چاہے اپنے بالوں میں کسی کے بالوں کو جوڑے، یا کسی اور عورت کے بالوں میں دوسرے بال جوڑ کر دے، یعنی جوڑنے کا کام کرے؛ یہ دونوں ''واصلہ'' کہلائے گی۔

(۲) ''موصولہ'' اس عورت کو کہتے ہیں جس کے بالوں کے ساتھ دوسرے بالوں کو جوڑا جائے، چاہے اس کی خود کی درخواست پر جوڑے جائیں، یا کسی دوسرے کے کہنے پر جوڑے جائیں۔

(۳) اگر کسی سے درخواست کر کے اپنے یا دوسری کسی عورت کے بالوں میں دوسروں کے بال جڑوائے؛ تو یہ ''مستوصلہ'' کہلائے گی۔ جیسے: ماں اپنی بیٹی کو لے کر بیوٹی پارلر والی کے پاس گئی، اور اس سے کہا کہ اِس کے بالوں میں بال جوڑ دو، تو اس صورت میں بیوٹی پارلر والی ''واصلہ'' کہلائے گی، اور بیٹی جس کے بالوں میں بال جوڑے جا رہے ہیں وہ ''موصولہ'' کہلائے گی، اور ماں ''مستوصلہ'' کہلائے گی۔

اور مؤنث کا صیغہ اس لیے لایا گیا کہ عام طور پر اُس زمانہ میں یہ کام عورتیں ہی کرتی تھی؛ لیکن آج کل تو یہ خرابی یہاں تک پہنچ گئی کہ عورتیں بیوٹی پارلروں میں جا کر نامحرم مردوں کے پاس یہ کام کرواتی ہیں۔ ایک تو یہ فعل خود حرام ہے، مزید یہ ہوا کہ

نامحرم مرد کا ہاتھ پڑ رہا ہے۔

مَیں ان پر لعنت کیوں نہ کروں؟

۱۶۴۵:- وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: لَعَنَ اللّٰهُ الوَاشِمَاتِ وَ الْمُسْتَوشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ، والْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ، فَقَالَتْ لَهُ امْرَأَةٌ فِي ذٰلِكَ فَقَالَ: وَمَا لِي لاَ أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ. وَهُوَ فِي كِتَابِ اللهِ؟ قالَ اللهُ تعالى: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

(سورۃ الحشر: ۷) (متفق علیہ)

((الْمُتَفَلِّجَةُ)) هِيَ: الَّتِي تَبْرُدُ مِنْ أَسْنَانِهَا لِيَتَبَاعَدَ بَعْضُهَا عَنْ بَعْضٍ قَلِيلاً، وَتُحَسِّنُهَا وَهُوَ الوَشْرُ. ((وَالنَّامِصَةُ)): الَّتِي تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِ حَاجِبِ غَيْرِهَا، وتُرَقِّقُهُ لِيَصِيرَ حَسَناً. ((وَالْمُتَنَمِّصَةُ)): الَّتِي تَأْمُرُ مَنْ يَفْعَلُ بِهَا ذٰلِكَ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے گوندنا لگانے والی پر، اور گوندنا لگوانے والی پر، اور اپنے بھوؤں کے بالوں کو اکھاڑنے والی پر، اورخوبصورتی ظاہر کرنے کے لیے اپنے دانتوں کے درمیان ریخیں بنوانے والی پر۔ اس طرح کر کے وہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جو شکل وصورت بنائی ہے اس کو بدل رہی ہیں۔ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: کیا آپ ایسی عورتوں پر لعنت فرمارہے ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہو، اور اس کا تذکرہ قرآنِ پاک میں بھی ہو؟ (اس عورت نے کہا: میں نے تو پورا قرآن پڑھا، مجھے تو کہیں ایسی آیت نظر نہیں آئی جس میں ان کاموں کو کرنے والی عورت پر لعنت کا تذکرہ ہو؟ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نے فرمایا: ''لَوْ قَرَأْتِيْهِ لَوَجَدْتِيْهِ'' اگر تم دھیان سے قرآنِ کریم کو پڑھتی؛ تو تم کو قرآن میں یہ مل جاتا۔ کیا تم نے قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا؟ ''مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'') اللہ کا رسول تم کو جو حکم دے اس کو لے لو، اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔

افادات:۔ گویا یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جن سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے، لہٰذا یہ قرآنِ پاک کا ہی حکم ہوا۔

بخاری شریف کی روایت میں اس پر یہ زیادتی موجود ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا تو ایک عورت نے کہا: آپ اس سے ہمیں منع فرماتے ہیں حالاں کہ آپ کے گھر والے تو ایسا کرتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: جاؤ! اندر جا کر دیکھ لو، اس کو گھر میں بھیجا، جب وہ دیکھ کر واپس آئی تو پوچھا: کیا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتی ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر وہ ایسا کرتی ہوتی تو میرے گھر میں نہیں رہ سکتی تھی۔ یعنی میں اس کو اپنی بیوی کے طور پر باقی ہی نہیں رکھتا۔

''مُتَنَمِّصَةٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی بھوؤں کی خوبصورتی کے واسطے اس کے بالوں کو اکھاڑ کر بھوؤں کو باریک لکیر کی طرح کرتی ہیں۔ ایسا کام کر کے دینے والی ''نَامِصَة'' اور جو عورت ایسا کام کروائے وہ ''مُتَنَمِّصَةٌ'' کہلائے گی۔

کم عمر بچیوں کے دانتوں کے درمیان باریک فصل ہوا کرتا ہے اور دانت پتلے بھی ہوتے ہیں، یہ چیز ان کی خوبصورتی کی علامت ہوتی ہے؛ لیکن جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے، دانتوں کا فاصلہ بھی ختم ہو جاتا ہے، بلکہ ایک دوسرے پر چڑھنے لگتے ہیں اور

دانت موٹے بھی ہونے لگتے ہیں، تو عورتیں اپنے آپ کو کم عمر ظاہر کرنے اور خوبصورتی نمایاں کرنے کے لیے دانتوں کو گھِسواتی ہیں؛ ایسی عورتوں پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ جن جن کاموں پر قرآن وحدیث میں لعنت آئی ہے وہ سب گناہ کبیرہ اور حرام ہیں۔

اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث سے جو احکام ثابت ہیں وہ قرآن ہی کے حکم میں ہیں، اسی لیے احادیث کو وحیٔ غیر متلو کہا جاتا ہے، یعنی ایسی وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔

باب النهي عن نتف الشيب من اللحية والرأس وغيرهما وعن نتف الأمرد شعر لحيته عند أول طلوعه

ڈاڑھی اور سر میں جو سفید بال ہوتے ہیں ان کو اُکھاڑنے کی ممانعت اور بے ریش لڑکے کا اپنی ڈاڑھی پر آنے والے اِکّا دُکّا بال کے اُکھاڑنے کی ممانعت

بے ریش لڑکوں کی جب نئی نئی ڈاڑھی نکلنی شروع ہوتی ہے اور ایک دو بال نکلتے ہیں تو عام طور پر وہ ان کو توڑ دیتے ہیں؛ ایسا کرنا حرام اور ممنوع ہے۔ اسی طریقہ سے سر یا ڈاڑھی میں چند بال سفید ہوتے ہیں تو ان کو نکال دیتے ہیں؛ اس سے بھی منع فرمایا ہے۔

۱۶۴۶: -عن عمرو بن شعيب عن أبيهِ عن جَدِّهِ رضي الله عنه عن النَّبِيِّ ﷺ قال: ((لَا تَنْتِفُوا الشَّيْبَ؛ فَإِنَّهُ نُورُ المُسْلِمِ يَوْمَ القِيَامَةِ))

(حديث حسن، رواه أبو داود، والترمذي والنسائي بأسانيد حسنة قال الترمذي: هو حديث حسن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفید بالوں کو مت اُکھاڑو، اس لیے کہ مسلمان کے لیے قیامت کے دن یہ نور ہوں گے۔

افادات: -آدمی اپنے نور کو اپنے ہی ہاتھوں سے کیوں کم کرے!

ایسا کام مردود ہے

۱۶۴۷:-وعن عائشة رضی اللہ عنہا، قالت: قال رسولُ اللہِ ﷺ: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہماری شریعت میں ثبوت نہیں ہے؛ تو ایسا کام مردود ہے۔

افادات:-اگر وہ کام دین سمجھ کر کرے گا تو وہ بدعت ہے، اور اگر وہ دین سمجھ کر نہیں کرتا تب بھی وہ کام قابلِ مذمت ورَد ہے۔

باب كراهة الاستنجاء باليمين

ومس الفرج باليمين من غير عذر

داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے اور شرم گاہ کو بلا عذر دائیں ہاتھ سے چھونے کی کراہت

اللہ تعالیٰ نے انسانی اعضاء میں بھی فرق رکھا ہے۔ دائیں کو جو عزت وشرف اور احترام عطا فرمایا؛ بائیں میں وہ بات نہیں ہے۔ چناں چہ جو کام ایسے ہیں جو آدمی کے لیے زینت، یا عزت وکرامت کا باعث ہیں، ان کو تو دائیں ہاتھ سے انجام دیا جاتا ہے، اور جو کام اس کے برخلاف ہیں ان کو بائیں سے انجام دیا جاتا ہے۔ اسی لیے کوئی چیز لینا دینا ہو تو دائیں ہاتھ سے لیا دیا جاتا ہے۔ مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں رکھے۔ بیت الخلاء سے نکل رہے ہیں تو دایاں پاؤں پہلے نکالا جائے۔ اور مسجد سے نکلتے وقت اور بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اس کے برعکس حکم دیا گیا۔ اور استنجاء کے لیے ہاتھ کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو دائیں کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں، بائیں سے کام چلائیں گے۔ کھانے پینے میں دایاں ہاتھ استعمال کریں گے۔ اور شرم گاہ کو بھی دائیں ہاتھ سے چھونے کی ممانعت ہے۔

۱۶۴۸:-وعن أبي قتادة-رضي الله عنه-عن النبيّ ﷺ قال:((إذا بَالَ

أَحَدُكُمْ فَلاَ يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلاَ يَسْتَنْجِ بِيَمِينِهِ، وَلاَ يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ))

(متفق علیه)

ترجمہ:۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی پیشاب کرے تو اپنی شرم گاہ کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے۔ اور دائیں ہاتھ سے استنجاء بھی نہ کرے۔ پیتے وقت برتن کے اندر سانس بھی نہ لے۔

افادات:۔ البتہ اگر کسی کا بایاں ہاتھ ہی نہیں، یا بائیں ہاتھ میں کوئی تکلیف ہے، جیسے ٹوٹ گیا ہے، یا پٹہ بندھا ہوا ہے، اس کی وجہ سے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی نوبت آئے تو گنجائش ہے۔

باب كراهة المشي في نعل واحدة أو خف واحد لغير عذر

وكراهة لبس النعل والخف قائماً لغير عذر

بلا عذر کے ایک جوتا، ایک موزہ پہن کر چلنا، یا بلا عذر جوتے اور موزے کو کھڑے کھڑے پہننا ناپسندیدہ ہے

۱۶۴۹:- عن أبي هريرة - رضى الله عنه -: أنَّ رسُولَ الله ﷺ قال: ((لاَ يَمْشِ أحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيعاً، أوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعاً)).

وفي رواية: ((أوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيعاً)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی ایک جوتا پہن کر نہ چلے، یا تو دونوں جوتے پہنے، یا دونوں نکال دے۔

افادات:- یہ حکم آداب کے قبیل سے ہے، واجبات میں سے نہیں ہے۔ ایک جوتا پہن کر چلنا وقار و سنجیدگی کے خلاف ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں توازن (Balance) بھی باقی نہیں رہتا، اور ہر وہ طریقہ جس میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ ہاں! اگر کوئی عذر ہو تو بات دوسری ہے۔

۱۶۵۰:- وعنه قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقول: ((إذا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِ أحَدِكُمْ، فَلاَ يَمْشِ فِي الأُخْرَى حَتَّى يُصْلِحَهَا)). (رواهُ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ، یا چپل کی پٹی ٹوٹ جائے تو وہ صرف ایک جوتا یا ایک چپل پہن کر نہ چلے، یہاں تک کہ دوسرے کی پٹی یا دوسرے کا تسمہ درست نہ کروالے۔

افادات:- عام طور پر ایسے ہی وقت اس طرح چلنے کی نوبت آتی ہے، ورنہ کون اس طرح چلتا ہے! یہ بھی آداب میں سے ہے۔ اور یہ نہی تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔

۱۶۵۱:- **وعن جابر - رضی الله عنه -: أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِماً.** (رواه أبو داود بإسناد حسن.)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے جوتا پہننے سے منع فرمایا۔

افادات:- بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بغیر ہاتھ لگائے وہ جوتا پاؤں میں نہیں جاتا، تو اس صورت میں جھک کر اور ٹیڑھا ہو کر رکوع جیسی شکل بنا کر جوتا نہ پہنے، اس لیے کہ ایسا کرنے کی صورت میں گر جانے کا اندیشہ ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اور اگر جوتا ہاتھ کا سہارا لیے بغیر پہنا جا سکتا ہے تو اس صورت میں بیٹھنے والا حکم نہیں ہے۔

باب النهي عن ترك النار في البيت عند النوم ونحوه سواء كانت في سراج أو غيره

سوتے وقت (یا جب ہم پورے طور پر نگرانی کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوں) آگ کو جلتا چھوڑے رکھنا منع ہے چاہے وہ چراغ کی شکل میں ہو یا اور کسی شکل میں ہو

ہماری دنیوی مصلحتوں کے متعلق رہنمائی والی روایتوں اور مختلف آداب کا سلسلہ چل رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ پہلے زمانہ میں چراغ اور دِیا سلائی ہوا کرتی تھی، مٹی کا ایک پیالہ سا کھلا ہوا ہوتا تھا جس میں تیل ڈال کر اسی کے اندر بتی (ﺑﺘﯽ) لگادی جاتی تھی، پھر دھیرے دھیرے فانوس ایجاد ہوئی اور اب تو بجلی کے قمقمے وغیرہ ایجاد ہوگئے۔ یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کھلا چراغ جلتا ہوا چھوڑ کر اگر گھر والے سوجائیں گے تو اس صورت میں آگ لگنے کا بڑا قوی امکان رہتا ہے، یا تو ویسے ہی کوئی شکل بن کر آگ پکڑ لے، یا کبھی چوہے کی کارروائی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ چوہا اس میں لگی ہوئی بتی (ﺑﺘﯽ) کو کھینچ کر لے جائے اور کسی جگہ پھینک دے جس کے نتیجہ میں آگ لگ جائے۔

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چٹائی پر تشریف فرما تھے، اسی دوران ایک چوہا چراغ کی بتی (ع ل ع ے) کو کہیں سے کھینچتا ہوا لایا اور اس چٹائی پر ڈال دیا جس کی وجہ سے اس چٹائی کا ایک روپے کے برابر حصہ جل گیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا دیکھو! شیطان کبھی اس جیسے (یعنی چوہے) کو شرارت پر آمادہ کرتا ہے اور اس جیسی حرکتیں کرواتا ہے، اس لیے سوتے وقت چراغ بجھا دیا کرو۔ (ابوداود، باب اطفاء النار باللیل)

احتیاطی تدابیر کی تاکید

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح چراغ بجھانے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اگر چولھے میں آگ جل رہی ہو تو اس کو بھی بجھا کر سونے کی تاکید فرمائی ہے، تاکہ غفلت والی حالت میں آگ لگنے کا امکان باقی نہ رہے۔ ہاں! اگر آگ ایسی شکل میں ہو کہ وہ محفوظ ہے کہ اس کو اسی حالت میں چھوڑے رکھنے کی صورت میں آگ لگنے کا امکان نہیں ہے؛ تو پھر گنجائش ہے۔ پھر بھی احتیاطی تدابیر کے طور پر تاکید کی جاتی ہے، جیسے ہمارے اِس زمانہ میں سوتے وقت گیس کے سلنڈر کو بند (Lock) کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے، تاکہ غفلت کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ گیس لیک (Leak) ہو کر کمرہ میں پھیل جائے۔ بہت سی مرتبہ حادثات رونما ہوتے ہیں اور گھر والوں کو تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ اس لیے وہ ہدایت بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ احتیاطی تدبیر کے طور پر ایسا معاملہ کر لیا جائے تاکہ امکانی نقصان کا اندیشہ ختم ہو جائے۔ دراصل نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایات اپنی امت اور پوری انسانیت کے ساتھ غایتِ شفقت و رحمت کا نتیجہ ہے کہ ہماری دنیوی مصلحتوں سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہنمائی فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے احکام جو انسانوں کی دنیوی مصلحتوں سے

تعلق رکھتے ہیں ان کو ''امرِ ارشادی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس سے ان کاموں کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اگر ہم ان پر عمل نہیں کریں گے تو ہمیں ہی نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

جب سونے لگو تو آگ کو جلتا نہ چھوڑو

۱۶۵۲:- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبیﷺ قال: ((لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ.)) (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم سونے لگو تو اپنے گھر میں آگ کو (جلتا ہوا) نہ چھوڑو (بلکہ اس کو بجھا دیا کرو)

افادات:- اگر کوئی آدمی کسی گھر میں تنہا ہی ہے تب تو اس حکم کا مخاطب براہِ راست وہی آدمی ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ اس کو بجھا کر سوئے۔ اور اگر کسی گھر میں کئی افراد رہائش اختیار کئے ہوئے ہیں، تو ظاہر ہے کہ جو آدمی اخیر میں سوئے گا اسی پر یہ حکم لاگو پڑے گا، اور اس کی ذمہ داری ہے کہ آگ کو بجھا کر سوئے۔ آج کل بجلی کے قمقمے اور ٹیوب لائٹ اور بلب وغیرہ ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے آگ لگنے کا تو اندیشہ نہیں ہے لیکن ان کو جلتا ہوا چھوڑ دینا ایک قسم کی فضول خرچی اور اسراف ہے؛ اس لیے ان کو بھی بجھا دینا اسی حکم میں داخل ہے۔ ہاں! جو نائٹ بلب ہوتا ہے اس کو جلتا ہوا چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آگ تمہاری دشمن ہے

۱۶۵۳:- وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه قال: احْتَرَقَ بَيْتٌ

بِالْمَدِينَةِ عَلَى أَهْلِهِ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا حُدِّثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِشَأْنِهِمْ، قَالَ: ((إِنَّ هٰذِهِ النَّارَ عَدُوٌّ لَكُمْ، فَإِذَا نِمْتُمْ، فَأَطْفِئُوهَا)) (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے کسی حصہ میں مدینہ منورہ کے ایک گھر میں آگ لگ گئی، دوسرے روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کے حالات بیان کیے گئے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آگ تمہاری دشمن ہے، اس لیے جب تم سونے لگو تو اس کو بجھا دیا کرو۔

افادات:- نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم امرِ ارشادی کے قبیل سے ہے جو آپ نے ہماری دنیوی مصلحت کی وجہ سے فرمایا ہے۔ یعنی ایک دشمن دوسرے دشمن کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے کہ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے دشمن کو جانی یا مالی نقصان پہنچائے، ایسے ہی آگ کے ذریعہ سے انسانوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ اس کے فوائد بھی ہیں؛ لیکن فوائد حاصل کرنے کے لیے اہتمام کرنا پڑتا ہے، تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں، جبکہ نقصان بغیر تدبیر کے بھی گلے پڑ جاتا ہے۔

النَّارُ عَدُوٌّ، لَا يَرْحَمْ

پہلی مرتبہ جب حج کے لیے جانا ہوا تھا تو وہاں جگہ جگہ بورڈ لگے ہوئے دیکھے تھے: ''النَّارُ عَدُوٌّ، لَا يَرْحَمْ'' ان لوگوں نے ایک جملہ اور بڑھا دیا۔ گویا دشمن اگر انسان ہو تو دشمن ہونے کے باوجود کبھی رحم کا معاملہ بھی کر دیتا ہے؛ لیکن آگ ایسا دشمن ہے جو کبھی بھی آپ کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کرے گا۔

بہ غایتِ شفقت نبوی ہدایات

۱۶۵۴:- وعن جابر رضی اللہ عنہ عن رسولِ اللہ ﷺ قال: ((غَطُّوا الْإِنَاءَ، وَأَوْكِئُوا السِّقَاءَ، وَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ، وَأَطْفِئُوا السِّرَاجَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَحُلُّ سِقَاءً، وَلَا يَفْتَحُ بَاباً، وَلَا يَكْشِفُ إِنَاءً، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا أَنْ يَعْرُضَ عَلَى إِنَائِهِ عُوداً وَيَذْكُرَ اسْمَ اللهِ؛ فَلْيَفْعَل، فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ بَيْتَهُمْ.)) (رواہ مسلم) ((الفُوَيْسِقَةُ)): الفَأْرَةُ. ((وَتُضْرِمُ)): تُحْرِقُ.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: برتن کو ڈھانپو، اور مشکیزہ کے منھ کو بند کرو، اور دروازوں کو بھی بند کردو، اور چراغ کو بجھا دیا کرو، اس لیے کہ جس مشکیزے کے منھ کو بسم اللہ بول کر بند کیا گیا ہے؛ شیطان اس کو نہیں کھول سکتا، اور جس گھر کا دروازہ (کھڑکی) بسم اللہ بول کر بند کی ہے؛ شیطان اس کو نہیں کھول سکتا۔ اور جس برتن کو بسم اللہ بول کر بند کیا ہے اس کو بھی شیطان نہیں کھول سکتا۔ اگر تم میں سے کسی کے پاس برتن کو ڈھانپنے کے لیے ڈھکّن نہیں ہے مگر کوئی لکڑی ہے تو وہی آڑی رکھ دے اور اس وقت اللہ کا نام لے لے (تب بھی مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چراغ کے متعلق جو ہدایت فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) چوہا کبھی گھر میں آگ لگا دیا کرتا ہے۔

افادات:- اس روایت میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غایتِ شفقت کی وجہ سے کچھ ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔

''برتن کو ڈھانپو'' اس روایت میں اس ہدایت کے ساتھ اللہ کا نام لینے کا تذکرہ نہیں ہے۔ یہاں اہلِ علم موجود ہیں جو جانتے ہیں اسی روایت میں آگے بسم اللہ کی قید بھی آ رہی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں راوی نے اگرچہ بسم اللہ کو ذکر نہیں کیا

ہے لیکن یہی ہدایت دوسری روایتوں میں ہے ان میں یہ بھی ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر برتن کو ڈھانپو۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا نام لینے سے ہر جگہ یہ فائدہ حاصل ہوگا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے وقت برتن کو ڈھانپنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے تاکہ حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں وغیرہ کے کھانے پینے کے برتن میں گرنے سے حفاظت ہو جائے، اگر کبھی چھپکلی یا کسی اور جانور کی بیٹ دودھ یا پانی میں گرگئی اور اس کو استعمال کیا گیا تو وہ آدمی کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے۔

سال بھر کی کسی ایک رات میں بلائیں اُترتی ہیں

اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سال بھر میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں بلائیں اُترتی ہیں، جو بھی برتن کھلا ہوا ہو اس میں وہ پیوست ہو جاتی ہیں، اور جس برتن کو اللہ کا نام لے کر ڈھانپا گیا ہو، اس میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس لیے اپنے برتنوں کو ڈھانپا کرو۔ اب چوں کہ وہ رات متعین نہیں ہے، اس لیے سال بھر میں کوئی بھی رات ہو سکتی ہے، لہٰذا حفاظتی تدبیر کا تقاضہ یہ ہے کہ سال بھر آدمی اپنے برتنوں کو ڈھانپنے کا اہتمام کرے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو یہ تاکید غایتِ شفقت کی وجہ سے ہے۔

مغرب کے وقت بچوں کو گھروں میں لے لو

روایتوں میں آتا ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب سورج غروب ہوتا ہے اور رات شروع ہوتی ہے تو اس وقت شیاطین زمین میں پھیلنا شروع ہوتے ہیں۔ گویا اب ان کی کارروائی اور ''Activity'' کا وقت شروع ہوا، شیاطین الانس

بھی اور شیاطین الجن بھی اپنی کارروائیاں زیادہ تر اندھیرے میں ہی کرتے ہیں۔اس لیے اگر تمہارے بچے باہر کھیل رہے ہوں تو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے ان کو گھر میں بلالو، جب رات کچھ پھیل جائے اور اندھیرا چھا جائے اس کے بعد کوئی حرج کی بات نہیں۔علماء نے لکھا ہے کہ شیاطین جب اپنی شرارتوں کو پھیلانے کے لیے باہر نکلتے ہیں تو اگر کبھی کسی بچے پر گزر ہو گیا تو اس پر ان کا اثر ہو جاتا ہے، اور عام طور پر بچے نجاست کا شکار ہوتے ہیں، پیشاب پائخانہ، پاکی ناپاکی کا ان کو خیال نہیں ہوتا، اور شیاطین سے حفاظت کے لیے جو اذکار و دعائیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو سکھائی ہیں ان دعاؤں کا بھی چھوٹے بچے ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سے اہتمام نہیں ہوتا، اس لیے ان پر شیطانی اثرات کا زیادہ امکان رہتا ہے، اس لیے اس وقت خاص طور پر بچوں کی حفاظت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔لیکن آپ دیکھیں گے ہمارے یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے، ایسا بچہ جو عام طور پر گھر سے باہر نہیں نکلتا وہ بھی خاص اسی وقت باہر نکلتا ہے اور گھر والے بھی اس کو گھر میں رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے۔اس لیے عورتوں اور مردوں کو چاہیے کہ بچوں کو اس وقت گھر میں رکھنے کا بہت ہی زیادہ اہتمام کریں۔

شیطانی تہذیب سے بچنے کی راہ: اسلامی تعلیم وتربیت

میں نے اپنے گھر میں اپنے والد صاحب مرحوم کو دیکھا کہ وہ اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔مغرب سے پہلے ہی بچوں کو گھر میں بلا لیا کرتے تھے۔پرانے زمانہ میں گھروں میں اس چیز کی خاص تاکید رہا کرتی تھی؛ لیکن اب یہ ساری اسلامی تعلیمات جو ہمارے سماج و معاشرہ میں عملی شکل میں موجود تھیں، دھیرے دھیرے ختم ہو رہی ہیں، اور والدین و اولیاء کی طرف سے اپنے چھوٹوں کو سمجھانے اور ان کی تربیت اور ان

چیزوں کی طرف متوجہ کرنے کا وہ اہتمام جو پرانے لوگوں میں تھا؛ باقی نہیں رہا، اس لیے ان کی جگہ پر غلط چیزیں پنپ رہی ہیں۔ ایک تو اسلامی تعلیمات باقی نہیں رہی، دوسرے اسلامی تربیت کا اہتمام نہیں رہا، اور پھر ٹی وی اور اب تو انٹرنیٹ نے معاملہ کو اور زیادہ خراب کر دیا جس کے نتیجہ میں شیطانی تہذیب معاشرہ وسماج میں پھیل رہی ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے ان چیزوں کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے۔

جان، مال کی حفاظت کا آسان نسخہ

''مشکیزہ کے منھ کو بند کرو'' اس زمانہ میں پانی رکھنے کے لیے مٹکے وغیرہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ چمڑے کے بنے ہوئے چھوٹے بڑے مشکیزے ہوا کرتے تھے، ان کو لٹکا دیا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے منھ کو بسم اللہ پڑھ کر بند کر دیا کرو۔

''دروازوں کو بند کر دو'' اس کو بھی بسم اللہ پڑھ کر بند کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے اس سے آدمی کی جان کی حفاظت رہتی ہے اور مال کی بھی حفاظت رہتی ہے۔ اسی طرح کھڑکیاں بھی بند کی جائیں تو بسم اللہ بول کر بند کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ویسے تو شیطان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت دے رکھی ہے؛ لیکن یہ بھی قدرت کا نظام ہے کہ اگر آپ بسم اللہ پڑھ کر گھر کے دروازے کو بند کریں گے تو اس دروازے سے شیطان داخل نہیں ہوسکتا، اس دروازے کو کھولنے کی شیطان میں طاقت ہی نہیں۔ اسی طرح جس برتن کو بسم اللہ بول کر ڈھانپا جائے گا اس کو بھی وہ نہیں کھول سکتا۔ کمرے کی الماری کو بسم اللہ بول کر بند کریں گے تو اس کو وہ نہیں کھول سکے گا۔ کتنا آسان نسخہ ہے!

دو واقعات

ہمارے حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے خود کئی مرتبہ یہ قصہ سنا کہ: ایک مرتبہ رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے ایک چھوٹے سے بچے کو دیکھا کہ اس نے نعمت خانہ (جس الماری میں کھانے پینے کا سامان رکھا جاتا ہے اُس زمانہ میں فریج تو ہوتے نہیں تھے) کا دروازہ کھولا اور اندر سے کھانے کی چیز نکال کر کھائی۔ دراصل وہ جن تھا، اور شیطان بھی جنات ہی کی قوم میں سے ہے، اور عام طور پر لفظ شیطان بول کر اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر بسم اللہ بول کر ان چیزوں کا اہتمام کیا جائے تو ایسی چیزوں سے حفاظت رہتی ہے۔

ایک ہمارے جاننے والے ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ مجھے بتلایا کہ گھر میں بڑی پریشانی رہتی تھی، لیکن جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کا اہتمام کیا کہ بسم اللہ بول کر گھر کا دروازہ بند کرنا شروع کیا؛ اس پریشانی سے نجات ملی۔ بعد میں کچھ عمل پڑھا تو معلوم ہوا کہ ایک جن تھا جو گھر میں آیا کرتا تھا، اور اس جن نے خود بتلایا کہ جس روز سے تم نے بسم اللہ بول کر گھر کا دروازہ بند کرنا شروع کیا، اس دن سے اندر داخل ہونے کی ہماری ہمت نہیں ہوتی۔

گھروں میں اس بات کا ماحول بناؤ

پرانے زمانے میں عورتیں اگرچہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہوتی تھیں؛ لیکن ان کی عادت ہوا کرتی تھی کہ کوئی ڈبہ اُٹھاتیں، مثلاً آٹے کا ڈبہ کھولتیں، یا کوئی بھی کام کرنے جاتیں تو پہلے بسم اللہ بولنے کا اہتمام کرتی تھیں، اور آج کل پڑھی لکھی لڑکیاں ہوتی ہیں،

لیکن تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کا اہتمام نہیں کرتیں۔ اگر شروع سے صحیح طور پر ان کی تربیت کی جائے اور باقاعدہ ان کو ان کے بولنے کی عادت ڈلوائی جائے تو پھر وہ بھی عادی ہوجائیں گی۔ اور پہلے زمانہ میں بڑی عورتیں ان اذکار کو موقعہ بموقعہ زور سے بولتی تھیں، اس کی وجہ سے چھوٹوں کو سیکھنے کا موقعہ ملتا تھا۔ لہٰذا اپنے گھروں میں اس ماحول کو عام کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ چھوٹے بڑے ان چیزوں کے عادی ہوں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ التَّكَلُّفِ

وهو فعل وقول ما لا مصلحة فيه بمشقة

تکلّف کی ممانعت کا بیان

یعنی ایسا کوئی کام یا کوئی بات جس میں دینی یا دنیوی کوئی مصلحت نہ ہو؛ پھر بھی بلا وجہ مشقت اُٹھا کر ان کو کرنا

تکلّف کا سیدھا سادہ مطلب ہے ''بناوٹ کرنا''۔ آدمی کے دل میں جتنی سچائی اور سادگی ہوتی ہے، اتنا ہی وہ اپنے آپ کو بناوٹوں سے باز رکھتا ہے، اور اس میں جتنی کمی ہوتی ہے اتنی ہی وہ اپنی ہر چیز میں (بولنے میں، اپنی حرکت وسکون میں، لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں) بناوٹ کرتا ہے۔ بعض لوگ تو بولنے میں ایسی بناوٹ کرتے ہیں کہ ہر چھوٹا بڑا اس کو محسوس کرتا ہے۔ بناوٹ کا مطلب دھوکہ بازی نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی جو کہہ رہا ہے وہ بہ تکلّف کہہ رہا ہے۔ ایک تو آدمی کی طبیعت کا تقاضہ ہوتا ہے، جیسے مجھے آپ سے محبت ہے، اور میں یہ کہوں کہ بہت اچھا ہوا کہ آپ تشریف لائے، آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ اب اگر میں نے یہ جملے سچائی کے ساتھ کہے ہیں، تو اس کا اثر سامنے والے پر ضرور ہوگا، اور وہ بھی اس کو محسوس کرے گا۔

''از دِل خیزد بر دِل ریزد''

بات دل سے جو نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے ❖ پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اور اگر بناوٹ ہوگی تو چاہے آپ اس کے دماغ میں بھرنے کی کوشش کریں لیکن وہ اس کی کلّی کر دے گا، اس کی طبیعت قبول ہی نہیں کرے گی، وہ سمجھ جائے گا کہ یہ سب بناوٹ کر رہا ہے، اور تکلّف کا معنیٰ بھی یہی ہے۔

حالاں کہ شریعت آپ کو اس بات کا مکلّف ہی نہیں کرتی کہ آپ بلا وجہ ایسی باتیں کریں۔ اگر آپ کے دل میں ایسی بات نہیں ہے، پھر بھی زبان سے ایسا ظاہر کرنا غلط طریقہ ہے۔ اس کو شریعت پسند نہیں کرتی۔ جو دل میں ہو وہی بولو۔

حضراتِ صحابہ کی شان

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت ہے جس میں انہوں نے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بیان کی ہے، اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے: ''أَقَلُّهُمْ تَكَلُّفًا'' حضراتِ صحابہ لوگوں میں سب سے کم تکلّف والے تھے، یعنی ان کی طبیعتوں میں بناوٹ تھی ہی نہیں۔ آدمی کی طبیعت میں بھی جتنی سادگی اور سچائی ہوتی ہے اتنا ہی وہ بناوٹ سے دور ہوتا ہے، اسی لیے آپ دیہات کے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے وہ بالکل سادہ مزاج ہوتے ہیں۔ اب تو وہاں بھی بہت کچھ بناوٹیں آ گئی ہیں؛ لیکن دور دراز کے بہت سے علاقے آج بھی ایسے ماحول و مزاج سے بچے ہوئے ہیں، ان کے دلوں میں جو ہوتا ہے وہی زبان سے ظاہر کر دیا کرتے ہیں۔ اس باب کو لا کر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ ہر ایسا طرز اختیار کرنا - چاہے قولی ہو، یا عملی - جس میں بناوٹ ہو؛ اس کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

مَیں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں

باری تعالیٰ نے حضراتِ انبیاء کی شان بیان فرمائی ہے: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ. (ص: ۸۶)﴾ اے نبی! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کے جو احکام تم تک پہنچا تا ہوں اس پر کوئی معاوضہ اور اجر نہیں مانگتا، اور میں تکلّف اور بناوٹ کرنے والوں میں سے بھی نہیں ہوں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں وہ اپنی طرف سے بناوٹ کر کے کہہ رہا ہوں کہ یہ ہدایات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے نہیں ملیں؛ پھر بھی میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں۔ بلکہ میں جو کچھ بھی تمہارے سامنے پیش کررہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے دیا گیا ہے، اور مجھے پابند کیا گیا ہے کہ میں ان چیزوں کو تم تک پہنچاؤں۔

تکلّف و بناوٹ سے منع کیا گیا

۱۶۵۵:- وعن عمر رضی اللہ عنہ قال: نُهِيْنَا عَنِ التَّكَلُّفِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں تکلّف اور بناوٹ سے منع کیا گیا۔

افادات:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ اس موقعہ کا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں سورۂ عبس کی تفسیر کے سلسلہ میں ﴿وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا﴾ کا تذکرہ آیا تو انہوں نے فرمایا: ''فَاكِهَةٌ'' (میوہ) کو تو ہم جانتے ہیں؛ لیکن یہ ''أَبًّا'' کیا چیز ہے؟ پھر فرمایا: اس کو اسی حال پر باقی رہنے دو، ''نُهِيْنَا عَنِ التَّكَلُّفِ'' کسی بھی چیز میں تکلّف کرنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

آدمی کی طبیعت میں کسی کام کی صلاحیت موجود نہ ہو، پھر بھی وہ اس کا اظہار کرنے کی کوشش کرے کہ مجھ میں یہ صلاحیت موجود ہے، تو اس کی اجازت نہیں ہے، مثلاً: بعض علمی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے آدمی کی طبیعت میں صلاحیت موجود نہیں ہوتی، پھر بھی وہ اس کا اظہار کرنا چاہتا ہو تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ عام طور پر ہمارے محاورہ میں بولا جاتا ہے کہ ''بہت پُرتکلّف دعوت کی'' یعنی میزبان کے اندر جس دعوت کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں تھی، پھر بھی اس نے اپنی طاقت سے زیادہ کا بوجھ اُٹھالیا، اسی کو ''پُرتکلّف'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بناوٹ ہی ہوئی نا! اگر حقیقت ہوتی تو جتنی حیثیت ہوتی اسی کے مطابق دعوت کرتا۔

اگر قناعت ہوتی تو مجھے اپنا لوٹا بیچنا نہ پڑتا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں ایک مہمان آیا، اس کی میزبانی کے لیے سوکھی روٹی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا، انہوں نے اپنا لوٹا بیچا اور اس کے لیے کھانے کا انتظام کیا، جب مہمان صاحب کھانے سے فارغ ہوئے تو دعا کرنے لگے کہ: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں جو کچھ موجود تھا اس پر قناعت کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنے لگے: اگر قناعت ہوتی تو مجھے اپنا لوٹا بیچنا نہ پڑتا۔

لاعلمی کا اظہار کر دینا علم کا تقاضہ ہے

۱۶۵۶:-وعن مسروقٍ قال دَخَلْنَا علىٰ عبدِاللهِ بْنِ مَسعُودٍ رضی اللہ عنہ فقال: يا أَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ عَلِمَ شَيْئاً فَلْيَقُلْ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ، فَلْيَقُلْ: اللهُ أَعْلَمُ، فَإِنَّ مِنَ العِلْمِ أَنْ يَقُولَ لِمَا لاَ يَعْلَمُ: اللهُ أَعْلَمُ. قَالَ اللهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: قُلْ

مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ مع تشریح:۔حضرت مسروق بن اَجدع (جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں، وہ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اس وقت ان کے سامنے کسی واعظ کا قصہ نقل کیا کہ وہ اپنی تقریر میں کہہ رہا تھا کہ قیامت سے پہلے ایک دھواں نمودار ہوگا، گویا سورۂ دخان کی اس آیت: ''يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ'' میں جس دھویں کا تذکرہ ہے، اس سے اس نے اسی کو مراد لیا) اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (غصہ ہوگئے، اور) فرمایا: اے لوگو! آدمی جو کچھ جانتا ہو وہی بولے، اور جو آدمی کسی چیز کے بارے میں نہ جانتا ہو تو پھر (بناوٹ کرنے کی اور اپنے آپ کو جاننے والا ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صاف صاف) کہہ دے: اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں۔ اس لیے کہ جس چیز کو آپ نہیں جانتے اس کے جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہی علم کا تقاضہ ہے۔ (جو حقیقی معنیٰ میں عالم ہوگا وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے میں ذرّہ برابر بھی شرم محسوس نہیں کرے گا) خود اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ فرمایا: اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات جو تم تک پہنچاتا ہوں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، اور میں تکلّف و بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (یعنی کوئی چیز نہ جانتے ہوئے بھی اپنی طرف سے باتیں بنانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی حال تھا۔)

مفتی کے لیے پہلا ادب

افادات:۔ہمارے یہاں افتاء میں مفتی بننے والوں کو جو آداب سکھائے جاتے ہیں، ان میں نمبر اول پر یہ بات بڑے اہتمام سے بتائی جاتی ہے کہ جو چیز آپ کو

معلوم نہ ہو اس کے متعلق صاف کہہ دو کہ میں نہیں جانتا۔ آپ کے یہ جملہ ''میں نہیں جانتا'' کہنے کی وجہ سے آپ کے وقار اور قدر و قیمت میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے۔

ہمارے یہاں افتاء کرنے والے طلبہ سے میں پہلے ہی کہا کرتا ہوں کہ جس ذات کو (یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے زیادہ علم دیا گیا تھا ان کی طرف سے بھی کبھی یہ جواب دیا جاتا تھا: ''لا اَدری'' ''میں نہیں جانتا؛ تو پھر ہما شما کا کیا ذکر ہو سکتا ہے! روایتوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''أُوْتِيْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ'' اگلوں اور پچھلوں کا سارا علم مجھے دیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لاعلمی ظاہر کرنا

ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: ''أَيُّ الْبِقَاعِ أَفْضَلُ ؟'' زمین کا کونسا خطہ سب سے بہتر ہے؟ اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں جانتا، جب جبرئیل آئیں گے تو میں ان سے پوچھوں گا۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا، انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ چناں چہ وہ گئے پھر آ کر کہا: آج تو میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوا جتنا آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، اور میں نے باری تعالیٰ سے پوچھا تو باری تعالیٰ نے فرمایا: ''خَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا'' زمین کے بہترین خطے مسجدیں ہیں۔

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں آئے اور کچھ سوالات کیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جوابات دیے، لیکن اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ نہیں چلا کہ سوال کرنے والے حضرت جبریل علیہ السلام

ہیں، ان کے اس مجلس سے اُٹھ کر چلے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا۔ خیر! وہ اجنبی آدمی کی شکل میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آکر بیٹھ گئے اور سوالات کئے، ان میں ایک سوال یہ بھی کیا تھا: ''مَتَی السَّاعَةُ؟'' قیامت کب ہے؟ اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ'' جس سے پوچھا گیا، وہ پوچھنے والے سے زیادہ جانتا نہیں ہے۔ یعنی جیسے تم نہیں جانتے کہ قیامت کب ہے، ویسے ہی میں بھی نہیں جانتا۔ اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس آدمی سے کہا کہ جو چیز نہیں جانتے تو پھر کہہ دو کہ میں نہیں جانتا۔

آج کل ہمارے طبقۂ علماء میں بھی یہ چیز مصیبت کے طور پر آگئی ہے کہ بعض مرتبہ مسئلہ پورا معلوم نہیں ہوتا پھر بھی اٹکل اور اندازے سے بتانے کی کوشش کرتے ہیں، حالاں کہ اس پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کئی سوالات کئے، ہر سوال کے جواب میں امام مالکؒ نے یہی ارشاد فرمایا: ''لَا أَدْرِیْ'' تو وہ کہنے لگا کہ میں لوگوں سے جاکر کیا کہوں؟ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان سے کہہ دینا کہ مالک نے ہر سوال کے جواب میں ''لَا أَدْرِیْ'' کہا۔

بَاب تَحْرِيمِ النِّيَاحَةِ عَلٰى الْمَيِّتِ وَلَطْمِ الْخَدِّ وَشَقِّ الْجَيْبِ وَنَتْفِ الشَّعْرِ وَحَلْقِهِ وَالدُّعَآءِ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ

مرنے والے کے اوپر رونا چلّانا، گالوں کو طمانچے مارنا، گریبان پھاڑنا، بالوں کو نوچنا، بالوں کو منڈانا اور کسی کی موت پر اپنے لیے ہلاکت وموت کی بددعا کرنا حرام ہے

زمانۂ جاہلیت میں یہ سب چیزیں بہت عام تھیں کہ جب کسی کا انتقال ہوجاتا تو عام طور پر عورتیں بہت اہتمام سے لَے سے آواز نکال کر روتی تھیں۔ آج کل بھی پرانے طرز کے علاقوں میں ایسا ہوتا ہے اور جن لوگوں نے ایسے منظر دیکھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کسی کے یہاں میّت ہوجاتی تو عورتیں باقاعدہ ان کے گھر پر رونے کے لیے جاتی تھیں۔ اور جب کسی دوسری بستی سے آرہی ہوتی ہیں تو عجیب معاملہ ہوتا ہے کہ آپس میں باتیں کرتی ہوئی آرہی ہوتی ہیں اور جہاں اس محلے کا نکّڑ آجاتا ہے کہ ایک دم

سے چلّانا شروع کردیتی ہیں، اگر ان کے ساتھ چھوٹا بچہ ہوتا ہے تو وہ بھی ایک دم سے چونک کر رونا شروع کردیتا ہے؛ یہ سب بالکل بناوٹ ہوتی ہے۔ اور اس میں بھی گھوم گھوم کر روتی ہیں اور سینہ کوٹتی ہیں، اور اپنے گالوں پر طمانچے مارتی ہیں، بال بکھیر دیتی ہیں، کپڑے پھاڑ دیا کرتی ہیں، اور بالوں کو منڈا دیا کرتی ہیں، اور کبھی اپنے لیے بھی موت مانگتی ہیں کہ اس کی جگہ پر مَیں کیوں نہیں مرگئی؛ اسی کو نوحہ کہتے ہیں۔ درحقیقت اس میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر ایک طرح کی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے اس کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ احادیث میں اس پر بڑی سخت وعیدات آئی ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب میں ان چیزوں کا عام رواج تھا، لیکن چوں کہ ہمارے معاشرہ میں اس کا رواج نہیں ہے اس لیے ہمیں اس کا اندازہ نہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں اس سلسلہ کی روایتوں کو پیش کرتے ہیں۔

نوحہ کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے

۱۶۵۷:- عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ:
اَلْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ: مَا نِيحَ عَلَيْهِ. (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مرنے والے کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس چیز کی وجہ سے جس کی وجہ سے اس پر رویا جاتا ہے۔

افادات:- ایک روایت بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں ہے: ’’اِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهٖ بِبُكَآءِ أَهْلِهٖ عَلَيْهِ‘‘ میت کو اس کی قبر میں اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔

ایک اشکال

اب یہ اشکال ہوتا ہے کہ گھر والے روئیں تو اس کی وجہ سے میت کو کیوں عذاب ہو؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں اسلام نے کچھ اصول وضوابط بتلائے ہیں، قرآنِ پاک میں ہے: ''لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرىٰ '' کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ مثلاً: کوئی گناہ اگر آپ نے کیا ہے تو اس کی سزا میں نہیں بھگتوں گا، اور اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو اس کی سزا آپ کو نہیں بھگتنی ہے۔ جب قرآنِ پاک نے یہ اصول بتلا دیا تو پھر یہاں یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ میت کو اس کی قبر میں اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے؛ یہ چیز بظاہر قرآنِ پاک کی اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے؟

پہلا جواب

چناں چہ بخاری ومسلم اور دوسری کتبِ حدیث میں روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب یہ روایت نقل کی کہ میت کو اس کی قبر میں اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے، تو یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کی گئی۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن عمر) نے غلط نہیں کہا؛ لیکن ان کو ذرا سہو ہو گیا ہے۔ بات دراصل یہ تھی کہ ایک یہودی کا انتقال ہو گیا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مرنے والے کو اس کے گھر والوں کے رونے کے باوجود عذاب ہو رہا ہے۔ اس روایت میں ''بِبُكَاءِ أَهْلِهٖ'' میں لفظ ''باء'' آیا ہے، اور یہاں اہلِ علم موجود ہیں جو جانتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ''باء'' کو ''مع'' کے معنیٰ

میں لیا ہے، ''مَعَ بُكَآءِ أَهْلِهٖ'' اب ترجمہ یہ ہوگا: گھر والوں کے رونے کے باوجود۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتلانا چاہتے تھے کہ گھر والے رو رہے ہیں لیکن ان کے رونے سے اس کو کیا فائدہ ہوا، ان کے رونے کے باوجود اس کو اپنے گناہوں کی وجہ سے جو سزا ہو رہی ہے اس کا سلسلہ جاری ہے۔ اگر آپ کسی کے لیے روتے ہوں اور آپ کے رونے کی وجہ سے اس کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو؛ تو کوئی بات بھی ہے! لیکن یہاں تو آپ کے رونے کی وجہ سے اس کی سزا میں ذرّہ برابر کمی نہیں آتی۔ گویا اس کو عذاب ان رونے والوں کے رونے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ عذاب تو اس کی بدعملی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب

یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد- کہ گھر والوں کے رونے کی وجہ سے مرنے والے کو عذاب ہوتا ہے- صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی نہیں، بلکہ بہت سارے صحابہ سے منقول ہے، اس لیے حضراتِ محدثین نے دونوں روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں کا مطلب بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ چناں چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجنائز میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگر مرنے والا بھی ایسا ہی کرتا تھا (یعنی وہ بھی مرنے والوں پر رویا کرتا تھا) تو اس کو سزا ہوگی۔ گویا اسی نے یہ سلسلہ جاری کیا اور اب اس کے گھر والے اسی کی عملی تعلیم کی وجہ سے رو رہے ہیں، گویا اس کے گھر والوں کے رونے کا سبب یہ خود ہی بنا اس وجہ سے اس کو سزا ہوگی۔ اس لیے کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے: ''مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا'' جس آدمی نے کوئی غلط طریقہ جاری کیا تو اس کی سزا اس کو بھگتنی پڑے گی، اور آئندہ اس غلط طریقہ پر جتنے لوگ چلیں گے اس کا عذاب بھی اس کو بھگتنا پڑے

گا۔ یہاں بھی اس نے اپنے عملی طریقہ سے اپنے گھر والوں کی غلط تربیت کی تھی اور آج اس کے گھر والے اس لیے رو رہے ہیں کہ وہ خود بھی ایسا ہی کرتا تھا تو گھر والوں کا رونا اس کے رونے کی وجہ سے ہے؛ اس لیے اس کو عذاب ہوگا۔

تیسرا مطلب

اور بعض حضراتِ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جبکہ اس نے ایسی وصیت کی ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ باقاعدہ اس بات کی وصیت کیا کرتے تھے، آج بھی بعض جگہوں پر ایسی وصیت کی جاتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد خوب رونا، تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ فلاں کا انتقال ہوا ہے۔

چوتھا مطلب

بعضوں نے کہا کہ: گھر والوں کے مزاج، ان کی طبیعت اور ان کے درمیان زندگی گزارنے کی وجہ سے اس کو یقین اور اندازہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد وہ لوگ زور زور سے روئیں گے، شکوے شکایتیں کریں گے تو پھر اس کی ذمہ داری ہوجاتی ہے کہ پہلے سے تاکید کردے کہ میرے مرنے کے بعد رونا مت۔ اب یہ جانتے ہوئے بھی اس نے تاکید نہیں کی تو اس صورت میں اس کو عذاب ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ باقی اگر اس نے تو اس بات کی تاکید کی تھی کہ رونا مت، اس کے باوجود گھر والے رو رہے ہیں، تو اس کے ساتھ عذاب کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔

روایتِ مذکورہ بالا کا مطلب

یہاں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ''بِبُكَاءِ أَهْلِهِ'' والی روایتیں لائے ہی نہیں، بلکہ

''بِمَا نِیحَ عَلَیْہِ'' والی روایت لائے ہیں، اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ رونے والے اس کی جن خوبیوں کا تذکرہ کرکے روتے ہیں، انہیں کے ذریعہ سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔

زمانۂ جاہلیت میں بعض ایسے کام جو حقیقت میں تو گناہ کے کام ہوتے تھے لیکن ان کو وہ لوگ خوبی کے کام سمجھتے تھے، اور انہیں کو بیان کرکے رویا جاتا تھا، جیسے: ایک آدمی اپنے قبیلے کا سردار تھا، اور اپنی سرداری کی وجہ سے قبیلہ والوں پر ظلم ڈھایا کرتا تھا، اب اس کے مرنے کے بعد رونے والیاں یہ کہتے ہوئے رو رہی ہیں کہ ''ارے تیرا تو ایسا رعب و دبدبہ تھا کہ کس کی ہمت تھی جو تیرے سامنے بولے، جس کو چاہے تو مار دیتا تھا۔ اب یہ کوئی اچھی بات تھوڑے ہی تھی، بلکہ یہ تو ظلم تھا؛ لیکن وہ عورتیں اسی کو خوبی سمجھ کر بیان کرتی تھی۔

اسی طرح کوئی آدمی اپنی بہادری وقوت کو غلط کاموں میں اور ظلم وستم میں استعمال کرتا تھا، اس کے مرنے کے بعد رونے والیاں یوں کہتے ہوئے روئیں کہ تو ایسی ہمت والا تھا کہ کسی کو دو گالیاں دیدے، اور کسی کو دو طمانچے مار دے، کسی کی زمین چھین لے؛ تو کون تھا جو تجھے جواب دے سکے، اور کس کے اندر ہمت تھی کہ تیرا مقابلہ کرسکے۔ تو اب گالیاں دینا اور طمانچے مارنا اور کسی کی زمین چھین لینا کوئی نیکی کا کام تھوڑا ہی تھا! لیکن وہ اس کو خوبی کے طور پر بیان کررہی ہیں۔

یا کوئی آدمی پیسے والا تھا اور اپنے پیسوں کو غلط جگہوں پر استعمال کرتا تھا، اب اسی بات کو وہ خوبی کے طور پر بیان کرتے ہوئے روئیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جن چیزوں کو وہ خوبی کے طور پر بیان کرکے رو رہی ہیں، انہیں چیزوں پر تو اس کو

عذاب ہورہا ہے۔ ''بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ '' کا یہی مطلب ہے۔

اور بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رونے والی عورتیں کبھی یوں کہا کرتی تھیں: ''وَاجَبَلَاهُ، وَا كَرْبَاهُ، وَانَاصِرَاهُ'' ہائے میرا پہاڑ، ہائے میری جائے پناہ ہائے میرا مددگار۔ تو فرشتے اس کو وہی الفاظ کہتے ہوئے عذاب دیتے ہیں۔ چناں چہ آگے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی روایت آئے گی کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو انصار میں سے ہیں اور غزوۂ موتہ کے موقعہ پر شہید ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ وہ بہت سخت بیمار ہوئے، بے ہوش ہو گئے اور سب کو یہ اندیشہ ہوا کہ اسی بیماری میں موت ہو جائے گی، تو ان کی بہن عَمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا یہ کہتے ہوئے ''وَاجَبَلَاهُ، وَا كَرْبَاهُ'' رونے لگیں، جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہوش میں آئے تو اپنی بہن سے کہنے لگے: اس وقت دو فرشتے میرے پاس لوہے کا گُرز لے کر کھڑے تھے، جب تو کہتی تھی: ''وَاجَبَلَاهُ'' تو وہ فرشتے مجھ سے پوچھتے تھے کہ: ہیں! تو ایسا ہے؟ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو وہ لوہے کے گُرز سے میری خبر لے لیتے۔

وہ ہم میں سے نہیں

۱۶۵۸:- وعن ابن مسعود رضي الله عنه- قال: قال رسولُ الله- صلى الله عليه وسلم-: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے گالوں پر طمانچے مارے، اور اپنے گریبانوں کو پھاڑا، اور زمانۂ جاہلیت میں جیسی باتیں کہی جاتی تھی ویسی باتیں اپنی زبان سے کہیں؛ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

مَیں اس سے بری ہوں

۱۶۵۹:-وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: وَجِعَ أَبو مُوسَى، فَغُشِيَ عَلَيْهِ وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ، فَأَقْبَلَتْ تَصِيحُ بِرَنَّةٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهَا شَيْئاً، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: أَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ بَرِئَ مِنْهُ رَسُولُ اللهِ -ﷺ- إِنَّ رَسُولَ اللهِ -ﷺ- بَرِيءٌ مِنَ الصَّالِقَةِ، والحَالِقَةِ، والشَّاقَّةِ. (متفق عليه)

((الصَّالِقَةُ)): الَّتِي تَرْفَعُ صَوْتَهَا بِالنِّيَاحَةِ والنَّدْبِ. ((وَالحَالِقَةُ)): الَّتِي تَحْلِقُ رَأْسَهَا عِنْدَ المُصِيبَةِ. ((وَالشَّاقَّةُ)): الَّتي تَشُقُّ ثَوْبَهَا.

ترجمہ:- حضرت ابو بردہ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے) فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، اسی بیماری میں ان پر بے ہوشی کا دورہ پڑا (اور یہ اندیشہ ہوا کہ اسی بیماری میں ان کی موت ہو جائے گی) اس وقت ان کا سر ان کی بیوی کی گود میں تھا (ان کی یہ کیفیت دیکھ کر) وہ عورت ایک مخصوص لہجہ کے ساتھ رونے لگی (چوں کہ ان پر تو نیم بے ہوشی کی حالت طاری تھی، اس لیے اس بات کا احساس تو تھا کہ یہ عورت رو رہی ہے، لیکن اپنی نیم بے ہوشی کی وجہ سے اس کو کچھ کہہ نہیں سکتے تھے) تو اس حالت میں اس کو روک نہیں سکتے تھے (اس لیے اس کی تردید نہیں کر سکے، لیکن) جب پورے طور پر ہوش میں آ گئے تو انہوں نے کہا: جس سے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براءت ظاہر فرمائی، اس سے میں بھی بری ہوں، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''صَالِقَه'' اور ''حَالِقَه'' اور ''شَاقَّه'' سے بری ہیں۔

افادات:- رونے والیوں کی جو مخصوص لے اور لہجہ ہوتا ہے اس کے مطابق رونے کو ''رَنَّةٌ'' کہتے ہیں۔

''صَالِقَه'' رونے والی جو مرنے والے پر اپنی آواز کو مخصوص انداز میں بلند کرتی ہے۔

''حَالِقَه'' جو عورت مرنے والے کی موت پر اپنے سر کے بال منڈوا دیتی ہے۔ اس زمانہ میں عورت اپنے عزیز قریب، شوہر وغیرہ کی موت پر ترکِ زینت میں اپنے سر کے بال منڈوا دیتی تھی۔ ''شَاقَّه'' وہ عورت جو اپنے کپڑوں کو پھاڑ دے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی مرنے والے کی موت پر نوحہ کرتے ہوئے اور غم کا اظہار کرتے ہوئے زور زور سے رونا، اپنے بالوں کو مونڈ دینا، اپنے کپڑوں کو پھاڑنا؛ اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی براءت کا اعلان فرمایا کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی مرد اگر ایسے کام کرے تو اس کے لیے یہ وعید نہیں ہے، لیکن چوں کہ عام طور پر ایسی حرکتیں عورتیں ہی کیا کرتی ہیں، اس لیے ان کا تذکرہ آیا، ورنہ اگر ایسی حرکت کوئی مرد بھی کرے گا تو اس کے لیے بھی یہی وعید ہے۔

انہیں کرتوتوں کی وجہ سے عذاب ہوگا

۱۶۶۰:- وعن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه قال: سمعتُ رسُولَ اللهِ ﷺ يقولُ: ((مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)). (متفق علیه)

ترجمہ:- حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی پر نوحہ کیا گیا (یعنی اس کی موت پر عورتیں اس کے کرتوتوں کو خوبیاں سمجھ کر گنوا کر روئیں) تو قیامت کے روز اس کو انہیں کرتوتوں کی وجہ سے عذاب ہوگا۔

افادات:- میں حدیث نمبر:۱۶۵۷ کے ذیل میں بتلا چکا ہوں کہ بہت سی مرتبہ عورتیں مرنے والے کے ان کرتوتوں کا تذکرہ کرتی تھیں جن کو وہ اپنے خیال

اور زعم میں مرنے والے کے کمالات سمجھتی تھیں، اور حقیقت میں وہ کمال وخوبی نہیں ہوتی۔ اوپر تفصیل گزر چکی ہے۔

ہم نوحہ نہ کریں گی

۱۶۶۱:- وعن أُمِّ عَطِيَّةَ نُسَيْبَةَ - بِضَمِّ النون وفتحها - رضی الله عنها قالت: أخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ -ﷺ- عِندَ البَيْعَةِ أنْ لاَ نَنُوحَ. (متفق علیه)

ترجمہ:- حضرت ام عطیہ ؓ (جن کا نام نُسَیبہ ہے۔) فرماتی ہیں کہ جب ہم نے نبیٔ کریم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی تو اس وقت آپ ﷺ نے ہم سے جن چیزوں کا وعدہ لیا اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ہم مرنے والوں کی موت پر نوحہ نہ کریں گی۔

افادات:- چوں کہ عام طور پر عورتیں ایسا کرتی تھی، اس لیے نبیٔ کریم ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے وقت خاص طور پر نوحہ کا تذکرہ بھی فرماتے تھے۔ بیعتِ توبہ میں انہیں چیزوں کو گنوایا جاتا ہے جن کا عام طور پر ارتکاب کیا جاتا ہو۔

فرشتے کہتے ہیں: تو ایسا ہے؟

۱۶۶۲:- وعن النعمان بن بشير - رضی الله عنهما - قال: أُغْمِيَ عَلَى عَبدِاللهِ بْنِ رَوَاحَةَ - رضی الله عنه - فَجَعَلَتْ أُخْتُهُ تَبْكِي، وَتَقُولُ: وَاجَبَلاهُ، وَا كَذَا، وَا كَذَا: تُعَدِّدُ عَلَيْهِ. فقالَ حِينَ أفَاقَ: مَا قُلْتِ شَيْئاً إلاَّ قِيلَ لِي أنْتَ كَذَلِكَ ؟!. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ پر بیماری میں بے ہوشی کا دورہ پڑا (اور لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید اسی بیماری میں وہ چل بسیں

گے) تو ان کی بہن رونے لگی (یہاں انہوں نے اپنی والدہ نہیں کہا، اس لیے کہ وہ اس وقت ان کی بہن ہونے کی حیثیت سے رو رہی تھیں، اس لیے کہا کہ ان کی بہن رونے لگی۔ اگر وہ یوں کہتے کہ میری والدہ رونے لگی، تو کس کو پتہ چلتا کہ وہ کیوں رو رہی تھی) اور (زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق روتے ہوئے) کہنے لگی: ہائے! میرا پہاڑ (ہائے! میری جائے پناہ) ہائے! فلاں، ہائے! فلاں (یعنی) ان کی خوبیاں گنوا رہی تھی (اس وقت وہ بے ہوش تھے، اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے لوہے کے گرز لے کر بھیجے تھے) جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے اپنی بہن سے کہا: جب بھی تو اس قسم کا کوئی جملہ بولتی تھی تو (وہ دو فرشتے لوہے کے گرز دکھا کر) مجھ سے کہتے تھے کہ: تو ایسا ہے؟ (اگر میں ہاں کہہ دیتا تو مجھے لگتا تھا کہ وہ اس گرز سے میری خبر لیتے۔)

افادات:۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہوتے ہیں، ان کی والدہ عَمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ اسی بیماری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیماری کی شدت وکیفیت دیکھتے ہوئے دعا فرمائی تھی کہ: اے اللہ! اگر اس بیماری میں ان کے لیے موت ہے تو ان کو عافیت کے ساتھ موت دے؛ ورنہ ان کو شفا عطا فرما۔ لکھا ہے کہ یہ دعا فرماتے ہی فوراً شفا کے آثار شروع ہو گئے اور پھر وہ تندرست ہو گئے، بعد میں غزوۂ مؤتہ کے موقعہ پر شہید ہوئے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب ان کی شہادت کی اطلاع آئی اور ان کی بہن کو خبر ہوئی تو پھر انہوں نے نوحہ نہیں کیا۔

روایت کے سبق

حضراتِ صحابۂ کرام کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی چاہے وہ مرد ہوں یا عورت؛

کسی بات پر جب ان کو تنبیہ کر دی جاتی تھی تو پھر دوبارہ ان کی طرف سے اس چیز کا صدور نہیں ہوتا تھا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بیمار کی بیماری ایسی شدت اختیار کر جائے کہ اس کے لیے بھی نا قابلِ برداشت ہو، اور دیکھنے والوں کے لیے بھی تکلیف کا باعث ہو کہ ان سے بھی دیکھا نہ جاتا ہو، تو اس موقعہ پر ایسی دعا کی جاسکتی ہے کہ اس بیماری میں اس کے لیے موت مقدر ہے تو عافیت کے ساتھ اس کو موت دیدے، ورنہ اس کو شفا عطا فرما۔ لیکن سب کے سنتے ہوئے ایسی دعا نہ کی جائے۔

نوحہ کے جملوں کے مطلب

جس شخصیت کا وجود مصیبت کے وقت کسی دوسرے کے لیے پناہ کا ذریعہ ہو اس کی موت پر عام طور پر عورتیں یہ جملہ کہا کرتی تھی: ''وَاجَبَلَاهُ'' ہائے! میرے لیے پہاڑ کی طرح تھا۔ اور بہت سی مرتبہ یہ بھی کہتی تھی: ''وَاكَاسِيَاهُ'' ہائے! مجھے کپڑے پہنانے والا۔ ''وَامُطْعِمَاهُ'' ہائے! مجھے کھلانے والا۔ مطلب یہ کہ تو چلا گیا تو اب ہماری ضرورتیں کون پوری کرے گا؟ ہم کس کی پناہ حاصل کریں گے؟ کس سے مدد چاہیں گے؟ اب ہمارا کیا ہوگا؟ جب آدمی کی نظر کسی پر ہوتی ہے تو ایسے جملے بولا کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ پر نظر ہو تو پھر ایسا کہنے کی نوبت نہ آئے۔

آنسو اور غم سببِ عذاب نہیں

۱۶۶۳:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما، قال: اشْتَكَى سَعْدُ بنُ عُبَادَةَ- رضی اللہ عنہ- شَكْوَى، فَأَتَاهُ رسُولُ اللهِ ﷺ يَعُودُهُ مَعَ عَبدِ الرَّحمانِ بْنِ عَوفٍ،

وَسَعْدِ بن أبي وقّاصٍ، وعبدِ اللهِ بن مسعودٍ - رضي الله عنهم -. فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ، وَجَدَهُ في غَشْيَةٍ. فَقالَ: ((أَقَضَى؟)) قالوا: لا يا رسول الله، فَبكَى رسولُ الله - ﷺ -. فَلَمَّا رَأى القَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ - ﷺ - بَكَوْا، قال: ((ألاَ تَسْمَعُونَ؟ إنَّ اللهَ لاَ يُعَذِّبُ بِدَمْعِ العَيْنِ، وَلاَ بِحُزْنِ القَلْبِ، وَلكِنْ يُعَذِّبُ بِهذَا)) - وَأشَارَ إلَى لِسَانِهِ - أو يَرْحَمُ)). (متفق عليه)

ترجمہ مع تشریح:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے (جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی عیادت کے لیے آدمی تنہا بھی جاسکتا ہے، اور کچھ لوگوں کے ساتھ بھی جاسکتا ہے) جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس پہنچے تو ان کو بے ہوشی کی حالت میں پایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا: کیا ان کا انتقال ہوگیا؟ لوگوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! نہیں! (بلکہ بیہوش ہیں۔ ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رونا آگیا۔ جب ساتھ والوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ سب بھی رو پڑے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو اور دل کے غم کی کیفیت کی وجہ سے عذاب نہیں دیتے، اور زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: لیکن اس کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں، یا اس کی وجہ سے رحم بھی کرتے ہیں۔

افادات:۔ انصار کے دو قبیلے تھے؛ اوس اور خزرج، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلۂ خزرج کے سردار تھے، اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلۂ اوس کے سردار تھے۔

کسی کے انتقال پر آدمی کے دل میں غم کی کیفیت طاری ہو جائے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں؛ تو یہ غیر اختیاری چیز ہے، اور اس سے شریعت نے منع نہیں کیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں اپنے بندوں کے ساتھ رحمت، محبت و شفقت کا جو جذبہ رکھا ہے، یہ تو اس کا تقاضہ ہے۔ اور صرف انسانیت کا رشتہ ہی نہیں بلکہ دوسرے رشتے بھی ہوتے ہیں جیسے: مذہبی رشتہ۔ اور نسبی رشتہ، جیسے: باپ بیٹے کا اور بھائی بھائی کا رشتہ ہوتا ہے۔ گویا مختلف حیثیتوں کے تعلقات کی وجہ سے آدمی کے دل میں محبت کا جذبہ ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے سامنے والے کی تکلیف یا موت پر دل میں غم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور اس کا ظہور آنسوؤں سے ہوتا ہے جو ہمیں نظر آتا ہے

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ: آنکھوں کے آنسو اور دل کے غم کی وجہ سے رونے والے کو اور جس کی وجہ سے رویا جارہا ہے؛ دونوں کو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتے۔ لیکن اگر زبان سے کوئی ایسا جملہ نکالا جو اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر ناراضگی کی دلیل بن سکتا ہے، جیسے: بعض عورتیں کہتی ہیں: میرا ہی بیٹا ملا، کوئی اور نہ دکھا، وغیرہ، بعض عورتیں تو اس سے بھی سخت جملے بولتی ہیں؛ یہ جملے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سبب بنتے ہیں۔ اور کبھی کوئی ایسا جملہ بولتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر رضامندی اور تسلیم کا پتہ دیتا ہے، جیسے: اللہ تعالیٰ کی چیز تھی، ہمارے پاس امانت تھی، اس کا حکم ہوا تو اس نے ہم سے واپس لے لی۔ تو جیسے غلط جملے زبان سے نکلتے تھے، ایسے ہی اچھے جملے بھی زبان ہی سے نکلتے ہیں؛ تو صحیح باتوں کے نکلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رحمت کا معاملہ کرے گا، اور غلط چیزوں کے نکلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب کا معاملہ کرے گا۔

تارکول کا لباس اور خارش کا کرتہ

۱۶۶۴:- وعن أبي مالك الأشعري رضي الله عنه قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: ((النَّائحةُ إذا لَمْ تَتُبْ قبلَ مَوْتِها تُقَامُ يومَ القِيامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نوحہ کرنے والی اگر موت سے پہلے پہلے اپنے اس گناہ سے توبہ نہیں کرے گی تو قیامت کے روز وہ لوگوں کے سامنے ایسی حالت میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے جسم پر تارکول کا لباس ہوگا، اور خارش کا کرتہ ہوگا۔

افادات:- ''قَطِرَان'' یعنی تارکول، جس کو ہم ''ڈامر'' کہتے ہیں، وہ بہت جلدی آگ پکڑ لیتا ہے۔ بعض حضرات نے ''قَطِرَان'' کا ترجمہ گندھک سے بھی کیا ہے، وہ بھی جلدی سے آگ پکڑتا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ پہاڑوں پر چیڑ کا ایک درخت ہوتا ہے جو بہت لمبا ہوتا ہے، اس کا تیل بھی بہت جلدی آگ کو پکڑ لیتا ہے۔ اس کو آتش گیر مادہ کہہ لو۔ آج کل پیٹرول، ڈیزل اور گیس کی ٹرکوں کے اوپر ''Inflammable'' لکھا ہوا ہوتا ہے، ''قَطِرَان'' کا مطلب یہی ہوتا ہے۔

''اس کو تارکول کا لباس پہنایا جائے گا اور خارش کا کرتہ ہوگا'' مطلب یہ ہے کہ پورا جسم خارش میں مبتلا ہوگا۔ آدمی کو بدن میں اگر تھوڑی سی جگہ پر بے چین کرنے والی خارش ہو جاتی ہے تو کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے، اور اگر پورے جسم پر خارش ڈال دی جائے تو یہی اس کے لیے ایک مستقل عذاب ہو جائے گا۔

عورتوں سے بوقتِ بیعت چند کلمات

۱۶۶۵:- وعن أَسِيد بن أبي أَسِيدٍ التابِعِيِّ، عن امْرَأَةٍ مِنَ الْمُبَايِعَاتِ، قالت: كان فِيما أخَذَ عَلَيْنَا رسُولُ اللهِ -ﷺ- فِي المَعْرُوفِ الَّذِي أخَذَ عَلَيْنَا أنْ لاَ نَعْصِيَهُ فِيهِ: أنْ لا نَخْمِشَ وَجْهاً، وَلاَ نَدْعُوَ وَيْلاً، وَلاَ نَشُقَّ جَيْبًا، وأنْ لاَ نَنْشُرَ شَعْراً. (رواه أبو داود بإسناد حسن.)

ترجمہ:- حضرت اَسید بن ابواَسید تابعی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسی صحابیہؓ سے نقل کرتے ہیں جنہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی، ان صحابیہ نے فرمایا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم عورتوں سے بیعت لیتے وقت ہم سے وعدہ لیا تھا کہ چند کاموں میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گی؛ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسی کی موت پر ہم اپنے چہروں کو زخمی نہ کریں گی، اور ہم اپنے لیے ہلاکت نہ مانگیں گی، اور ہم گریبان نہ پھاڑیں گی، اور بالوں کو نہ پھیلائیں گی۔

افادات:- قرآنِ پاک میں جہاں مؤمنات عورتوں سے بیعت کا تذکرہ ہے، اس میں ایک بات یہ بھی ہے: ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ نیکی کے کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ وہاں علماء نے لکھا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو کوئی چیز کا حکم دیں گے تو یقیناً وہ نیکی ہی کا حکم ہے۔

اس روایت میں چار چیزوں کا تذکرہ آ گیا (۱) چہرے کو نوچنا (۲) اپنے لیے ہلاکت وموت کی دعا کرنا (۳) گریبان پھاڑنا (۴) بالوں کو منتشر کرنا، بھوتنی بن جانا؛ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناراضگی کو ظاہر کرتی ہیں، اس لیے ان سے منع کیا گیا ہے۔

کیا تو ایسا ہی تھا؟

۱۶۶۶:- وعن أبي موسىٰ رضی اللہ عنہ: أنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: ((مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ بَاكِيهِمْ فَيَقُولُ: وَاجَبَلَاهُ وَاسَيِّدَاهُ، أو نَحْوَ ذٰلِكَ، إلاَّ وُكِّلَ بِهِ مَلَكَانِ يَلْهَزَانِهِ: أَهٰكَذَا كُنْتَ؟)) (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

((اللَّهْزُ)): الدَّفْعُ بِجُمْعِ اليَدِ فِي الصَّدْرِ.

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی آدمی مرجاتا ہے اور کوئی رونے والا کھڑا ہوتا ہے، اور نوحہ کرتے ہوئے وہ یوں کہتا ہے: ہائے! میرا پہاڑ۔ ہائے! میرا آقا، وغیرہ؛ تو دو فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں جو اپنے مکّوں سے مرنے والے کے سینے پر مارتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں: کیا تو ایسا ہی تھا؟

افادات:- گویا ان کا بطور نوحہ کے رونا اس میت کے لیے عذاب کا ذریعہ بنتا ہے۔

دو بڑے گناہ

۱۶۶۷:- وعن أبي هريرة- رضي الله عنه- قال: قال رسولُ اللهِ- ﷺ-: ((اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى المَيِّتِ)) (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں دو کام ایسے ہیں جو ان کے لیے کفر کی طرح ہیں۔ ایک تو لوگوں کے نسب میں طعن کرنا، اور مرنے والے پر نوحہ کرنا۔

افادات:۔ جیسے کفر بڑا گناہ ہے، ایسے ہی یہ دونوں بھی بڑے گناہ ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کو اگر کوئی آدمی حلال سمجھ کر کرے گا تو وہ کفر تک پہنچ جائے گا (۱) کسی کے نسب کے بارے میں الزام لگانا، مثلاً یوں کہنا کہ: وہ تو اس کے باپ کا نہیں ہے (۲) اور مرنے والے پر بین کر کے رونا۔

باب النَّهي عن إتيان الكُهّان والمنجِّمين والعُرَّاف وأصحاب الرمل والطوارق بالحصى وبالشعير ونحو ذلك

کاہنوں، نجومیوں، عرّاف اور علمِ رَمَل کے جاننے والوں کے پاس جانا، اور کنکر، جَوْ یا ایسی کسی چیز کے ذریعہ سے پرندوں کو اُڑانا منع ہے

کاہنوں کا اپنا کاروبار چلانے کا نظام

''کاہن'' یعنی آئندہ پیش آنے والے واقعات کے متعلق خبر دینے والے۔

جب تک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی تھی اس وقت تک جنات کا آسمانوں پر آنا جانا تھا، اور وہاں کائنات میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق جن چیزوں کے تذکرے ہوتے تھے ان کو وہ سنتے تھے، پھر واپس آ کر کاہن لوگوں کو بتلاتے تھے۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ہوئی تو شیطانوں کا آسمان پر جانا بند کر دیا گیا، اب وہ اوپر نہیں جا سکتے؛ لیکن پھر بھی ان کو سننے کی جو عادت پڑی ہوئی تھی اس وجہ سے

وہ آسمان کے قریب تک جاتے تھے، اور اس کے لیے وہ ایک طریقہ اختیار کرتے تھے (جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے) کہ ایک شیطان کھڑا ہوجاتا تھا اس کے اوپر دوسرا کھڑا ہوتا تھا، اس کے اوپر تیسرا، تیسرے کے اوپر چوتھا کھڑا ہوجاتا تھا، اس طرح آسمان تک پورا سلسلہ قائم کیا جاتا تھا۔ جو سب سے اوپر والا ہوتا تھا وہ آسمان کی طرف کان لگاتا تھا اور فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتا تھا پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا، اس طرح یکے بعد دیگرے یہ بات نیچے تک پہنچتی۔ بعد میں پھر شیاطین کو فرشتوں کی باتیں سننے سے روکنے کے لیے قدرت کی طرف سے یہ انتظام کیا گیا کہ ان کو ستارے مارے جاتے تھے جن کو ''شہابِ ثاقب'' کہا جاتا ہے، آج کل کی اصطلاح میں یوں کہیئے کہ ان کو میزائل مارے جاتے تھے، گویا وہ ستارہ ایک طرح کا میزائل ہے جو ان کو مارا جاتا تھا جس سے وہ جل کر ختم ہوجاتا تھا۔

جب وہ آسمان کے قریب ہوکر باتیں سنتے تھے اور ان کو ستارہ (میزائل) مارا جاتا تھا تو دو شکلیں ہوتی تھی، کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ وہ سنی ہوئی بات اپنے سے نیچے والے کو بتائے اس سے پہلے ہی ستارہ (میزائل) اس کو لگ جاتا تھا، اور وہ جل کر ختم ہوجاتا تھا۔ اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ ستارہ (میزائل) اس کو لگے اس سے پہلے وہ اپنی سنی ہوئی بات اپنے سے نیچے والے کے کان میں کہہ دیتا تھا، اور وہ اپنے سے نیچے والے کے کان میں، اور وہ اپنے سے نیچے والے کے کان میں کہہ دیتا تھا، اس طرح سب سے نیچے والا جو شیطان ہوتا تھا وہ اس کاہن کا دوست ہوتا تھا، وہ جاکر اپنے دوست کاہن کو بتاتا تھا کہ فلاں وقت فلاں جگہ ایسا ایسا ہونے والا ہے۔ چوں کہ وہ بات اوپر سے آئی تھی لٰہذا بالکل پکی ہوتی تھی اور اسی کے مطابق ہوتا تھا۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ

لوگ آپس میں اس طرح باتیں کرتے تھے کہ تمہیں پتہ نہیں کہ فلاں نے اس روز فلاں پیشین گوئی دی تھی، وہ برابر نکلی تھی۔ چناں چہ وہ کاہن اس ایک سچی بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹی باتیں ملاتا تھا، اور لوگ اس ایک سچی بات کی وجہ سے اس کی باتوں پر اعتبار اور بھروسہ کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنا کاروبار چلاتا تھا۔

کائنات کا نظام

کائنات کا نظام چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مستقل ایک مخلوق پیدا فرمائی ہے جن کو ہم فرشتے کہتے ہیں، ان سے کائنات کے بہت سارے کام لیے جاتے ہیں، جیسے: بارش پر فرشتے مقرر ہیں، کھیتی باڑی کی حفاظت پر فرشتے مقرر ہیں، ہواؤں پر فرشتے مقرر ہیں، اس کے علاوہ بھی دیگر امور کے لیے فرشتوں کو پیدا کیا ہے اور ان کی ڈیوٹیاں مقرر ہیں، اور ان کو جو جو کام حوالے کئے گئے ہیں ان کے متعلق ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایتیں بھی دی جاتی ہیں۔ جیسے: آپ کی کوئی فیکٹری، کارخانہ، یا دکان ہو تو آپ اپنا نظام چلانے کے لیے اسٹاف رکھتے ہیں، کچھ لوگوں کو ملازمت پر رکھتے ہیں اور انہیں سے اپنا کام چلاتے ہیں، روزانہ ان کو کچھ آرڈر جاری کرتے ہیں، یا ایک روز پہلے ان کو ہدایت دیدیتے ہیں کہ آئندہ کل یہ یہ کام کرنے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ جو کلام فرماتے ہیں وہ ایک تو اصولی انداز میں ہوتا ہے، اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے کلام کی ہیبت کی وجہ سے عام فرشتوں پر ایک طرح کی بے ہوشی سی طاری ہو جاتی ہے، جو مقرب فرشتے ہیں صرف وہی اس کلام کے مفہوم کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے کلام کا سلسلہ ختم ہوتا ہے تو عام فرشتوں پر سے بے ہوشی کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے، وہ ان مقرب فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ

نے کیا احکام جاری فرمائے؟ وہ ان کو بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ احکام جاری فرمائے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جو آرڈر جاری کیے گئے اس سلسلہ میں فرشتوں میں آپس میں گفتگو ہوتی ہے۔ جیسے: کسی کمپنی کا بڑا آدمی کوئی آرڈر اور ہدایت دیتا ہے تو اپنے قریبی مینیجر سے کہتا ہے، پھر اس کے ماتحت آپس میں ڈسکس اور چرچا کرتے ہیں کہ آج بوس (Boss) نے کیا کہا؟ وہ بتاتا ہے کہ ایسا ایسا آرڈر آیا ہے۔

نجومیوں کے بے بنیاد دعوے

''نجومی'' عربی کا لفظ ہے جو نجم سے بنا ہے، اس کی جمع نجوم آتی ہے، ستارے کو کہتے ہیں۔ جو لوگ ستاروں کی چالوں کی وجہ سے آنے والے واقعات کے متعلق خبریں بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کو ''نجومی'' کہا جاتا ہے۔

آج کل بھی اخبارات میں بارہ برجوں کے نام دیئے جاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ جس کا نام الف سے ہوگا اس کی قسمت ایسی ہوگی۔ گویا پوری دنیا میں جتنے نام الف سے شروع ہوتے ہیں ان سب کی قسمت ایک جیسی ہی ہوگی۔ حالاں کہ یہ بات بدیہی البطلان ہے، بالکل کھلم کھلا غلط ہے۔ ایک سیدھا سادہ آدمی بھی اس کی غلطی کو محسوس کرسکتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود اچھے خاصے سمجھدار لوگوں کو اس کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

عرّاف اور عامل

''عرّاف'' جو کچھ خاص خاص علامتیں دیکھ کر خبریں بتائے۔ عملیات والے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

دیکھو! دو باتیں الگ الگ ہیں، بعض باتیں تو مستقبل میں پیش آنے والی ہیں، ان کے متعلق نشانیوں کو دیکھ کر کچھ بتانا۔ اور بعض ایسی چیزیں جو پیش آ چکی ہیں لیکن لوگوں کے علم میں نہیں ہے؛ ان کے متعلق بتانا۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ان کے پاس آنے والا شیطان اور جن کوئی دور کی چیز بتا دیتا تھا، جیسے: کوئی واقعہ دہلی میں پیش آیا، اب ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ہمیں اس کا پتہ نہیں، اگر چہ آج کل تو مواصلات بہت بڑھ گئے ہیں؛ لیکن اُس زمانہ میں یہ چیز نہیں تھی۔ تو وہ جن اس واقعہ کی خبر لا کر اس آدمی کو دیتا تھا، اور وہ کہتا تھا کہ وہاں ایسا ہوا ہے۔ آج کل بہت سے عملیات والے بھی اس قسم کے دعوے کرتے ہیں، ان کے پاس بھی ایسی چیزوں کو معلوم کرنے کی نیت سے آنا جانا اسی حکم میں داخل ہے، اس لیے اس سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنے ضرورت ہے۔ ہاں! کوئی عامل اگر اللہ کے نام کی برکت سے شرعی طور پر علاج کرے؛ تو الگ بات ہے۔ لیکن آج کل لوگوں کا مزاج اس قسم کا بنتا جا رہا ہے کہ عملیات والوں کے پاس جا کر بے تکی باتیں پوچھتے ہیں۔

ایک روز میں مدرسہ سے جا رہا تھا تو ایک صاحب مجھ سے ملے اور کہنے لگے: مفتی صاحب! کل ہم آپ کے پاس فتویٰ لینے آنے والے ہیں۔ میں نے پوچھا: بھائی! کیا ہوا؟ تو وہ کہنے لگے: ہمارے یہاں جب بھی شادی کا موقعہ آتا ہے تو کوئی موت میت ہو جاتی ہے؛ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ وہ بیچارے یہ بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ فتویٰ کس چیز کا نام ہے۔ میں نے ان سے کہا: ایسی بات کا فتویٰ نہیں دیا جاتا۔

ہمارا معاملہ عجیب ہو گیا ہے

عام طور پر آدمی کے اوپر آنے والے مصائب کے اسباب میں سے ایک بڑا

سبب اس کے اپنے کرتوت اور گناہ ہی ہوتے ہیں؛ لیکن آج کل لوگوں کا مزاج ایسا بن گیا ہے کہ اپنے گناہوں کی طرف سے آنکھیں بالکل پھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا مزاج ختم ہوگیا۔ صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جانور اور گھوڑا اگر سرکشی کرتا تھا، بچے نے نافرمانی کردی؛ تو وہ دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور آج ہم پر بڑی سے بڑی مصیبت آجاتی ہے تب بھی کبھی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت کریں، اس کے بجائے یہی سوجھتا ہے کہ کسی عامل کے پاس جاکر پوچھو کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آج کل لوگ یہ ایک سوال بہت کرتے ہیں کہ مولوی صاحب! کوئی بھی نیا دھندا شروع کرتا ہوں تو چلتا ہی نہیں؛ اس کی کیا وجہ ہے؟ ایسا عام مزاج بنتا جارہا ہے۔ ہمارا معاملہ عجیب ہوگیا ہے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو تعلیم دی تھی اس سے ہم کتنا دور جارہے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ کاہنوں نجومیوں کے پاس اسی طرح کی باتوں کے لیے جایا کرتے تھے۔

کہانت کی حقیقت

۱۶۶۸:- عن عائشة رضی الله عنها، قالت: سأل رسُولَ اللهِ -ﷺ- أُنَاسٌ عَنِ الكُهَّانِ، فَقَالَ: ((لَيْسُوا بِشَيْءٍ)) فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَا أَحْيَانًا بِشَيْءٍ، فَيَكُونُ حَقًّا؟ فقالَ رسُولُ اللهِ -ﷺ-: ((تِلْكَ الكَلِمَةُ مِنَ الحَقِّ يَخْطَفُهَا الجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ، فَيَخْلِطُونَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ)).

(متفق علیه)

وفی روایة للبخاری عن عائشة رضی الله عنها: أَنَّها سمعتْ رسُولَ

اللهِ- ﷺ- يقولُ: ((إنَّ المَلائِكَةَ تَنْزِلُ فِي العَنَانِ- وَهُوَ السَّحَابُ- فَتَذْكُرُ الأَمْرَ قُضِيَ فِي السَّماءِ، فَيَسْتَرِقُ الشَّيْطَانُ السَّمْعَ، فَيَسْمَعُهُ، فَيُوحِيهُ إِلَى الكُهَّانِ، فَيَكْذِبُونَ مَعَهَا مِئَةَ كَذْبَةٍ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ)).

قَوْلُهُ: ((فَيَقُرُّهَا)) هو بفتح الياء وضم القاف والراء، أي: يُلْقِيها.

((والعَنَانِ)) بفتح العين.

ترجمہ مع مختصر تشریح:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کاہنوں سے متعلق سوال کیا (کہ کاہن کیا چیز ہے؟) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: کچھ بھی نہیں (اس لفظِ ''کچھ بھی نہیں'' کا مطلب مَیں آگے بیان کرتا ہوں) اس پر ان سوال کرنے والوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کبھی وہ لوگ ایسی بات بیان کرتے ہیں جو سچی ہوتی ہے (اور آپ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں؟) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (ایک بات جو سچی ہوتی ہے وہ دراصل وہ بات ہوتی ہے جو) کوئی جِنّی اوپر جاکر فرشتوں کی باتوں میں سے اُٹھالاتا ہے اور اپنے دوست کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے، اور وہ کاہن دوست اس ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر اپنا کاروبار چلاتا ہے۔ (تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے اس ایک سچی بات کی وجہ سے اس پر پورا اعتماد و بھروسہ کرلیا جائے۔)

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: فرشتے (آسمان سے نیچے) بادلوں میں اترتے ہیں اور آسمانوں میں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو فیصلہ ہوتا ہے اس کا آپس میں چرچا کرتے ہیں، تو شیاطین اس کو چوری چھپے کان لگا کر سن لیتے ہیں، پھر اس کو اپنے دوست کاہن تک پہنچاتے ہیں اور وہ اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیتا ہے (یہی کہانت کی حقیقت ہے۔)

افادات:۔ آدمی کا مزاج بھی دیکھو کہ ایسی صورت میں اس ایک سچی بات کی وجہ سے سو جھوٹی بات کو مان لیتا ہے، اور جب پیسوں کی لین دین کی بات آتی ہے تو ننانوے مرتبہ جس کے ساتھ اچھا معاملہ ہوا ہو، اور ایک مرتبہ غلط ہو گیا ہو تو پھر آئندہ کبھی اس پر بھروسہ نہیں کرتا۔ گویا ہم لوگ اپنی دنیا کے معاملہ میں جتنے پکّے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کے معاملہ میں بھی ہمیں ویسا ہی پکّا بنانا چاہتے ہیں۔ دنیا کے معاملہ میں اس نے تم سے ایک مرتبہ غداری کی تو تم اس پر کبھی بھروسہ نہیں کرتے؛ تو پھر یہاں کاہے کو کرتے ہو؟ وہاں ننانوے اچھے معاملوں کو ایک غلط معاملہ کی وجہ سے نہیں مانتے، تو پھر یہاں ننانوے جھوٹ کو ایک سچی بات کی وجہ سے کیوں مان لیتے ہو؟

''لَیْسُوا بِشَیْءٍ'' کا مطلب

جو چیز کچھ بھی قابلِ توجہ نہ ہو؛ اس کو ''لَیْسُوا بِشَیْءٍ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے: ہم نے یہاں سے وہاں دور دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہیں اور ہمارے دل میں یہ معلوم کرنے کا جذبہ پیدا ہوا کہ وہاں کیا ہوا ہے، اور اُدھر سے ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا تو ہم نے اس سے پوچھا: بھائی! وہاں کیا ہوا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: کچھ بھی نہیں۔ اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ بھائی! اتنے سارے لوگ وہاں جمع ہیں پھر بھی تو کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوا؟ اس مثال سے میں آپ کو اس لفظِ ''کچھ نہیں'' کا مطلب سمجھانا چاہتا ہوں کہ ''کچھ نہیں'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہاں کچھ تو ہوا ہے لیکن تم جو سمجھ کر پوچھ رہے ہو کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے، یعنی دھیان دینے جیسی چیز نہیں ہے۔ یہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لَیْسُوا بِشَیْءٍ'' کچھ بھی نہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ کہانت کوئی توجہ اور دھیان دینے جیسی چیز نہیں ہے۔

اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی

۱۶۶۹:-وعن صَفِيَّةَ بِنتِ أبي عُبيدٍ عن بعض أزواجِ النَّبِيِّ ﷺ و رضی اللہ عنہا عن النَّبِيِّ ﷺ قال: ((مَنْ أَتَى عَرَّافاً فَسَأَلَهُ عنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلاةٌ أَرْبَعِينَ يَوماً)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت صفیہ بنت ابوعبید (جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اہلیہ اور تابعیہ ہیں) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زوجۂ مطہرہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتی ہیں (یہ زوجۂ مطہرہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں) کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی کسی عرّاف کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے متعلق پوچھا اور اس نے جو جواب دیا اس کی تصدیق بھی کی؛ تو ایسے آدمی کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔

افادات:- ''عرّاف'' وہ آدمی کہلاتا ہے جو گم شدہ چیز کا پتہ بتاتا ہو، یا چوری شدہ چیز کے متعلق بتلاتا ہو کہ یہ چوری فلاں نے کی ہے۔ کچھ علامتیں اور کچھ ایسے طریقۂ کار اپنائے جاتے تھے جن کے ذریعہ وہ لوگ گم شدہ یا چوری شدہ چیز کے متعلق بتلایا کرتے تھے۔

''چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی''، یعنی فریضہ تو ساقط ہو جائے گا، لیکن قبول نہیں ہوگی، اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا، کیوں کہ یہ عراف وغیرہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کوئی یقین پر مبنی نہیں ہوا کرتا، بلکہ ایک طرح کا ظن، تخمینہ اور اٹکل پچو باتیں ہوتی ہیں جو کبھی صحیح بھی ہو جاتی ہیں، لیکن اس پر یقین رکھنے کی شریعت اجازت دیتی نہیں، اور نہ اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

عِیَافہ، طِیَرہ، طَرق

۱۶۷۰:-وعَنْ قَبِيصَةَ بنِ المُخَارِقِ رضي الله عنه قال سمعتُ رسُولَ الله ﷺ يقولُ: ((العِيَافَةُ، وَالطِّيَرَةُ، والطَّرْقُ، مِنَ الجِبْتِ)). (رواه أبو داود بإسناد حسن)

وقال: ((الطَّرْقُ)) هُوَ الزَّجْرُ: أيْ زَجْرُ الطَّيْرِ وَهُوَ أنْ يَتَيَمَّنَ أو يَتَشَاءَمَ بِطَيَرَانِهِ، فإنْ طَارَ إلَى جِهَةِ اليَمِينِ، تَيَمَّنَ، وإنْ طَارَ إلَى جِهَةِ اليَسَارِ، تَشَاءَمَ. قال أبو داود: ((والعِيَافَةُ)): الخَطُّ. قالَ الجَوْهَرِيُّ في الصِّحَاحِ: الجِبْتُ كَلِمَةٌ تَقَعُ عَلَى الصَّنَمِ وَالكاهِنِ والسَّاحِرِ وَنَحْوِ ذلِكَ.

ترجمہ:- حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''عِیَافہ''، ''طِیَرہ'' اور ''طَرق''؛ جِبت میں سے ہے۔

افادات:- ان سب کے معانی کیا ہیں؟ آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ''عِیَافہ'' کی تشریح فرمائی ہے کہ ''عِیَافہ'' خط اور لکیر کو کہتے ہیں۔ اہلِ عرب کے یہاں یہ بھی ایک خاص طریقۂ کار ہوا کرتا تھا جس میں وہ لوگ یہ کرتے تھے کہ زمین اور ریت پر کچھ خطوط کھینچتے تھے، پھر ان میں سے کچھ خطوط کو مٹا دیتے تھے اور کچھ کو باقی رکھتے تھے، اور اسی کے ذریعہ آنے والے حالات کے متعلق کچھ باتیں اور پیشینگوئیاں کیا کرتے تھے؛ اسی کو ''عِیَافہ'' کہتے ہیں۔

اور ''طِیَرَۃٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی پرندے کے اُڑنے کی وجہ سے نیک فالی یا بدفالی لینا۔ اہلِ عرب میں یہ بھی ایک دستور تھا کہ کوئی آدمی کسی کام کے ارادہ سے یا کسی سفر کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے گھر سے باہر نکلتا اور کسی پرندے کو دیکھتا کہ وہ دائیں طرف سے اُڑ کر آیا تو وہ یوں سمجھتا تھا کہ میرا کام ہو جائے گا۔ ایسے پرندے کو ''بارح'' کہتے تھے جس کی جمع ''بوارح'' آتی ہے۔ اور اگر وہ بائیں طرف سے اُڑ کر

آیا تو یوں سمجھتا کہ اس کام میں ناکامی ہوگی، چناں چہ وہ اپنے جس کام کے لیے نکلا ہوتا تھا اس کو چھوڑ کر گھر واپس آجاتا تھا، ایسے پرندے کو ''سانح'' کہتے تھے جس کی جمع ''سوانح'' آتی ہے۔ شریعت میں اسی کو بدفالی اور بدشگونی کہتے ہیں جس سے منع کیا ہے۔

اسی طرح بدشگونی کی اور بھی شکلیں ہوتی ہیں، جیسے کوئی آدمی باہر نکلا اور بلی سامنے سے گزر گئی، چاہے دائیں سے گزری ہو یا بائیں سے۔ یا کچھ مخصوص جانور جن کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے یوں سمجھنا کہ اس کام میں کامیابی نہ ہوگی؛ یہ ''طِیَرَۃٌ'' کہلاتا ہے، اس سے بھی نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا اور اس کو حرام قرار دیا۔

اور ''طَرْقٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی باہر نکلا اور دیکھا کوئی پرندہ ازخود تو نہیں اُڑ رہا تھا، تو اب یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مجھے اس کام میں کامیابی ہوگی یا ناکامی؛ کسی بیٹھے ہوئے پرندے کو کنکر یا پتھر مار کر اُڑاتا تھا، جس کے نتیجہ میں وہ اُڑتا تھا، اب اگر وہ اُڑ کر دائیں طرف گیا تو سمجھتا تھا کہ کامیابی ہوگی، اور بائیں طرف گیا تو سمجھتا تھا کہ ناکامی ہوگی؛ اسی کو ''طَرْق'' کہتے ہیں۔

ان تینوں کو نبیٔ کریم ﷺ نے 'جِبْت' قرار دیا ہے، جس کی قرآنِ پاک میں بھی قباحت اور شناعت آئی ہے۔ آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ علامہ جوہریؒ کی لغت کی کتاب ''صحاح'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ''جِبْت'' ایک بت کو بھی کہتے ہیں، اور کاہن کو بھی کہتے ہیں، اسی طرح ساحر اور جادوگر کو بھی کہتے ہیں۔ یہ کہانت کی ایک قسم ہے، اور جس طرح کہانت حرام ہے؛ اسی طرح یہ سب بھی حرام ہیں۔

علمِ نجوم سیکھنا جادو سیکھنا ہے

۱۶۷۱:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ:

((مَنِ اقْتَبَسَ عِلْماً مِنَ النُّجُومِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ، زَادَ مَا زَادَ.))

(رواه أبوداود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے علمِ نجوم کا کوئی حصہ سیکھا گویا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا، اور جس نے (علم نجوم) جتنا زیادہ سیکھا؛ اس نے اتنا ہی زیادہ (جادو) سیکھا۔

افادات:- ''علمِ نجوم'' یعنی ستاروں کے طلوع اور غروب اور ان کی چال و رفتار کی بنیاد پر آنے والے حالات کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا، جیسے: آج کل بھی ہنود میں یہ چیزیں بہت زیادہ رائج ہیں۔ ایسا آدمی جو ان چیزوں کو جانتا اور بتلاتا ہو؛ اس کو نجومی کہتے ہیں۔ ''نجوم'' نجم کی جمع ہے اور نجم ستارہ کو کہتے ہیں۔

ستاروں کا ایک علم تو وہ ہے جن سے اوقات، مکانات اور سمتوں کا پتہ لگایا جاتا ہے، جیسے قطب تارے سے سمت معلوم کی جاتی ہے، یا تاروں سے رات کا وقت معلوم کیا جاتا ہے کہ کتنا حصہ گزر گیا۔ اوقات کا اندازہ لگانا کہ نماز کا وقت ہو گیا، صبح صادق ہو گئی یا نہیں۔ تاریخوں، اوقات اور جگہوں کا پتہ چلانے اور راستوں کو معلوم کرنے کے لیے ستاروں سے مدد لی جاتی ہے؛ یہ علمِ ہیئت کے قبیل سے ہے؛ اس کی تو اجازت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو جن مقاصد کے لیے پیدا کیا ان میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے۔

مگر ستاروں کے ذریعہ سے آنے والے حالات کا اندازہ لگانا، جیسے: نجومی کرتے ہیں کہ فلاں ستارہ ایسا ہوا، تو اب قحط ہوگا، یا یوں ہوا تو بڑی مصیبت آنی والی ہے، یا کسی بڑے آدمی کا انتقال ہونے والا ہے؛ یہ علمِ نجوم کہلاتا ہے۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس روایت میں اس کو جادو کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔

ایک صحابی کے سوالات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوابات

۱۶۷۲:- وعن مُعاوِيَةَ بنِ الحَكَمِ رضی الله عنه قال: قلتُ: يارسُولَ اللهِ! إنِّي حديثُ عَهْدٍ بالجاهِليَّةِ، وَقَدْ جاءَ اللهُ تَعالَى بالإِسْلاَمِ، وإنَّ مِنَّا رِجالاً يَأْتُونَ الكُهَّانَ؟ قال: ((فَلاَ تأْتِهِمْ)) قُلْتُ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُونَ؟ قَالَ: ((ذَلِكَ شَيْءٌ يَجِدُونَهُ فِي صُدُورِهِمْ، فَلاَ يَصُدَّهُمْ)) قُلْتُ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّونَ؟ قَالَ: ((كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ، فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ، فَذَاكَ)).(رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اب تک میرا تعلق زمانۂ جاہلیت کے ساتھ تھا اور اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام عطا فرمایا (مطلب یہ ہے کہ میری اب تک کی زندگی غیر اسلامی ماحول میں گزری، اور اس ماحول میں جو صورتیں پیش آتی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ) ہمارے اندر کچھ لوگ کاہنوں، جیوتشیوں اور نجومیوں کے پاس جاتے ہیں اور حالات معلوم کرتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان کے پاس مت جائیو (اس سے کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت معلوم ہوئی) پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کچھ لوگ بدشگونی لیتے ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ ایک خیال ہے جو ان کے دل میں پیدا ہوتا ہے (حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی) لیکن یہ خیال ان کو اپنے مقصد میں آگے بڑھنے سے باز نہ رکھے۔ پھر میں نے عرض کیا: ہم میں کچھ لوگ خطوط اور لکیریں کھینچتے ہیں اور ان کے ذریعہ آنے والے حالات کی معلومات دیتے ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک نبی اس طرح خط کھینچا کرتے تھے، جس کی لکیر ان کے موافق ہوگئی، وہ ٹھیک ہوتی ہے۔

افادات:- لیکن نبی کو اللہ تعالیٰ نے یہ چیز بطور معجزہ عطا فرمائی تھی، اور جو

چیز نبی کو بطور معجزہ دی گئی ہو، اس پر دوسرا کوئی قادر نہیں ہوا کرتا۔ اسی لیے شرّاح فرماتے ہیں کہ یہ تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے، یعنی کسی کام کو ایسی چیز پر مشروط کرنا جو عامۃً وجود میں نہ آتی ہو۔ یعنی ایسا کرنا درست نہیں۔

وہ نبی کون تھے؟ تو اس بارے میں دو نبیوں کے نام لیے جاتے ہیں، ایک حضرت ادریس، اور دوسرے حضرت دانیال علیہما السلام۔

''یہ ایک خیال ہے جو ان کے دل میں پیدا ہوتا ہے'' اور یہ خیال غیر اختیاری چیز ہے۔ خدا نہ کرے اگر ایسا خیال آ بھی جائے تب بھی اس کی وجہ سے جس مقصد کے لیے چلے ہیں اس سے اپنے آپ کو روکنا نہیں چاہیے۔

اور اس خیال کی وجہ سے جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس کو دور کرنے کے لیے دعا بھی ہے، جس کے پڑھ لینے کی وجہ سے وہ بھی دُور ہو جائیں گے۔ (یہ دعا آگے حدیث نمبر: ۱۶۷۷ کے تحت آ رہی ہے۔)

''حُلْوَانُ الکاهِنِ'' کا مطلب اور حکم

۱۶۷۳:- وعن أَبِي مَسعودٍ البدريِّ - رضی الله عنه -: أَنَّ رسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الكَلْبِ وَمَهْرِ البَغِيِّ وَحُلْوَانِ الكاهِنِ. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتا فروخت کر کے اس کی قیمت کو استعمال کرنے سے، اور زانیہ کی اجرت سے، اور کاہن کی خدمت میں جو ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اس سے منع فرمایا۔

افادات:- ''حُلْوَانُ الكاهِنِ'' حلوان اصل میں شیرینی اور مٹھائی کو کہتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کاہن کے پاس اپنے

حالات معلوم کرنے کے لیے کوئی سوال لے کر جاتا تھا تو اس سے کچھ پوچھنے سے پہلے اس کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا تھا۔ اور شیرینی تو فقط نام ہے؛ لیکن وہ ہدیہ مٹھائی ہی ہو یہ ضروری نہیں، بلکہ جو رقم دی جاتی ہے اس کو بھی ''حلوان'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کو ''پرساد'' کہہ لو۔

بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ کہانت کا جو بھی طریقۂ کار ہو؛ وہ ممنوع اور حرام ہے۔

باب النهى عن التَّطَيُّرِ

بدشگونی کی ممانعت

فيه الأحاديث السابقة فی الباب قبله.

ابھی جوروایتیں گزری ہیں ان میں بھی بدشگونی کی ممانعت کا تذکرہ تھا، آگے کچھ اور چیزیں پیش فرماتے ہیں۔

۱۶۷۴:-عن أنس رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِی الفَأْلُ)) قالُوا: وَمَا الفَأْلُ؟ قَالَ: ((كَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ)) (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیماری میں تعدیہ نہیں (یعنی ایسا نہیں ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگے) اور بدشگونی بھی کوئی چیز نہیں ہے، ہاں! مجھے نیک فالی پسند ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا: نیک فالی کیا ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی اچھی بات۔

افادات:- ''عَدْوٰی'' کا مطلب ہے: ایک کی بیماری دوسرے کو لگنا۔ زمانۂ جاہلیت میں بعض بیماریوں کے متعلق عربوں کا یہ خیال تھا کہ یہ بیماری ازخود اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر، ذاتی تاثیر کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب آنے کی وجہ سے لگ جاتی ہے (نعوذ باللہ) گویا اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی بھی ضرورت نہیں۔ اس روایت میں اس نظریہ کی تردید فرمائی گئی ہے۔ ورنہ اگر سبب کے طور پر کہا جائے کہ کسی کی کوئی بیماری کسی دوسرے کو اس کے پاس دیر تک رہنے کی وجہ سے (بطورِ سبب)

لگ گئی - اس لیے کہ باری تعالیٰ نے دنیا میں مختلف چیزوں کے لیے اسباب رکھے ہیں - تو اس کی گنجائش ہے۔

پہلے اونٹ کو خارش کہاں سے لگی؟

چناں چہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مجلس میں ارشاد فرمایا: ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔ اس پر ایک دیہاتی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے اونٹ ایک دم تندرست ہوتے ہیں، جیسے کہ ہرنیاں ہوتی ہیں (یعنی جیسے ہرنی کا بدن بڑا صاف شفاف ہوتا ہے، ہمارے اونٹ بھی ایسے ہی تندرست ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر کوئی بیماری نہیں ہوتی) لیکن کوئی خارشی اونٹ ان میں آجاتا ہے جس کے نتیجہ میں دوسرے اونٹوں کو بھی خارش ہوجاتی ہے؛ اور آپ تو فرمارہے ہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی؛ تو یہ کیا ہوتا ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلا اونٹ جس کو خارش ہوئی وہ کہاں سے لگی؟ کہا: وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سے آئی۔ معلوم ہوا کہ جب پہلا اونٹ اللہ تعالیٰ کے حکم سے خارشی ہوا تو دوسرے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوئے۔ ایسا نہ سمجھا جائے کہ اس پہلے کی وجہ سے چیپ لگا۔

''وَلَا طِيَرَةَ'' اور بدشگونی کوئی چیز نہیں۔ اوپر بتلایا تھا کہ پرندوں کے اُڑنے کی وجہ سے یوں سمجھنا کہ میرے فلاں کام میں کامیابی نہ ہوگی، یہ طیرہ اور بدشگونی ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

نیک فالی پسندیدہ ہے

''كَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ'' کوئی اچھی بات۔ مثلاً: کوئی آدمی امتحان گاہ میں امتحان

دینے کے لیے جارہا ہے، راستہ میں سنا کہ کوئی کسی کو ''یا فائز'' کہہ کر پکار رہا ہے۔ اور ''فائز'' عربی زبان میں کامیاب ہونے والے کو کہتے ہیں۔ تو اس نے فائز سن کر نیک فالی لیتے ہوئے یوں طے کرلیا کہ ان شاء اللہ میں بھی اس امتحان میں کامیاب ہوجاؤں گا۔

یا کوئی آدمی کسی بیمار کو لے کر ہسپتال جارہا تھا اور کوئی آدمی کسی کو بلا رہا تھا: اے سالم۔ اور ''سالم'' تندرست کو کہتے ہیں۔ اب اس نے سالم سن کر یہ سوچا کہ ان شاء اللہ ہمارا بیمار بھی اچھا ہو ہی جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کی زبان سے کوئی جملہ نکلا، اس کو سن کر اچھا نتیجہ اخذ کرنے میں چوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن ہے، اور بندوں کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن کیا کرو؛ اس لیے اس کو پسند کیا گیا ہے۔ اور بدشگونی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے، اس لیے اس کو ناپسند کیا گیا اور اس سے منع فرمایا۔

اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی

۱۶۷۵:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما **قَالَ قَالَ رسول الله** ﷺ: **((لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ، وإِنْ كَانَ الشُّؤمُ فِی شَیْءٍ فَفِی الدَّارِ، وَالْمَرْأَةِ، والفَرَسِ.** (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک کی بیماری کا دوسرے کو لگنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور بدشگونی بھی کوئی چیز نہیں ہے، ہاں! اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو مکان میں، عورت میں، اور سواری کے جانور میں ہوتی۔

افادات:- اہلِ عرب یوں سمجھتے تھے کہ نحوست ہوا کرتی ہے، اور اس سلسلہ میں روایتیں بھی دونوں قسم کی ہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہوسکتی ہے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی۔ لیکن نحوست کوئی چیز نہیں اس لیے ان میں بھی نہیں ہے۔

کوئی کام آدمی کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہو اس کو نحوست سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی بات وقتی طور پر مزاج اور طبیعت کے خلاف پیش آئے تو آدمی یہ سوچ لیا کرتا ہے کہ چلو! ایک دو دن میں معاملہ ختم ہو جائے گا؛ لیکن ان تین چیزوں کا استعمال وقتی نہیں، بلکہ مستقل ہوا کرتا ہے؛ اس لیے خاص طور پر ان کا تذکرہ کیا۔

مکان کا مسئلہ زندگی بھر کا ہے، ایسا تو ہے کہ نہیں کہ ایک دو دن کی بات ہو، آدمی نے جب کوئی مکان لے لیا تو زندگی بھر کا مسئلہ ہو گیا۔ اب اگر پڑوسی اچھا نہیں ملا یا مکان میں روشنی اور ہوا نہیں آتی، جس کی وجہ سے بیماریاں ہوتی ہیں؛ تو زندگی بھر کے لیے ٹینشن ہو جاتا ہے۔ اس لیے روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ گھر اگر مزاج کے موافق نہ ہو تو اس کو بدل دیا جائے۔

اسی طریقہ سے بیوی کوئی بار بار بدلنے کی چیز نہیں۔ اگر مزاج کے موافق نہیں، جیسے: عورت بانجھ ہے، یا نافرمان اور زبان دراز ہے، شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے؛ تو یہ کوئی ایک دو دن کی بات تو ہے نہیں۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایسا کوئی معاملہ ہے تو پھر آسان طریقہ یہی ہے کہ شریعت کے بتائے طریقہ کے مطابق اس سے نجات حاصل کر کے دوسری تلاش کر لے؛ ورنہ زندگی بھر کے لیے ٹینشن رہے گا۔

اور گھوڑا یعنی سواری کا جانور ایسی چیز ہے جو بار بار نہیں بدلی جاتی۔ اس میں ناموافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرکش ہو، یا جہاد میں جہاں کام لینے کی ضرورت ہو وہاں کام نہ آتا ہو۔

آدمی کی خوش بختی کی تین علامتیں

اسی لیے بعض روایتوں میں آتا ہے:''مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيْءُ (صحیح ابن حبان)'' آدمی کی خوش بختی میں سے یہ ہے کہ اس کو بیوی نیک ملے، مکان کشادہ ہو، اور اس کی سواری عمدہ ہو۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن سے زندگی بھر کا واسطہ رہتا ہے، اس لیے اگر یہ چیزیں مزاج کے ناموافق ہوں تو اس کو نحوست سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن نحوست کا جو عام مفہوم لیا جاتا ہے وہ مراد نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدشگونی نہیں لیا کرتے تھے

۱۶۷۶:-وعن بُرَيْدَةَ-رضی الله عنه-أنَّ النبيَّ ﷺ كَانَ لا يَتَطَيَّرُ.

(رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:-حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدشگونی نہیں لیا کرتے تھے (ہاں! نیک فالی لینا ثابت ہے)

وسوسے دور کرنے کی دعا

۱۶۷۷:-وعن عُروة بن عامر رضی الله عنه قال: ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسولِ اللهِ ﷺ فقالَ: ((أَحْسَنُهَا الفَأْلُ. وَلاَ تَرُدُّ مُسْلِماً فإذا رَأى أحَدُكُمْ ما يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ لاَ يَأْتِي بِالحَسَناتِ إلاَّ أنْتَ، وَلاَ يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إلاَّ أنْتَ، وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إلاَّ بِكَ)) (حديث صحيح رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:-حضرت عروہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے طِیَرَہ کا تذکرہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس میں بہترین چیز نیک فالی ہے۔

اور بدشگونی کسی مسلمان کو اپنے کام میں آگے بڑھنے سے باز نہ رکھے۔ البتہ کبھی ایسی ناپسندیدہ چیز آنکھوں کے سامنے آجائے اور اس کی وجہ سے دل میں ایسا وسوسہ پیدا ہو تو اس وقت یہ دعا پڑھ لے: اے اللہ! بھلائیوں کا لانے والا تو ہی ہے، اور برائیوں کو دور کرنے والا بھی تو ہی ہے، اور نہیں ہے گناہ سے بچنے کی قوت، اور نیکی کی طاقت؛ مگر تیرے ہی توفیق دینے سے (اگر یہ دعا پڑھ لے گا تو دل میں وہ جو خیال آیا تھا، اس کے نقصان سے حفاظت ہو جائے گی۔)

افادات:۔ جیسا کہ ایک آدمی اپنے مقصد کے لیے نکلا اور باہر جن چیزوں سے بدشگونی لی جاتی ہے، مثلاً: بلی سامنے سے گزر گئی، تو سوچنے لگتے ہیں کہ اب پتہ نہیں اس کام میں کامیابی ہوتی ہے یا نہیں۔ اہلِ ایمان کو تو اس کا خیال بھی نہیں آتا، لیکن دوسروں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے کبھی ایسا خیال آجائے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے خیال کی وجہ سے وہ اپنے کام سے باز نہ آجائے، بلکہ جس کام کے لیے نکلا ہے اس میں آگے بڑھے، اور یہ دعا پڑھ لے۔

باب تحريم تصوير الحيوان في بساط
أو حجر أو ثوب أو درهم أو دينار
أو مخدة أو وسادة وغير ذلك
وتحريم اتخاذ الصور في حائط و سقف
و ستر وعمامة وثوب ونحوها
والأمر بإتلاف الصور

فرش، پتھر، کپڑے، سکے، دینار، تکیے، بستر،
دیوار، چھت پردے اور عمامہ وغیرہ پر
کسی جاندار کی تصویر بنانے کی حرمت
اور تصویر کو ختم کرنے کا حکم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جس طرح تصویر رکھنا حرام ہے اسی طرح تصویر بنانا بھی حرام ہے۔ اور اگر جاندار کی کوئی تصویر ہو تو ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ اس میں صورت باقی نہ رہے۔

۱۶۷۸:- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قال: ((إنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ.)) (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگ تصویریں بناتے ہیں، قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا: تم نے جو چیز پیدا کی (یعنی جو تصویر تم نے بنائی) اس میں جان ڈالو۔ (دوسری روایت میں ہے کہ وہ جان نہیں ڈال سکیں گے اور اس کی بنا پر ان کو عذاب ہوتا رہے گا)

افادات:- تصویر کا بنانا بھی حرام ہے اور تصویر کا استعمال کرنا بھی حرام ہے، اور اگر تصویر ہو تو اس کو ضائع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اِلا یہ کہ وہ تصویر ایسی جگہ پر ہو جہاں اس کی عزت نہ ہوتی ہو، بلکہ توہین ہوتی ہو؛ تو اس صورت میں باقی رہتے ہوئے بھی گنجائش ہے۔

قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب

۱۶۷۹:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا، قالت: قَدِمَ رسُولُ اللّٰہِ ﷺ مِنْ سَفَرٍ، وَقَدْ سَتَرْتُ سَهْوَةً لِي بِقِرَامٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ تَلَوَّنَ وَجْهُهُ، وقَالَ: ((يَا عَائِشَةُ، أَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً عِنْدَ اللّٰہِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ

يُضَاهُونَ بِخَلْقِ اللهِ!)) قَالَتْ: فَقَطَعْنَاهُ فَجَعَلْنَا مِنهُ وِسَادَةً أَوْ وِسَادَتَيْنِ.

(متفق علیہ)

((القِرامُ)) بكسرِ القاف هو: السِّترُ. ((وَالسَّهْوَةُ)) بفتح السينِ المهملة. وهي: الصُّفَّةُ تَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ البَيْتِ، وقيلَ: هِيَ الطَّاقُ النَّافِذُ في الحائِطِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس تشریف لائے، میرے گھر میں جو چبوترہ تھا اس کو میں نے ایک پردے کے ذریعہ سے ڈھانپ رکھا تھا، اس پردے میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پردے کو دیکھا تو غصہ کی وجہ سے آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا: اے عائشہ! قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں (یعنی کسی چیز کو بنانا اور پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اور تصویر بنانے والے صرف شکل وصورت بنا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس صفتِ تخلیق میں اپنے آپ کو اس کا برابر قرار دینا چاہتے ہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی ان کو سخت عذاب دے گا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد اور تنبیہ کے بعد ہم نے اس پردے کو کاٹ دیا، جس کی وجہ سے وہ تصویر بھی کٹ گئی، پھر اس پردے سے ہم نے ایک یا دو تکیے بنا لیے۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ کسی کپڑے پر، یا جہاں تصویر بنی ہوئی ہے، اگر اس کو اس طرح کاٹ دیا جائے تاکہ تصویر باقی نہ رہے، یا اس کے سر اور چہرہ وغیرہ کو ختم کر دیا جائے؛ تو پھر اس کو استعمال میں رکھنے کی گنجائش ہے۔

''سَهْوَةٌ'' چبوترے کو بھی کہتے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرا ترجمہ ''دیوار کے اندر کا طاقچہ'' بھی کیا ہے۔ پرانے زمانہ میں گھروں میں دو کمروں کے بیچ کی دیوار میں بنایا جاتا تھا جس میں دِیا، بتی اور لالٹین رکھی جاتی تھی؛ تاکہ دونوں کمروں

میں روشنی ہو۔ بہر حال! وہ پردہ انہوں نے چبوترے پر یا طاقچہ پر لٹکا رکھا تھا۔

ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا

۱۶۸۰:-عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سمعتُ رسولَ اللّٰہِ ﷺ یقولُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِى النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ فَيُعَذِّبُهُ فِى جَهَنَّمَ. قال ابن عباس: فَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلاً، فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوحَ فِيهِ. (متفق علیہ)

ترجمہ مع تشریح:۔(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی روایت مسلم شریف میں ہے جس میں یہ ہے کہ ایک تصویر بنانے والا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا کہ میرا پیشہ اور کاروبار ہی تصویر بنانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا: اِدھر آؤ، جب وہ قریب آیا تو اس سے کہا اور قریب آؤ، پھر اور قریب بلایا، یہاں تک کہ جب وہ بالکل نزدیک آ گیا تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:) میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا، اور جتنی بھی تصویریں بنائی ہیں، ہر ایک تصویر کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایک جان پیدا کریں گے جس کے ذریعہ سے اس کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا (گویا وہی اس کے لیے مزید تکلیف پہنچنے کا ذریعہ بنی۔ روایتوں میں ہے کہ جب اس آدمی نے سنا تو وہ بالکل ڈھیلا ہو گیا، اور اس کے حوصلے ختم ہو گئے کہ اب تو میرا کاروبار ختم ہو گیا، اب میں کہیں کا نہیں رہا) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا: اگر تصویر بنانا ہی ہو (یعنی اگر تصویر بنانے سے ہی تمہارا کاروبار اور پیشہ چلتا ہے اور تمہیں روزی ملتی ہے) تو درخت یا ایسی چیز کی تصویر بنالو جس میں جان نہ ہو (یعنی جاندار کی تصویر مت بناؤ، بے جان چیز کی تصویر بنایا کرو۔)

۱۶۸۱:-وعنه قال: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ یقول: ((مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِي الدُّنْيَا، كُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ)). (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس آدمی نے دنیا میں تصویر بنائی اس کو قیامت کے روز اس بات کا پابند کیا جائے گا کہ اس میں جان ڈال، اور وہ جان نہیں ڈال سکے گا (جب تک جان نہیں ڈالے گا اس کو عذاب دیا جاتا رہے گا۔)

۱۶۸۲:-وعن ابن مسعودٍ رضی الله عنه قال: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ یقولُ: ((إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ.)) (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب والے وہ ہوں گے جو تصویر بناتے ہیں۔

افادات:- بعض لوگ شوقیہ تصویریں اتارتے رہتے ہیں، جیسے آج کل نوجوانوں میں عام ہو گیا ہے کہ شادی کا موقعہ ہو، یا کہیں تفریح میں چلے گئے، تو کیمرہ ساتھ لے لیتے ہیں، اور اب تو موبائل میں ہی کیمرے ہوتے ہیں، اس سے موقعہ بموقعہ تصویریں بنواتے ہیں، اور دوسروں کی بھی بناتے رہتے ہیں؛ وہ سب ان وعیدوں میں داخل ہیں۔

اس سے بڑا ظالم کون ہوگا

۱۶۸۳:-وعن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: سمعتُ رسُولَ اللهِ ﷺ یقولُ: ((قَالَ اللهُ تَعَالَى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي؟ فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ

لِيَخْلُقُوا حَبَّةً، أَوْلِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً)). (متفق علیہ)

ترجمہ مع تشریح:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو میری جیسی خِلقت بنانے کی کوشش کرتا ہے (اگر اس میں ہمت ہے تو بڑی مخلوق تو دور کی بات رہی) ایک چیونٹی ہی پیدا کر کے بتائے (اور چیونٹی بھی زندہ اور چلنے پھرنے والی مخلوق ہے، اس کو بھی چھوڑو) گیہوں کا ایک دانہ، یا جَو کا ایک دانہ ہی پیدا کر کے بتائے (اور گارنٹی ہے کہ وہ پیدا نہیں کر سکتا؛ تو پھر ایسی حرکت کیوں کرتا ہے؟)

افادات:۔ تخلیق یعنی کسی کو پیدا کرنا اور بنانا تو میرا کام اور میری صفت ہے، اور تصویر بنانے والا تصویر بنا کر میری اس صفت کی برابری کرنا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے باری تعالیٰ اس پر اتنے غضبناک ہوتے ہیں۔

ایسی جگہ فرشتے داخل نہیں ہوتے

۱۶۸۴:۔ وعن أبي طلحة رضي الله عنه: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لاَتَدْخُلُ الـمَلاَئِكَةُ بَيْتاً فِيهِ كَلْبٌ وَلاَ صُورَةٌ. (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسے مکان اور ایسی جگہ میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

افادات:۔ ''بیت'' سے مراد رہائشی جگہ ہے، چاہے مکان ہو، خیمہ ہو، کچا گھر ہو، پکا گھر ہو۔ شرّاح نے لکھا ہے کہ یہاں رحمت کے فرشتے مراد ہیں۔ ہاں! جو فرشتے آدمی کے اعمال کی نگرانی کے لیے مقرر ہیں وہ تو ساتھ ہی رہتے ہیں، ہاں! رحمت والے فرشتے ایسے مکان یا جگہ میں نہیں آتے جہاں کتا یا تصویر ہوتی ہے۔

جس گھر میں کتا یا تصویر ہو

۱۶۸۵:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: وَعَدَ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ جِبْرِيلُ أَنْ يَأْتِيَهُ، فَرَاثَ عَلَيْهِ حَتَّى اشْتَدَّ عَلَى رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ فَخَرَجَ فَلَقِيَهُ جِبرِيلُ فَشَكَا إِلَيهِ، فَقَالَ: إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتاً فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ. (رواهُ البُخاری)

((رَاثَ)): أَبْطَأَ، وهو بالثاء المثلثة.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مقررہ وقت میں آنے کا وعدہ کیا، جب وہ مقررہ وقت آیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آمد کا انتظار کرتے رہے، لیکن انہوں نے تاخیر کی، یہ چیز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت گراں گزری (آئندہ روایت میں آرہا ہے کہ جب ملاقات ہوئی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ کا ایلچی اور فرشتہ تو وعدہ خلافی نہیں کرسکتا؛ پھر ایسا کیوں کر ہوا؟) جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام باہر ہی موجود تھے، ان سے ملاقات ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکوہ کیا (کہ آپ نے تو وعدہ کیا تھا، میں کب سے آپ کا انتظار کررہا ہوں، آپ تشریف نہیں لائے؟) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں ہم (فرشتے) داخل نہیں ہوتے۔

افادات:- دراصل کتے کا ایک بچہ گھر کے اندر گھس آیا تھا جس کا پتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے گھر والوں کو بھی نہیں تھا، اس وجہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام اندر نہیں آئے۔

۱۶۸۶:-وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: واعَدَ رسُولَ اللّٰہِ ﷺ جبريلُ عليهِ السَّلامُ فِي سَاعَةٍ أَنْ يَأْتِيَهُ، فَجَاءَتْ تِلْكَ السَّاعَةُ وَلَمْ يَأْتِهِ! قَالَتْ:

وَكَانَ بِيَدِهِ عَصاً، فَطَرَحَهَا مِنْ يَدِهِ وَهُوَ يَقُولُ: مَا يُخْلِفُ اللهُ وَعْدَهُ وَلَا رُسُلُهُ، ثُمَّ الْتَفَتَ، فَإِذَا جَرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ سَرِيرِهِ. فَقَالَ: مَتَى دَخَلَ هَذَا الْكَلْبُ؟ فَقُلْتُ: وَاللهِ مَا دَرَيْتُ بِهِ، فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ. فَجَاءَهُ جِبْرِيلُ عليه السلام فقال رسول الله ﷺ: وَعَدْتَنِي، فَجَلَسْتُ لَكَ وَلَمْ تَأْتِنِي؟ فقال: مَنَعَنِي الْكَلْبُ الَّذِي كَانَ فِي بَيْتِكَ، إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتاً فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ. (رواہ مسلم)

(اس روایت میں بھی وہی قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے ذرا تفصیل سے ہے)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مقررہ وقت میں آنے کا وعدہ کیا، جب مقررہ وقت آیا تو حضرت جبرئیل تشریف لے آئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گھر میں نہیں آئے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں چھڑی تھی، آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے انتظار میں بے چین تھے، اسی بے چینی کی حالت میں آپ نے وہ لکڑی زمین پر پٹکی اور فرمانے لگے: اللہ اور اس کا ایلچی تو وعدہ خلافی نہیں کر سکتے؛ پھر ابھی تک کیوں نہیں آئے؟ ایسا کرنے کے بعد جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو آپ کی چارپائی کے نیچے کتے کا چھوٹا سا پلّا تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یہ کتا کب گھر میں آ گیا؟ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی معلوم نہیں کہ یہ کب گھس آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کتے کے بچے کو گھر سے باہر نکالنے کا حکم فرمایا۔ جیسے ہی اس کو نکالا گیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اندر تشریف لائے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکایت کی کہ آپ نے میرے ساتھ ایک مقرر وقت پر آنے کا وعدہ کیا تھا، میں تو آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن آپ تشریف نہیں لائے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: کتے کا پلّا جو گھر میں گھس آیا تھا، اس نے مجھے آنے نہیں دیا، اس لیے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو؛ ہم (فرشتے) اس گھر

میں نہیں آتے۔

افادات:۔ آج کل تو لوگ گھروں میں شوقیہ تصویریں رکھتے ہیں جس کے نتیجہ میں رحمت کے فرشتوں کا اس گھر میں آنا بند ہو جاتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلق کتا مراد ہے۔ اور آگے آئے گا کہ بعض صورتوں میں کتے کے پالنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ جن کتوں کو پالنے کی اجازت دی گئی ہے وہ اگر کسی گھر میں ہوں تو فرشتے ایسے گھر میں آئیں گے۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ مطلقاً کتے کے گھر میں ہونے کی صورت میں فرشتے گھر میں نہیں آئیں گے۔ یہی حال تصویر کا بھی ہے۔ البتہ اگر تصویر چُھپی ہوئی اور بند ہو؛ تو یہ حکم نہیں ہے۔ اگر کھلی ہوئی ہو اور باعزت جگہ پر رکھی ہوئی ہو تب تو یہی حکم ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص مشن

۱۶۸۷:-وعن أبي الهَيَّاجِ حَيَّانَ بن حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لِيْ عَلِيُّ بن أبي طالب رضي الله عنه: أَلاَ أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ أن لاَ تَدَعَ صُورَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا، وَلاَ قَبْراً مُشْرِفاً إِلاَّ سَوَّيْتَهُ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو الہیّاج، حَیّان بن حُصَین اسدی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنی حیاتِ طیبہ میں جس خاص مشن پر روانہ کیا تھا؛ میں تم کو اسی مہم پر نہ بھیجوں؟ (وہ مشن یہ تھا کہ) جو تصویر بھی دیکھو؛ اس کو مٹا دو۔ اور جو قبر بھی اُبھری ہوئی دیکھو؛ اس کو زمین کے برابر کر دو۔

افادات:۔ قبر ایک بالشت تک اونچی رکھنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ ہو؛ تو اس کو کم کر دینا چاہیے۔

باب تحریم اتخاذ الکلب إلا لصید أو ماشیة أو زرع

کتے کو پالنے کا حرام ہونا، سوائے یہ کہ شکار کے لیے ہو، یا مویشیوں جانوروں اور کھیتی باڑی کی حفاظت کے لیے ہو

اسلام میں کتوں کو پالنے سے منع کیا گیا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو شروع میں آپ نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا تھا، چناں چہ جہاں بھی کتے نظر آتے تو حضراتِ صحابہ ان کو ختم کر دیتے تھے، پھر بعد میں مارنے والا حکم تو واپس لے لیا گیا؛ لیکن کتوں کو گھر میں لانے اور پالنے کی ممانعت باقی ہے۔

اعمال کے اجر وثواب میں روزانہ کمی ہوگی

۱۶۸۸:- عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: سمعتُ رسُولَ اللهِ ﷺ يقولُ: ((مَنِ اقْتَنَى كَلْباً إلاَّ كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ فَإنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ)) (متفق علیه) وفی رواية: ((قِيرَاطٌ))

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس نے کتا پالا؛ سوائے یہ کہ وہ شکار کے لیے ہو، یا مویشیوں اور جانوروں کی حفاظت کے لیے ہو (گویا ان کا استثناء کر دیا گیا کہ وہ اس حکم میں داخل نہیں) تو اس کے اعمال کے اجر وثواب میں سے ہر دن دو قیراط کم ہوں گے۔

ایک روایت میں ایک قیراط کا تذکرہ آیا ہے۔

افادات:۔ یعنی اگر کسی نے محض شوقیہ کتا پالا جیسا کہ آج کل شوقیہ کتا پالنے کی تہذیب ہوگئی ہے؛ تو اس کا یہی حکم ہے۔

ایک دینار بیس قیراط کا ہوتا ہے، تو ایک قیراط یعنی دینار کا بیسواں حصہ۔ اور اہلِ شام کے نزدیک دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے۔

یہاں قیراط سے کیا مراد ہے؟ تو تمام شرّاح فرماتے ہیں کہ ثواب کی ایک مخصوص مقدار مراد ہے، اور وہ کتنی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو آدمی کتا پالے گا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جتنے بھی نیک اعمال کرے گا اور ان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو ثواب بھی مقرر ہے، ان اعمالِ صالحہ پر ملنے والے ثواب میں سے ایک حصہ کاٹ دیا جائے گا۔

آج اگر ہمیں بتلا دیا جائے کہ اگر تم فلاں حرکت کروگے تو تمہاری تنخواہ میں سے اتنا کٹ جائے گا؛ تو ہم میں سے کوئی بھی وہ حرکت نہیں کرے گا، کیوں کہ دو پیسے ہمیں بڑے مرغوب ہیں۔ تو جہاں تنخواہ کٹتی ہو وہ کام ہم نہیں کریں گے، اور یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعمال پر جو ثواب دیا جاتا ہے اس کے متعلق بتلایا جارہا ہے کہ کتا پالنے کی صورت میں وہ ثواب کٹ جاتا ہے؛ پھر بھی اس کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔

۱۶۸۹:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: مَنْ

أَمْسَكَ كَلْباً، فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ إِلاَّ كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ مَاشِيَةٍ.

(متفق علیہ)

وفی روایۃ لمسلم: ((مَنِ اقْتَنَى كَلْباً لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ، وَلاَ مَاشِيَةٍ وَلاَ أَرْضٍ، فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ قِيرَاطَانِ كُلَّ يَوْمٍ)).

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کتا پالا تو ہر دن اس کے عمل میں سے ایک قیراط کے برابر ثواب کم ہوجائے گا؛ سوائے یہ کہ وہ کھیتی باڑی یا مویشیوں کی حفاظت کے لیے پالا ہو۔

اور مسلم شریف کی روایت میں یہ ہے کہ: جس آدمی نے کتا پالا، اگر وہ شکار کے لیے، یا جانوروں اور مویشیوں، یا کھیتی باڑی اور زمین کی حفاظت کے لیے نہیں ہے؛ تو اس کے ثواب میں سے روزانہ دو قیراط کم ہوں گے۔

افادات:- علماء نے یہی لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ پر مکان کی حفاظت کتے کے بغیر ممکن نہ ہو؛ تو اس کی حفاظت کے لیے رکھا ہوا کتا اس حکم میں داخل ہے، یعنی اس کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ یا جانوروں کی حفاظت کے لیے کتا پالا ہو۔ جیسے: بکریوں کو جنگل میں چرانے کے لیے جب بھیجا جاتا ہے، تو عام طور پر وہاں بھیڑیا آکر بکریوں کا شکار کرلیتا ہے، تو بھیڑیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اور بکریوں کو بھیڑیوں کے حملوں سے بچانے کے لیے، یا شکار کے لیے کتا پالنے کی اجازت ہے۔ تو جن جن صورتوں میں شریعت کی طرف سے کتا پالنے کی اجازت دی گئی ہے اگر ان میں سے کوئی صورت ہے تو پھر ثواب میں کمی نہیں آئے گی۔

ثواب میں کمی کیوں آتی ہے؟

اگر چہ کسی حدیث میں اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے، لیکن حضراتِ شرّاح نے اس پر کلام کیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: کتے کی وجہ سے کہیں نہ کہیں نجاست میں تلویث ہو ہی جاتی ہے، اس لیے کہ عموماً وہ اپنی رال ٹپکاتا رہتا ہے اور وہ اس کو پالنے والے کے کپڑوں پر، یا زمین کے کسی حصہ پر لگے گی جس کی وجہ سے عبادت میں نقص آجائے گا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: اس کتے کہ وجہ سے چوں کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کی عادت بھونکنے کی ہے، اور اس کے بھونکنے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں سہم اور ڈر پیدا ہوگا۔ بعض مرتبہ وہ نہیں بھونکتا تب بھی کھڑے ہوئے کتے کی وجہ سے بعض لوگوں کے دل ڈر پیدا ہوتا ہے؛ تو لوگوں کو اس کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے اس وجہ سے ثواب میں کمی آتی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: آدمیوں کے اعتبار سے کمی ہوگی۔ یعنی بعض لوگوں کے اعمال سے ایک قیراط کی کمی آئے گی، بعضوں کے لیے دو قیراط کی کمی ہوگی۔

ایک اور دو قیراط کے بارے میں اکثر شرّاح نے فرمایا ہے کہ جہاں کہیں زیادہ کا عدد ہو؛ وہی مراد ہوتا ہے، یعنی دو قیراط کم ہوں گے۔

باب کراهیة تعلیق الجرس فی البعیر وغیره من الدواب وکراهیة استصحاب الکلب والجرس فی السفر

اونٹ یا دوسرے جانوروں کی گردن میں گھنٹی لٹکانے کی ممانعت اور سفر میں کتے، یا گھنٹی لگے ہوئے جانور کو اپنے ساتھ رکھنے کی ممانعت

۱۶۹۰:–عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: لَاتَصۡحَبُ الۡمَلَائِکَةُ رُفۡقَةً فِیهَا کَلۡبٌ أَوۡ جَرَسٌ.(رواہ مسلم)

ترجمہ:–حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ رفقاءِ سفر جن کے ساتھ کتا ہو، یا جانور کے ساتھ گھنٹی لگی ہوئی ہو؛ ان کے ساتھ فرشتے نہیں رہتے (گویا فرشتے ان سے دور ہوجاتے ہیں)

افادات:–کتے کی تفصیل اوپر والے باب میں آگئی۔ اور گھنٹی کے لیے

بھی یہی حکم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: اس سے بڑی گھنٹی مراد ہے۔ اور ناقوس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اس سے منع کیا گیا ہے، اور اسی علت کی وجہ سے عورتوں اور بچیوں کے لیے بجنے والا ایسا زیور یا پازیب پہننا جس میں گھنٹیاں بجتی ہوں اس کی ممانعت ہے۔

لیکن اکثر حضراتِ شرّاح فرماتے ہیں: ویسے ہی شوقیہ یا لذت حاصل کرنے کے لیے، یا دلوں کو تسلی دینے کے لیے اگر گھنٹی لگائی ہے کہ جب جانور چلے گا تو گھنٹی بجے گی اور اچھا لگے گا؛ تو اس کے لیے یہ حکم ہے۔ لیکن اگر کسی ضرورت کی وجہ سے لگائی ہے، مثال کے طور پر بعض مرتبہ کسی قافلہ کے اندر گھنٹی اس لیے لگائی جاتی ہے کہ اگر قافلہ میں سے کوئی آدمی پیچھے رہ گیا تو گھنٹی کی آواز سن کر اس کو قافلہ کا پتہ چل جائے گا، یا اس وجہ سے گھنٹی لگائی کہ جانوروں کو چلنے میں آسانی ہوگی، اور گھنٹی کی آواز سن کر جانوروں میں چلنے کا جوش پیدا ہوتا ہے؛ تو اس صورت میں اس کی اجازت ہے۔

گھنٹی شیطان کی بنسری ہے

۱۶۹۱:- وعنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قال: الجَرَسُ مَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھنٹی شیطان کی بنسریاں ہے۔

افادات:- مَزَامِیر، مِزْمارٌ کی جمع ہے، جس کا معنیٰ بنسری ہوتا ہے، جس کو ہم پِپُوڑی (rvtvtqze) بھی کہتے ہیں۔ اس روایت سے فرشتوں کے ایسے گھروں میں نہ آنے کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہوتی ہے۔

باب کراهية ركوب الجلالة وهى البعير أو الناقة الّتى تأكل العذر.

فإن أكلت علفًا طاهراً فطاب لحمها زالت الكراهة

نجاست کھانے کے عادی جانور پر سواری کی کراہت

بعض حلال جانور ایسے ہوتے ہیں جن کو نجاست کھانے کی عادت پڑ جاتی ہے، بعض اونٹ ایسے ہوتے ہیں جن کو پاخانہ کھانے کی عادت پڑ جاتی ہے، یا بعض اونٹنیاں ایسی ہوتی ہیں جو گندگی کھاتی ہیں، گائے بھی کبھی اس کی عادی ہو جاتی ہے، مرغی بھی کبھی گندگی کھانے لگتی ہے۔ تو سواری کے جس جانور کو بھی نجاست کھانے کی عادت پڑ گئی ہو تو اس کے گوشت میں بھی ایک قسم کی سڑانڈ اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اور اس سے اس کا پسینہ بھی متأثر ہو جاتا ہے، اس لیے ایسے جانور پر سوار ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ اگر کچھ دن اس کو باندھے ہوئے رکھ کر نجاست کھانے کا موقعہ نہ دیا جائے اور گھاس کھلائی جاتی رہے یہاں تک کہ نجاست کھانے کی وجہ سے اس کے گوشت میں جو اثر آ گیا تھا وہ باقی نہ رہے، اور وہ سرانڈ ختم ہو جائے؛ تو اب اس پر سوار ہونے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ کوئی مرغی بھی اگر نجاست کھانے کی عادی ہو گئی ہو تو اس کے لیے یہی حکم ہے کہ اس کو گھر میں باندھ دیا جائے اور چند روز کے لیے اس کو نجاست کھانے کا موقعہ نہ دیا جائے یہاں تک کہ نجاست کے وہ اثرات زائل ہو جائیں؛ اس

کے بعد پھر اس کو ذبح کیا جائے۔

۱۶۹۲:-وعن ابن عمر رضی الله عنهما قال: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الجَلَّالَةِ فِي الإِبِلِ أَنْ يُرْكَبَ عَلَيْهَا. (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری کے ایسے اونٹ پر سوار ہونے سے منع فرمایا جو نجاست کھاتا ہو۔

باب النهى عن البصاق فى المسجد، والأمر بإزالته منه إذا وجه فيه، والأمر بتنزيه المسجد عن الاقذار

مسجد میں تھوکنے کی ممانعت، اگر مسجد میں تھوک نظر آجائے تو اس کو دور کرنے اور گندی چیزوں سے مسجد کو پاک رکھنے کا حکم

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے

۱۶۹۳:- عن أنس رضى الله عنه أنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: ((البُصاقُ فى المَسْجِدِ خَطِيئَةٌ، وَ كَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے؛ جس کا کفارہ اس تھوک کو دفن کر دینا ہے۔

والمرادُ بِدَفْنِهَا إذَا كَانَ المَسْجِدُ تُرَاباً أَوْ رَمْلاً وَنَحْوَهُ، فَيُوَارِيهَا تَحْتَ تُرَابِهِ. قالَ أبُو المحاسِنِ الرُّويَانِي مِنْ أصحابِنا فى كِتَابِهِ " البحر " وقِيلَ:

الْمُرَادُ بِدَفْنِهَا إِخْرَاجُهَا مِنَ الْمَسْجِدِ، أَمَّا إِذَا كَانَ الْمَسْجِدُ مُبَلَّطاً أَوْ مُجَصَّصاً، فَدَلَكَهَا عَلَيْهِ بِمَدَاسِهِ أَوْ بِغَيْرِهِ كَمَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِنَ الْجُهَّالِ، فَلَيْسَ ذَلِكَ بِدَفْنٍ، بَلْ زِيَادَةٌ فِي الْخَطِيئَةِ وَتَكْثِيرٌ لِلْقَذَرِ فِي الْمَسْجِدِ، وَعَلَى مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ أَنْ يَمْسَحَهُ بَعْدَ ذَلِكَ بِثَوْبِهِ أَوْ بِيَدِهِ أَوْ غَيْرِهِ أَوْ يَغْسِلَهُ.

افادات:۔اس باب میں مسجد کے آداب کے متعلق کچھ باتیں بتلانا چاہتے ہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تھوک کو دفن کرنے کا مطلب بتلاتے ہیں کہ: پہلے زمانہ میں مسجدوں کا فرش ایسا نہیں ہوتا تھا جیسا کہ آج کل پختہ فرش ہوتا ہے جس پر دریاں اور قالین وغیرہ بچھے ہوئے ہوتے ہیں، بلکہ مسجد کے اندر ریت، مٹی اور کنکریاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں۔آج بھی راجستھان کے علاقہ میں آپ جائیں گے تو بعض مسجدیں ایسی ہی ملیں گی جہاں ریت بچھی ہوئی ہوتی ہے۔تو اگر مسجد کا فرش پختہ نہیں ہے، بلکہ مٹی ریت یا اس جیسی کوئی اور چیز ہے تو ایسی صورت میں زمین کو کھود کر تھوک کو نیچے چھپا دیا جائے، اور اوپر سے دوسری ریت ڈال دی جائے۔شوافع کے ایک بڑے عالم ابوالمحاسن رویانی کے حوالہ سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بتلاتے ہیں کہ: تھوک کو دفن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تھوک کو مسجد سے نکال دیا جائے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث میں جو آیا ہے کہ ”تھوک کو دفن کردینا اس گناہ کا کفارہ ہے“ یہ اسی وقت ہے جب کہ مسجد میں ریت، مٹی یا کنکر وغیرہ بچھی ہوئی ہو، لیکن اگر مسجد کا فرش پتھر، چونے، گچ، سمینٹ، یا آر، سی، سی (RCC) کا بنا ہوا ہو (یعنی پختہ ہو) اور اس پر تھوک گرا ہوا ہو تو بعض لوگ اس کو اپنے جوتے، پاؤں یا کسی

چیز سے مل دیتے ہیں، گویا اس کو وہاں گھس دیا کرتے ہیں؛ یہ دفن کرنا نہیں ہوا، بلکہ یہ تو مسجد کو اور زیادہ ملوث کرنا ہوا۔ اور اس سے گناہ گھٹے گا نہیں، بلکہ اور بڑھے گا۔ اور اگر کسی آدمی نے نادانی اور ناواقفیت کی وجہ سے ایسا کرلیا ہو تو اس کو چاہیے کہ کپڑے یا اپنے ہاتھ سے، یا کسی اور طریقہ سے اس کو دھو کر صاف کردے۔ اور جب تک وہ ایسا نہیں کرے گا اس فعل کے گناہ سے پاک نہیں ہوگا۔

اس روایت سے مسجد میں تھوکنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اہتمام فرمایا

۱۶۹۴:-وعن عائشة رَضِيَ اللهُ عنها: أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ رَأَى فِي جِدَارِ القِبْلَةِ مُخَاطاً، أَوْ بُزَاقاً، أَوْ نُخَامَةً، فَحَكَّهُ.(متفق عَلَيْهِ.)

ترجمہ:-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مسجد نبوی میں قبلہ والی (سامنے کی) دیوار میں تھوک یا بلغم دیکھا تو اس کو وہاں سے دور فرمادیا۔

افادات:-بلغم ایک تو گلے سے اوپر کی طرف چڑھتا ہے، جس کو ''نُخَامَة'' کہتے ہیں۔ اور اگر دماغ سے نیچے اترتا ہے تو اس کو ''مُخَاط'' کہتے ہیں۔ اردو میں دونوں بلغم ہی کہلاتے ہیں۔

کسی نے تھوکا ہوگا وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ دیوار کے اوپر لگا ہوا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس کو کھرچ کر دُور کردیا۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد آپ نے خوشبو منگوائی اور وہاں پر لگائی۔

مسجدوں کو دھونی دینے اور اس میں خوشبو لگانے کا بھی حکم ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں خوشبو کی دھونی دینے کا معمول تھا۔

مسجدیں گندگی کے لیے نہیں بنائی گئیں

۱۶۹۵:-وعن أنس رضی اللہ عنہ أنَّ رسولَ اللہِ ﷺ قَالَ: ((إنَّ هٰذِہِ المَسَاجِدَ لاَ تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا البَوْلِ وَلاَ القَذَرِ، إنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللہِ تَعَالَى، وَقِرَاءَةِ القُرْآنِ)) أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: مسجدیں پیشاب یا گندگی کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد (نماز پڑھنے) قرآنِ پاک کی تلاوت (تعلیم اور تسبیحات وغیرہ) کے لیے بنائی گئی ہیں۔

سوال، دعا، اور عمل

افادات:- ایک مرتبہ ایک دیہاتی آیا، اور وہ کسی بھی قسم کے آداب وغیرہ سے واقف نہیں تھا۔ اس نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: ''مَتَى السَّاعَةُ'' قیامت کب ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''وَمَا أَعْدَدتَّ لَهَا؟'' تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوال سن کر وہ تھوڑی دیر تو خاموش ہوگیا، اس کے بعد اس نے عرض کیا: ''مَا أَعْدَدتُّ لَهَا كَثِيْرَ صَلٰوةٍ وَلَا صَوْمٍ'' اس کے لیے میں نے زیادہ نماز روزے کی تیاری تو نہیں کی ہے، صرف فرائض پر اکتفا کرتا ہوں، البتہ آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ یہ سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ'' آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ رہے گا۔

پھر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگا: أَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا، وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا'' اے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم کیجیے، اور کسی پر رحم

مت کیجیے۔ اس کی یہ دعا سن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''لَقَدْ حَجَّرْتَ وَاسِعًا'' اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بڑی کشادہ ہے، تو نے اس کو بہت تنگ کردیا۔

اس کے بعد اس کو پیشاب کا تقاضا ہوا تو وہیں مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس کو دیکھا کہ پیشاب کررہا ہے؛ تو سب ہی اپنی اپنی جگہ سے اس کو دھتکارنے اور ڈانٹنے لگے کہ تو یہ کیا کررہا ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب تو وہ شروع ہوچکا ہے، اس لیے اس کو پیشاب کرلینے دو۔ اس لیے کہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ بند کرلے گا تو وہ اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ یا اُٹھ کر چلنے لگے گا، تو ابھی تو تھوڑی سی جگہ ہی ملوث ہورہی ہے، اس صورت میں پوری جگہ کو خراب کرے گا۔ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پانی سے بھری ہوئی ایک بالٹی منگوائی اور اس پر ڈلوادی، اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو سمجھایا: بھائی! یہ مسجدیں ہیں، مناسب نہیں کہ ان میں پیشاب کیا جائے، یا کوئی بھی گندگی کی جائے؛ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد، نماز، قرآنِ پاک کی تلاوت وتعلیم اور تسبیحات کے لیے بنائی گئی ہیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو بڑی محبت سے مسجد کے مقاصد بتائے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ مسجد میں کسی بھی قسم کی گندگی نہیں ہونی چاہیے۔

تھوک اور بلغم ویسے تو پاک ہے، اگر ہمارے کپڑوں پر لگا ہوا ہو، یا جسم کے کسی حصہ پر لگا ہوا ہو تو اس کی وجہ سے نماز پر کوئی آنچ نہیں آتی؛ لیکن ایک گندی چیز سمجھی جاتی ہے، اس لیے مسجد کو اس سے صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

باب كراهية الخصومة فى المسجد ورفع الصوت فيه ونشد الضالة والبيع والشراء والإجارة ونحوها من المعاملات

مسجد میں جھگڑنا اور آپس میں بلند آواز میں دنیا کی باتیں کرنا، گمشدہ چیز کا اعلان کرنا، خرید فروخت کرنا، کرایہ داری وغیرہ کسی بھی قسم کا معاملہ کرنا؛ ناپسندیدہ اور ممنوع ہے

مسجد کے آداب میں تیسری چیز بتلاتے ہیں۔ مسجدیں آخرت کے بازار ہیں، یہ دنیا کے مارکیٹ نہیں کہ یہاں خرید وفروخت کی جائے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اَلْمَسَاجِدُ سُوْقٌ مِنْ أَسْوَاقِ الْآخِرَةِ، مَنْ دَخَلَهَا كَانَ ضَيْفًا لِلّٰهِ“ مسجدیں آخرت کے بازار ہیں، جو آدمی اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان بن جاتا ہے۔ مسجد کے آداب کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی چیزیں وہاں نہ ہوں۔ دنیا کی باتیں بھی وہاں نہیں ہونی چاہئیں؛ لیکن آج کل اس کی طرف سے بڑی

غفلت برتی جاتی ہے۔

فرشتے کا غصہ

علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المدخل'' میں ایک روایت نقل کی ہے کہ: جب کوئی آدمی مسجد میں بات چیت شروع کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: ''أُسْكُتْ يَاحَبِيْبَ الله'' اے اللہ کے دوست! خاموش ہوجا، اس کے بعد بھی اگر اس کی باتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو وہ کہتا ہے: ''أُسْكُتْ يَابَغِيْضَ الله'' اے اللہ کے دشمن! خاموش ہوجا۔ اس کے بعد بھی اگر باتیں چلتی رہتی ہیں تو وہ کہتا ہے: ''أُسْكُتْ، عَلَيْكَ لَعْنَةُ الله'' خاموش ہوجا؛ اللہ کی تجھ پر لعنت ہو۔ غور کرنے کی بات ہے کہ آدمی مسجد میں اس لیے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت لے کر جائے لیکن اس طرح کی لغویات میں مشغول ہوکر اپنے آپ پر بوجھ لے کر جاتا ہے۔ اس لیے بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہمارے اکابر مسجد کے آداب کی بڑی رعایت کرتے ہیں، خاص کر نماز کے اوقات میں تو بہت ہی زیادہ۔

بقول علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ: نماز کے اوقات تو شاہی دربار لگنے کا وقت ہے، اس وقت تو مزید آداب کا اہتمام ہونا چاہیے۔

مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں

۱۶۹۶:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه أنّه سمع رسولَ الله ﷺ يقول: مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ: لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ، فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو آدمی مسجد میں کسی کو اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے (کہ میرا جانور گم ہو گیا ہے، میری گھڑی گم ہو گئی ہے، میری فلاں چیز گم ہو گئی ہے؛ کسی کو ملی ہو تو مجھے بتلائے) تو اس کو جواب میں کہے: (تو نے مسجد کے اندر یہ اعلان کیا ہے، اس لیے) اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھے واپس نہ دے (یعنی اس کو بد دعا دینی چاہیے۔ اور بد دعا دینے کی وجہ یہ ہے کہ) مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں (اور تو نے مسجد کو اعلان کی جگہ بنا دیا۔)

افادات:- آج کل تو مسجد کے مائک سے عجیب عجیب اعلانات ہوتے ہیں۔ اور مائک مسجد کے حصے میں لگے ہوتے ہیں، منارہ مسجد کے اندر داخل ہے، مسجد کی اوپر کی چھت پر مائک لگا ہوتا ہے وہ بھی مسجد کے حکم میں ہے۔ اور مسجد کے اندر کے اسپیکروں سے اس طرح کے کوئی بھی اعلانات کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحتاً ارشاد فرمایا: مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔

۱۶۹۷:- وعنه: أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقُولُوا: لَا أَرْبَحَ اللهُ تِجَارَتَكَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَنْشُدُ ضَالَّةً فَقُولُوا: لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی آدمی کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو اس کو یہ دعا دو: اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ اور اگر کسی آدمی کو دیکھو کہ اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کرتا ہے (یا اعلان کے ذریعہ تلاش کرتا ہے) تو اس کو جواب میں کہو: اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھے واپس نہ لوٹائے۔

افادات:۔ ویسے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کسی کو بددعا نہیں دیتے تھے، لیکن یہاں تو بددعا کی تلقین فرما رہے ہیں؛ کیوں کہ اس آدمی نے مسجد کے آداب کی رعایت نہیں کی، اس نے مسجد کی حرمت کا خیال نہیں کیا اس لیے وہ اس لائق ہے کہ اس کو یہی کہا جائے۔ ہاں! کسی کی کوئی چیز مسجد ہی میں چھوٹ گئی ہے تو اعلان کیے بغیر اپنے طور پر چپکے سے مسجد میں تلاش کر لے؛ اس کی اجازت ہے۔ لیکن ایسا اعلان کرنا کہ میری فلاں چیز گم ہوگئی ہے، اور یہاں مسجد ہی میں رہ گئی ہے، کسی کو ملی ہو تو مجھے دیدے؛ اس کی اجازت نہیں۔ البتہ مسجد کے احاطہ کے باہر ایسا اعلان کیا جا سکتا ہے۔

تیرا اونٹ تجھے نہ ملے

۱۶۹۸:۔وعن بُرَيْدَةَ- رضی اللہ عنہ-: أَنَّ رَجُلاً نَشَدَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: مَنْ دَعَا إِلَى الْجَمَلِ الأَحْمَرِ؟ فَقَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((لَا وَجَدْتَ، إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے مسجد میں اعلان کیا: کون میرا لال اونٹ مجھے دلائے گا (مسلم شریف ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ ایک دیہاتی آیا اور مسجد کی کھڑکی میں سے اپنا منھ اندر کر کے کہنے لگا: میرا لال اونٹ گم ہوگیا ہے؛ کون مجھے بتلائے گا؟) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیرا اونٹ تجھے نہ ملے، مسجدیں تو اُسی کام کے لیے بنائی گئیں ہیں جس کے لیے ہیں (یعنی نماز، ذکر اور تلاوت وغیرہ کام کے لیے بنائی گئی ہیں)۔

مسجد میں حمد و نعتیہ اشعار پڑھنا

۱۶۹۹:۔وعن عمرو بن شعیب، عن أبیہ، عن جدّہٖ- رضی اللہ عنہ-:

أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الشِّرَاءِ والبَيْعِ فِي المَسْجِدِ، وَأَنْ تُنْشَدَ فِيهِ ضَالَّةٌ، أَوْ يُنْشَدَ فِيهِ شِعْرٌ. (رواہ أبو داود والترمذی، وقال: ((حدیث حسن)).

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی گم شدہ چیز کے لیے مسجد میں اعلان کیا جائے، یا اس میں اشعار پڑھے جائیں۔

افادات:- ہاں! اگر وہ اشعار ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے، یا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ہے، یا نصیحت کی باتیں ہیں؛ تو اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقاعدہ منبر رکھواتے تھے اور ان کو اشعار پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح مسجد میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اشعار پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ان کی گرفت کی؛ کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اور قریب تھا کہ ان کو سزا دیتے کہ انہوں نے کہا: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس کے لیے حکم دیا ہے، بلکہ میرے لیے دعا فرمائی ہے کہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میری مدد فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس بات کا گواہ کون ہے؟ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گواہی میں پیش فرمایا۔

میں تمہیں سزا دیتا

۱۷۰۰:- وعن السائبِ بن يزيد الصحابی رضی اللہ عنہ قَالَ: كُنْتُ فِي المَسْجِدِ، فَحَصَبَنِي رَجُلٌ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهذَيْنِ، فَجِئْتُهُ بِهِمَا، فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا؟ فَقَالا: مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ،

فَقَالَ: لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ، لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ! (رواه البخاری)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجدِ نبوی میں تھا کہ ایک آدمی نے (مجھے بلانے اور اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے) میری طرف چھوٹا سا کنکر پھینکا (اس زمانہ میں مسجدِ نبوی میں ریت اور کنکر بچھے ہوئے تھے) میں نے دیکھا (کہ کنکر کس نے پھینکا؟) تو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے (انہوں نے بلانے کے لیے آواز نہیں دی، بلکہ کنکر پھینکا۔ میں ان کے پاس گیا) انہوں نے فرمایا: وہ دو آدمی جو مسجد کے دوسرے کونے میں زور زور سے باتیں کر رہے ہیں ان دونوں کو میرے پاس بلا کر لے آؤ (میں ان دونوں کو بلا کر لایا تو) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا: کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اچھا! اگر مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو؟

افادات:- اس لیے کہ یہاں رہتے ہوئے اور یہاں کی مسجد کے آداب سے پورے طور پر واقف ہوتے ہوئے بھی اس کی خلاف ورزی کرتے ہو؛ لیکن چوں کہ اجنبی ہو، یہاں کے آداب سے پورے طور واقف نہیں ہو، اس لیے چھوڑ دیئے جاتے ہو۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی حکم یہی تھا: ﴿لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ایسے انداز میں بولنا کہ بولنے والے کی آواز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند ہو جائے؛ اس کی اجازت نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی مسجدِ نبوی میں ضروری ہے کہ اس بات کا پورا لحاظ کیا جائے۔

باب نهى من أكل ثوما أو بصلا أو كرّاثا أو غيرها مماله رائحة كريهة عن دخول المسجد قبل زوال الرائحة إلا لضرورة

کسی آدمی نے پیاز کھائی، یا لہسن کھایا، یا گندنا کھایا (یہ بھی ایک طرح کی سبزی ہے جو بدبودار ہوتی ہے) یا کوئی ایسی چیز- جو بدبودار ہو- استعمال کی؛ تو اس کو مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے جب تک کہ وہ بدبو زائل نہ ہو جائے۔ ہاں! پیاز اگر پکی ہوئی ہو، یا لہسن اگر پکا ہوا ہے، تو اس کے کھانے سے بدبو پیدا نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ بدبودار کوئی بھی چیز استعمال کرنے کے بعد مسجد میں آنا ممنوع ہے۔

جس نے لہسن کھایا ہو

۱۷۰۱:-عن ابن عمر رضی الله عنهما: أَنَّ النبيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ-يعني: الثُّومَ-فَلاَ يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا)).(متفق عَلَيْهِ)

وفی روايةٍ لمسلم: ((مساجدنا))

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (لہسن کی طرف اشارہ کرکے) ارشاد فرمایا: جس نے اس پودے کو کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ مسجدوں کے قریب نہ آئے۔

افادات:- پہلی روایت میں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اسی لیے

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حکم مسجدِ نبوی کے ساتھ خاص ہے؛ لیکن امام نوویؒ دوسری روایت کے الفاظ بھی پیش کررہے ہیں کہ یہ حکم مسجدِ نبوی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ کسی بھی مسجد میں کچا لہسن استعمال کرنے کے بعد منھ میں بدبو ہوتے ہوئے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی انسان مسجد میں نہ ہو تب بھی وہاں فرشتے تو ہوتے ہی ہیں، اور جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ اور اگر جماعت کا وقت ہو یا کوئی مجمع موجود ہو تو فرشتوں کے ساتھ ساتھ انسانوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔

بیڑی، سگریٹ کا بھی یہی حکم ہے

بیڑی، سگریٹ، حقہ وغیرہ یا کوئی ایسی چیز جس کے استعمال سے منھ میں بدبو پیدا ہوتی ہو؛ وہ سب اس حکم میں داخل ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے، خاص کر رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ میں روزہ افطار کرنے کے بعد فوراً بیڑی پیتے ہیں، پھر برابر کلی بھی نہیں کرتے اور جلدی سے دوڑے ہوئے مسجد میں گھس جاتے ہیں، ان کے منھ سے بدبو کے فوارے نکل رہے ہوتے ہیں، ان کے پاس کھڑا نمازی جو بیڑی نہیں پیتا اس کو اتنی شدت کے ساتھ بدبو محسوس ہوتی ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ نیت توڑ کر وہاں سے ہٹ جائے۔ لیکن جو بیڑی پینے والا ہوتا ہے وہ چوں کہ بدبو میں رہتا ہے اور اس بدبو کا عادی ہوجاتا ہے، اس لیے اس کو بدبو کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

بیت الخلاء میں جاکر بیڑی والے بیڑی پیتے ہیں، پھر کوئی ایسا آدمی جو بیڑی نہیں پیتا وہ اگر اندر چلا جاتا ہے تو اس کو فوراً احساس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بیڑی پی کر گیا ہے۔ گویا بیت الخلاء کی بدبو پر بھی بیڑی کی بدبو غالب آجاتی ہے۔ ویسے واقعہ بھی ہے

کہ بیت الخلاء کی بدبو کا ہر ایک عادی ہوتا ہے اس لیے اس کا احساس زیادہ نہیں ہوتا۔ اور بیڑی کی بدبو کا بیڑی نہ پینے والا عادی نہیں ہوتا؛ اس لیے اس کا احساس شدید ہوتا ہے۔

بہرحال! بیڑی پینے سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔ آج کل تو دنیا والے بھی اس کی طرف توجہ کررہے ہیں، اور بیڑی کے معاملہ میں ہر جگہ بیداری پیدا ہورہی ہے، اور اس کی ممانعت بھی ہوتی ہے۔ ہوائی جہازوں میں مستقل ایسی فلائٹیں شروع ہوگئی ہیں کہ پورے ہوائی جہاز میں سگریٹ اور تمباکو نوشی کی ممانعت ہوتی ہے۔

منھ میں بدبو ہوتے ہوئے دینی مجمعوں میں نہ جائے

۱۷۰۲:- وعن أنس - رضی الله عنه - قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّا، وَلَا يُصَلِّيَنَّ مَعَنَا)). (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اس پودے (یعنی لہسن) کو استعمال کرے وہ (بدبو ہوتے ہوئے) ہمارے قریب نہ آئے اور ہماری مسجد میں ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے (بدبو دور کرنے کے بعد آسکتا ہے)۔

افادات:- یہ حکم صرف مسجد ہی کا نہیں ہے بلکہ دینی جتنے مجمعے بھی ہوں، جیسے: کوئی جلسہ ہو، یا دینی اجتماع ہو، جہاں لوگ دینی کام کے لیے جمع ہوں، ہر ایسے مجمعے میں بدبودار چیز کو استعمال کرکے جانے سے منع کیا گیا ہے۔

بعضوں کو منھ کی بدبو کی بیماری ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لیے کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کو چاہیے کہ جماعت کی نماز میں بھی حاضری نہ دیں۔ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیں گے تب بھی ان کو محض اس لیے جماعت کی نماز کا ثواب مل جائے گا کہ انہوں نے اپنی منھ کی بدبو کی تکلیف سے لوگوں کو بچایا ہے۔

ایسا آدمی ہم سے الگ رہے

۱۷۰۳:-وعن جابر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَنْ أَكَلَ ثُوماً أَوْ بَصلاً فَلْيَعْتَزِلنا، أو فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا. (متفق عَلَيْهِ)

وفی روایةٍ لمسلم: مَنْ أَكَلَ البَصَلَ، والثُّومَ، والكُرَّاثَ، فَلاَ يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ المَلاَئِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے لہسن کھایا ہو، یا پیاز کھائی ہو؛ وہ ہم سے الگ رہے۔ ہماری مسجدوں سے بھی دور رہے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے: جس نے پیاز کھائی، یا لہسن یا گندنا کھایا؛ وہ ہماری مسجد کے قریب نہ ہو، اس لیے کہ فرشتوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

مسجد سے نکلوا دیتے

۱۷۰۴:-وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أَنَّهُ خَطَبَ يومَ الجُمُعَةِ فَقَالَ فی خطبتِه: ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا النّاسُ تَأْكُلونَ شَجرتَيْنِ مَا أَرَاهُمَا إِلاَّ خَبِيثَتَيْنِ: البَصَلَ، وَالثُّومَ. لَقَدْ رَأَيْتُ رسولَ اللہ ﷺ إِذَا وَجَدَ رِيحَهُمَا مِنَ الرَّجُلِ فِی المَسْجِدِ أَمَرَ بِهِ، فَأُخْرِجَ إِلَى البَقِيعِ، فَمَنْ أَكَلَهُمَا، فَلْيُمِتْهُمَا طَبْخاً. (رواه مسلم)

یہ مسلم شریف کی بڑی لمبی روایت ہے جس کا ایک ٹکڑا یہاں پیش کیا ہے:

ترجمہ:- حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ جمعہ کے روز خطبہ دیا، اپنے اس خطبہ میں بہت ساری باتیں کہیں، ان میں ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی: اے لوگو! تم دو خراب پودے (پیاز

اور لہسن) کھاتے ہو، حالاں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کسی آدمی کے منھ سے ان دونوں میں سے کسی کی بدبو محسوس کرتے اور وہ مسجد میں آیا ہوتا تو آپ اس کو مسجد سے باہر نکلوا دیتے تھے (کہ جب تک بدبو دور نہ ہو؛ وہاں تک مسجد میں مت آئیو) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: اگر کوئی ان دونوں سبزیوں کو کھائے تو پہلے پکا کر اس کی بدبو دور کر دے۔

افادات:۔ مسجدِ نبوی سے باہر جو میدان تھا اس کو بقیع کہتے تھے۔

آج کل تو بعض لوگ یہ ظلم کرتے ہیں کہ اعتکاف کے زمانہ میں مسجد میں سیخ کباب منگواتے ہیں، اور ساتھ میں کچی پیاز بھی ہوتی ہے، اور ان لوگوں کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم مسجد میں بیٹھ کر کھا رہے ہیں۔ اعتکاف کے زمانہ میں آدابِ مسجد کا بڑا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے کہ مسجد میں کوئی ایسی چیز نہ آ جائے۔ عام طور پر لوگ اس کی طرف سے غفلت برتتے ہیں۔

باب كراهية الاحتباء يوم الجمعة والإمام يخطب لأنه يجلب النوم فيفوت استماع الخطبة ويخاف انتقاض الوضوء

جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو، اس وقت گوٹ لگا کر بیٹھنا منع ہے؛ اس لیے کہ یہ بیٹھک نیند لانے والی ہے، اس کی وجہ سے خطبہ سننے سے رہ جائے گا اور وضو ٹوٹنے کا اندیشہ ہے

اس باب میں ایک اور بات بتلانا چاہتے ہیں کہ جمعہ کے دن گوٹ لگا کر بیٹھنا ممنوع ہے۔ گوٹ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ نیچے سے پاؤں کھڑے کر دے، اور دونوں ہاتھوں کے ذریعہ حلقہ بنالے۔ اور بعض مرتبہ ہاتھوں کو راحت دینے کے لیے پیچھے سے رومال لا کر باندھ دیتے ہیں، اور ہاتھ کھلے رہتے ہیں؛ یہ بھی گوٹ لگا کر بیٹھنا ہی ہوا، اس کو "حبوہ" اور "احتباء" کہتے ہیں۔ یہ ذرا آرام دہ بیٹھک ہے، اور جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت گوٹ لگا کر بیٹھنا ممنوع ہے، اس لیے کہ یہ

طریقہ نیند لانے والا ہے۔ بعض لوگ جب مسجد میں آتے ہیں تو خطبہ شروع ہوتے ہی اس طرح بیٹھ جاتے ہیں، گویا نیند کو دعوت دے رہے ہوں کہ: آ جا نیند؛ مجھے دبوچ لے۔ حالاں کہ خطبہ سننا واجب ہے چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اور اس کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ چوں کہ یہ بیٹھک نیند کو کھینچنے والی ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وہ بیٹھک جس سے آدمی پر نیند کا غلبہ ہوسکتا ہو؛ اس کو اختیار نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے نیند آ جائے گی اور خطبہ سننے کی فضیلت اور ایک واجب کی ادائیگی سے محروم رہ جائے گا۔ اور ساتھ ہی وضو کے ٹوٹنے کا بھی اندیشہ ہے کہ اگر نیند کا زیادہ غلبہ ہوگا تو آدمی زمین دوز ہو جائے گا جس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا، اور ایسی حالت میں بیٹھنے سے کبھی ریح بھی خارج ہوسکتی ہے۔

۱۷۰۵:- عن مُعاذِ بن أنس الجُهَنِيّ رضی الله عنه: أنَّ النبيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الحِبْوَةِ يَومَ الجُمعَةِ وَالإمَامُ يَخْطُبُ. (رواه أبو داود والترمذی، وقالا: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت معاذ بن أنس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت گوٹ لگا کر بیٹھنے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

افادات:- اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر بتلائی جا چکی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سب آداب بتلائے ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ یہ تعلیمات دی ہیں، لہٰذا ہمیں ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ دراصل یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت کی بات ہے کہ آداب سے تعلق رکھنے والی ایسی باریک باریک چیزیں بھی اپنی امت کو سکھلائیں، جیسے: ایک باپ جب اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی ان کو بتلاتا ہے۔

باب نهى من دخل عليه عشر ذى الحجة وأراد أن يضحى عن أخذ شيء من شعره أو أظفاره حتى يضحى

جس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو، وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے ناخن اور بال نہ کٹوائے، یہاں تک کہ قربانی سے فارغ ہو جائے

اس باب میں ایک ادب بتلاتے ہیں کہ: جس آدمی نے قربانی کا ارادہ کرلیا ہو، چاہے نفلی قربانی کا ارادہ کیا ہو، یا جس پر قربانی واجب ہو؛ تو اس کو ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے ناخن اور بال کٹوانا منع ہے، جب قربانی سے فارغ ہو جائے اس کے بعد ناخن اور بال کو کٹوائے۔ لیکن جو آدمی قربانی کرنے والا نہ ہو اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔

۱۷۰۶:- عن أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عنها، قالت: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((مَنْ كَانَ لَهُ ذِبْحٌ يَذْبَحُهُ، فَإِذَا أَهَلَّ هِلَالُ ذِي الحِجَّةِ، فَلَا يَأْخُذَنَّ من شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ شَيْئاً حَتَّى يُضَحِّيَ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:- اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قربانی کے لیے جانور خرید رکھا ہو، جب ذی الحجہ کا چاند نظر آجائے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے؛ یہاں تک کہ قربانی سے فارغ ہوجائے۔

افادات:- احناف کے یہاں تو یہ حکم مستحب کا درجہ رکھتا ہے، واجب نہیں ہے۔ لیکن بعض ائمہ جیسے امام احمد بن حنبل اور اسحق بن راہویہ وغیرہ اس کو واجب کا درجہ دیتے ہیں۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈتی ہیں، جیسے حجاجِ کرام ان دنوں میں احرام کے ساتھ ہوتے ہیں، اور وہ بال وناخن نہیں کاٹتے، اسی طرح قربانی کرنے والا بھی گویا ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرکے ان رحمتوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ جس وقت ان حجاج پر رحمت کی بارشیں برسیں تو اس کی بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی کچھ چھینٹے برسادے۔ گویا اچھے لوگوں کی شباہت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے۔ اور حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ کا ایک شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے:

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

باب النهي عن الحلف بمخلوق كالنبي والكعبة والملائكة والسماء والآباء والحياة والروح والرأس وحياة السلطان ونعمة السلطان وتربة فلان والأمانة، وهي من أشدها نهياً

مخلوق کی قسم کھانے کی ممانعت کا بیان

شریعت میں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے علاوہ دوسری چیزوں کی قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے۔اس باب میں علامہ نوویؒ رحمۃ اللہ علیہ قسم کے متعلق احکام کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مخلوق کی قسم چاہے وہ نبی ہو، کعبہ ہو، فرشتے ہوں، آسمان ہو، آباء و اجداد ہوں، زندگی اور روح ہو۔ یا کسی کے سر کی قسم کھانا، بادشاہِ وقت کی زندگی کی قسم کھانا، کسی کے مزار کی قسم کھانا، امانت کی قسم کھانا؛ یہ ساری قسمیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی چیز کی قسم کھانے کی اجازت نہیں۔

غیر اللہ کی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے

۱۷۰۷:-عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی ﷺ قَالَ: إِنَّ

اللہ تَعَالٰی یَنْھَاکُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِکُمْ، فَمَنْ کَانَ حَالِفاً، فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰہِ، أَوْ لِیَصْمُتْ. (متفق عَلَیْہِ)

وفی روایۃ فی الصحیح: فَمَنْ کَانَ حَالِفاً فَلاَ یَحْلِفُ إِلاَّ بِاللّٰہِ، أَوْ لِیَسْکُتْ

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتے ہیں اس بات سے کہ تم اپنے باپ دادوں کی قسم کھاؤ۔ اگر کوئی آدمی قسم کھانا ہی چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے، یا پھر خاموش رہے۔

افادات:- عرب میں آباء واجداد کی قسم کھانے کا عام رواج تھا جس سے منع کیا گیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی سے گفتگو کر رہے تھے، دورانِ گفتگو ان کی زبان سے نکلا: ''وَأَبِیْ'' میرے باپ کی قسم۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت تاکید سے فرمایا: آباء واجداد کی قسم کھانے سے اللہ تعالیٰ منع فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی جا سکتی ہے، جیسے: ''وَاللّٰہِ'' اللہ کی قسم۔ یا اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام کی قسم کھائی جا سکتی ہے، جیسے: رحمن کی قسم، رحیم کی قسم، اور جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جیسے: ''وَقُدْرَۃِ اللّٰہِ'' اللہ کی قدرت کی قسم۔ ''وَعِزَّۃِ اللّٰہِ'' اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم ''وَعِلْمِ اللّٰہِ'' اللہ تعالیٰ کے علم کی قسم۔ تو علم، عزت، قدرت؛ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، لہٰذا ان کی بھی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھانے کی اجازت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے۔

۱۷۰۸:- وعن عبد الرحمٰن بن سَمُرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((لاَ تَحْلِفُوا بِالطَّوَاغِی، وَلاَ بِآبَائِکُمْ)). (رواہ مسلم)

((الطَّوَاغِی)): جَمْعُ طَاغِیَۃٍ، وھِیَ الأَصْنَامُ. وَمِنْہُ الحَدِیثُ: ((ھٰذِہِ طَاغِیَۃُ دَوْسٍ)) أَيْ:

صَنَمُهُمْ وَمَعْبُودُهُمْ. وَرُوِيَ فِي غَيْرِ مسلم: ((بِالطَّوَاغِيتِ)) جَمْعُ طَاغُوت، وَهُوَ الشَّيْطَانُ وَالصَّنَمُ.

ترجمہ:- حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بتوں کی اور اپنے باپ دادوں کی قسم نہ کھاؤ۔

افادات:- عرب میں دستور تھا کہ لات، عزیٰ، منات، اور جن جن بتوں کی ان کے یہاں پوجا کی جاتی تھی؛ ان سب کی قسم کھاتے تھے، اور جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی تعظیم مقصود ہوتی تھی، حالاں کہ تعظیم کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھانے کی اجازت نہیں، اس سے منع کیا گیا ہے۔

وہ ہم میں سے نہیں

۱۷۰۹:- وعن بُرَيْدَةَ رضي الله عنه أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ حَلَفَ بِالأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا. (حديث صحيح، رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے امانت کی قسم کھائی؛ وہ ہم میں سے نہیں۔

افادات:- اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو فرائض بندوں کے ذمہ لازم کیے ہیں جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یعنی احکام شرعیہ؛ ان ہی کو قرآنِ پاک میں امانت سے تعبیر کیا گیا ہے: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ اب اگر کوئی آدمی روزہ کی قسم کھائے، نماز کی قسم کھائے، حج کی قسم کھائے؛ تو اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ بہت بڑی وعید ہے۔ جب اس کی اجازت نہیں دی گئی؛ تو کسی اور چیز کی کیسے اجازت ہوگی؟

جو یہ کہے: میں اسلام سے بری ہوں

۱۷۱۰:-وعنه قال قال رسول الله ﷺ: ((مَنْ حَلَفَ فَقَالَ: إِنِّي بَرِيءٌ مِنَ الإِسْلاَمِ، فَإِنْ كَانَ كَاذِباً، فَهُوَ كَمَا قَالَ، وإِنْ كَانَ صَادِقاً، فَلَنْ يَرْجِعَ إِلَى الإِسْلاَمِ سَالِماً)). (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے قسم کھاتے ہوئے یہ کہا کہ میں اسلام سے بری ہوں، اب اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے؛ تب تو ایسا ہی ہے۔ اور اگر سچا ہے تب بھی اسلام کی طرف صحیح سلامت نہیں لوٹے گا۔

افادات:- مثلاً: کسی آدمی نے دوسرے سے کسی بات کے متعلق تاکیدی طور پر پوچھا: تم نے فلاں کام کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! میں نے نہیں کیا، اور اگر میں نے کیا ہو؛ تو میں اسلام سے بری ہوں۔ جیسے: بعض بولتے ہیں کہ میں نے اگر یہ کام کیا ہو تو میں یہودی، یا نصرانی ہوں۔ اب اگر وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہے، یعنی واقعۃً اس نے کیا ہے، اس کے باوجود جھوٹی قسم کھارہا ہے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وہ ایسا ہی ہے، یعنی اسلام سے نکل جائے گا۔ اور اگر سچا ہے تب بھی اسلام میں صحیح سالم نہیں لوٹے گا۔ یعنی اس قسم کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا۔ بہرحال! ایسی قسم کھانے سے منع کیا ہے۔

بعض لوگ تاکید کے لیے ایسی قسم کھاتے ہیں کہ اگر میں نے فلاں کام کیا ہو تو میں یہودی، یا مشرک وکافر ہوجاؤں، تو اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر وہ قسم کھاتے ہوئے یوں سمجھتا ہے کہ اگر میں نے جھوٹی قسم کھائی تو میں واقعۃً اسلام سے نکل جاؤں گا۔ مثلاً: گذشتہ زمانے سے متعلق چوری کی تحقیق ہورہی تھی، اس سے بھی پوچھا

گیا کہ: بھائی! تو نے چوری کی ہے؟ تو یہ کہنے لگا: میں نے نہیں کی، اور اگر میں نے چوری کی ہو؛ تو میں یہودی ہوں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس نے چوری کی ہے۔ تو اس صورت میں اگر وہ یہ سمجھ کر قسم کھا رہا ہے کہ میں جھوٹی قسم کھاؤں گا تو یہودی ہو جاؤں گا اور اسلام سے نکل جاؤں گا؛ تب تو واقعۃً وہ ایمان سے نکل گیا۔ اب اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ایمان کی اور نکاح کی دونوں کی تجدید کرے۔

اور اگر آئندہ کے متعلق کسی کام کے بارے میں یوں کہے کہ مثلاً: اگر میں شراب پیوں تو میں یہودی ہوں، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں شراب پیوں گا تو میں واقعۃً یہودی ہو جاؤں گا، پھر بھی اس نے شراب پی؛ تو وہ اسلام سے نکل گیا۔ اس لیے کہ جب یہ سمجھتا ہے کہ ایسا کروں گا تو اسلام سے نکل جاؤں گا پھر بھی وہ کام کیا، تو گویا وہ خود ہی اسلام سے نکلنے پر راضی ہے۔ اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے ایسا کہنے کے بعد ایسا کام کر لینے کی وجہ سے میں اسلام سے نہیں نکلوں گا، اس لیے کہ ایمان کا تعلق تو دل سے ہے، اور میں تو صرف ایسا بول رہا ہوں، ایسا سمجھتے ہوئے اس نے وہ کام کر لیا؛ تو اس صورت میں وہ ایمان سے نہیں نکلے گا۔ اس لیے کہ وہ یہ سمجھتا ہی نہیں کہ ایسا کرنے سے ایمان سے نکل جاؤں گا۔ گویا اس صورت میں کفر پر راضی ہونا لازم نہیں آتا۔ البتہ اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

اسی لیے فقہا نے لکھا ہے کہ بعض لوگ دھمکی دیتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ ایسا نہیں کروگے تو (نعوذ باللہ) میں کافر ہو جاؤں گا؛ تو ایسا بولتے ہی وہ کافر ہو گیا۔ اس لیے کہ اس کا یہ بولنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ کفر پر راضی ہے، اور کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔

جو غیر اللہ کی قسم کھائے

۱۷۱۱:-عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلاً يَقُولُ: لاَ وَالكَعْبَةِ فَقَالَ ابنُ عُمَرَ: لاَ تَحْلِفْ بِغَيْرِ اللهِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ، فقد كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ. (رواه الترمذی، وقال: حديث حسن)

وفَسَّرَ بَعْضُ العُلَمَاءِ قولَهُ: ((كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ)) عَلَى التَّغْلِيظِ، كما روى أَنَّ النبيَّ ﷺ قَالَ: ((الرِّيَاءُ شِرْكٌ.))

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ کعبہ کی قسم کھا رہا تھا، تو اس سے کہا: غیر اللہ کی قسم مت کھاؤ، اس لیے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی غیر اللہ کی قسم کھائے گویا اس نے کفر یا شرک کیا۔

افادات:- کعبہ بھی غیر اللہ ہی ہے، اور غیر اللہ کی قسم کھانے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے، اس لیے کعبہ کی قسم کھانا جائز نہیں۔ ہاں! رب کعبہ کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ بہت سی احادیث میں آتا ہے: ورب الکعبۃ۔ کعبہ کے رب (یعنی اللہ تعالیٰ) کی قسم۔ اور پہلے بتلایا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے آدمی حقیقۃً تو کافر نہیں ہوگا؛ لیکن یہ بڑا گناہ ہے۔ گویا گناہ کی بڑائی بتلانے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو شرک سے تعبیر کیا۔

باب تغليظ اليمين الكاذبة عمداً

جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا بڑا سخت گناہ ہے

۱۷۱۲:-عن ابن مسعود رضي الله عنه أنّ النّبيّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((مَنْ حَلَفَ عَلَى مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقِّهِ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ)) قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ الله -عز وجل-: {إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَناً قَلِيلاً} إِلَى آخِرِ الآيَةِ (آل عمران:۷۷) (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان کے مال کے معاملہ میں ناحق قسم کھائی (یعنی وہ اس کا مالک نہیں ہے، اس کے باوجود اپنے کو مالک بتلاتا ہے، اور جو مالک ہے اس کے مالک ہونے کا انکار کرتا ہے) تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز ایسی حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ: جولوگ اللہ کے عہد و پیمان اور اپنی قسموں کے بدلہ میں تھوڑا سا معاوضہ خرید لیتے ہیں (یعنی مال کے بدلہ میں جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں) تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کریں گے، نہ تو ان کو نظرِ رحمت سے دیکھیں گے، نہ تو ان کو گناہوں سے پاک کریں گے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

افادات:- مثلاً: کسی نے دوسرے کے گھر پر قبضہ کر رکھا تھا اور گھر کے مالک نے اس کے خلاف قاضی کے یہاں دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے، لیکن اس نے اس پر قبضہ کر رکھا ہے؛ مجھے دلوایا جائے۔ اب شریعت میں مسئلہ یہ ہے کہ قاضی اس کے

دعویٰ پر اس سے -جس کے قبضہ میں مکان ہے- پوچھے گا: بھائی! یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مکان اس کا ہے، کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اگر وہ جواب میں یہ کہے: جی ہاں! یہ مکان اسی کا ہے، تو اس کے اقرار سے بات صاف ہوگئی اور اب مدعی سے گواہ مانگنے کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ یہ مکان اس کو دلوا دیا جائے گا۔

لیکن اگر وہ انکار کردے کہ: نہیں! یہ مکان تو میرا ہے، تو اس صورت میں مدعی سے گواہ مانگے جائیں گے، اس کے لیے ضروری ہے کہ دو عادل، دین دار، مسلمان گواہ پیش کرے جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ مکان اس کا ہے۔ اگر وہ گواہ پیش کردے گا تو اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور قاضی اس کے حق میں فیصلہ صادر کرے گا، اور وہ مکان اس کو دلوا دے گا۔

اور اگر مدعی نے کہا کہ: میرے پاس گواہ تو نہیں ہیں لیکن اس سے قسم لی جائے کہ یہ مکان میرا (یعنی مدعی کا) نہیں ہے۔ تو اس قبضہ دار سے قسم لی جائے گی، اب اگر یہ جھوٹی قسم کھا لیتا ہے، اس لیے کہ اس نے تو ناحق قبضہ کر رکھا ہے، تو اس کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس روایت میں فرمایا ہے کہ: وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوں گے۔

چاہے پیلو کی ایک لکڑی ہی کیوں نہ ہو

۱۷۱۳:-وعن أبي أمامة إياس بن ثعلبة الحارثي رضي الله تعالى عنه أن رسول الله ﷺ قَالَ: ((مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِيءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ، فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ. وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئاً يَسِيراً يَا رسولَ اللهِ؟ قَالَ: ((وإِنْ كَانَ قَضِيباً مِنْ أَرَاكٍ)) (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ذریعہ سے چھین لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیا اور اس پر جنت کو حرام کر دیا۔ ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کوئی معمولی سی چیز ہو تب بھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چاہے پیلو کی ایک لکڑی (یعنی معمولی سی چیز) ہی کیوں نہ ہو۔

افادات:۔ کسی بھی مسلمان کا حق مارنے کے لیے جو آدمی جھوٹی قسم کھائے گا، اس کے لیے یہی وعید ہے۔ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں قسم کھا لیتے ہیں، مثلاً دو روپیہ کا قلم ہوتا ہے لیکن قسم کھا لیتے ہیں کہ میرا ہے، حالاں کہ اس کا نہیں ہوتا، تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتے ہیں اور جہنم کو واجب کر دیتے ہیں۔

یمینِ غموس

۱۷۱۴:- وعن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((الكَبَائِرُ: الإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، واليَمِينُ الغَمُوسُ)). (رواہ البخاری)

وفی روایةٍ لَهُ: أَنَّ أَعْرابِياً جَاءَ إِلَى النبيّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: يارسولَ اللهِ! مَا الكَبَائِرُ؟ قَالَ: ((الإِشْرَاكُ بِاللهِ)) قَالَ: ثُمَّ مَاذا؟ قَالَ: ((اليَمِينُ الغَمُوسُ)) قلتُ: وَمَا اليَمِينُ الغَمُوسُ؟ قَالَ: ((الَّذِي يَقْتَطِعُ مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ!)) يعني بِيَمِينٍ هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: بڑے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ؛ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے، (۲) ماں باپ کی نافرمانی (۳) کسی کو ناحق قتل کرنا (۴) یمین غموس (یعنی جھوٹی قسم کھانا ہے)۔

ایک روایت میں ہے: ایک دیہاتی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! بڑے گناہ کیا کیا ہیں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا (شرک؛ سب سے بڑا گناہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتے، اِلّا یہ کہ آدمی توبہ کرے اور باز آ جائے) پھر اس نے پوچھا: اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جھوٹی قسم۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، میں نے پوچھا: جھوٹی قسم کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسی قسم جس کے ذریعہ کوئی آدمی کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرلے (یعنی وہ مال اس کا نہیں ہے اس کے باوجود قسم کھا کر اس کو اپنا بتلا کر اس پر قبضہ جمالے۔)

افادات:۔ فقہاء نے قَسَم کی تین قسمیں بتلائی ہیں۔ جو قسم کھائی جارہی ہے، اس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہوگا، یا آئندہ زمانہ سے ہوگا۔ اگر اس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے، مثلاً: کسی چوری کی تحقیق ہورہی تھی، اس سے پوچھا گیا کہ: تم نے چوری کی ہے، تو وہ انکار کرتا ہے کہ میں نے چوری نہیں کی، حالاں کہ اسی نے چوری کی ہے، اور قسم بھی کھائی کہ: واللہ! میں نے چوری نہیں کی؛ اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں ''یمینِ غموس'' کہتے ہیں؛ اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔

''غموس'' عربی لفظ ہے جس کا ترجمہ ہوتا ہے کسی کو ڈُبا دینا۔ گویا یہ قسم اپنے کھانے والے کو گناہ میں اور اس کے بعد جہنم میں ڈُبا دیتی ہے، اس لیے اس کو ''یمینِ غموس'' کہا گیا۔ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا، اس کی تلافی صرف توبہ اور استغفار ہی ہے۔

اور اگر گزشتہ زمانہ سے تعلق رکھنے والی کسی بات پر قسم کھائے؛ لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ مَیں سچا ہوں، اور واقعہ یہ ہے کہ وہ سچا نہیں ہے، اس کو فقط یہ خیال ہے کہ میں سچی قسم کھا رہا ہوں، مثلاً: اس کو کسی نے بتلایا کہ فلاں آدمی سفر سے واپس آ گیا، اور وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ وہ واپس آ گیا ہے، اب کسی نے پوچھا کہ بھائی! فلاں صاحب سفر سے واپس آ گئے؟ تو وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ: جی ہاں! وہ واپس آ گئے۔ لیکن واقعہ ایسا نہیں؛ تو ایسی قَسم کو ''یمینِ لغو'' کہتے ہیں۔ اس صورت میں بھی قسم کھانے والا گنہگار نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسم نہیں کھا رہا ہے، بلکہ اپنے آپ کو سچا سمجھ کر قسم کھا رہا ہے اور اس کا کفارہ بھی نہیں، پھر بھی آدمی کو ایسی قسم کھانے سے احتیاط کرنی چاہیے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ کوئی بات بہت پہلے پیش آئی تھی، مثلاً: دس سال سے پہلے اس نے کسی کے متعلق کچھ کہا تھا، اب آج اس بات کی تحقیق ہو رہی ہے، اور کسی نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کہا تھا؟ اب اس کو تو یاد بھی نہیں رہا کہ میں نے ایسا کچھ کہا تھا، اس لیے وہ ایسا سمجھتے ہوئے- کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے- قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے، حالاں کہ حقیقۃً اس نے کہا تھا؛ اس یمین کو ''یمینِ لغو'' کہتے ہیں، اس صورت میں بھی وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔ اس روایت میں تو ''یمینِ غموس'' کا تذکرہ آیا ہے۔

باب ندب من حلف عَلَى يَمينٍ فرأى غيرها خيراً مِنْهَا أنْ يفعل ذَلِكَ المحلوف عَلَيْهِ ثُمَّ يُكَفِّرعن يمينه

بعض مرتبہ آدمی جوش میں آکر کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھالیتا ہے، پھر بعد میں اس کو احساس ہوتا ہے کہ میں نے غلط قسم کھائی، مجھے تو وہ کام کرنا چاہیے، اور شرعاً اس کام کے کرنے کو پسندیدہ بھی بتلایا گیا ہے، مثلاً: باپ نے بیٹے کے متعلق ناراض ہوکر قسم کھالی کہ اس کے ساتھ کبھی بھی بات نہیں کروں گا، اور جب ناراضگی دور ہوئی تو اس کو احساس ہوا کہ یہ تو غلط قسم کھائی ہے، باپ ہونے کی حیثیت سے مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے، اب وہ پچھتا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ باپ کے لیے اس کی شفقت ومحبت اور اس کے حقوق کی ادائیگی کا یہی تقاضا ہے کہ بیٹے کے ساتھ بات کرلے۔ یہ بہانہ نہ کرے کہ میں نے قسم کھالی ہے، اور میں قسم نہیں توڑ سکتا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ قسم کا بہانہ بنا کر غلط بات پر اَڑے رہنا؛ مزید گناہ ہے۔ اس لیے اس کو چاہیے کہ اپنے بیٹے سے بات کرلے، اور جو قسم ٹوٹ گئی اس کا کفارہ ادا کردے۔

جس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے؛ اس کو کرلو

۱۷۱۵:- عن عبد الرحمٰن بن سَمُرَةَ- رضی اللہ عنہ- قَالَ: قَالَ لی رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْراً مِنْهَا، فَأْتِ الَّذِي

هُوَ خَيْرٌ وَ كَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ)). (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: جب تم کسی بات پر قسم کھالو اور جس چیز کی قسم کھائی اس کے علاوہ دوسرے کام میں بھلائی دیکھو؛ تو جس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اس کو کرلو، اور اپنی قسم کا کفارہ دیدو۔

جو کام بہتر ہے وہ کرلے

۱۷۱۶:-وعن أبي هريرة رضى الله عنه أنّ رسولَ الله ﷺ قالَ: ((مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْراً مِنْهَا، فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ، وَلْيَفْعَلِ الَّذِى هُوَ خَيْرٌ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی نے کسی بات پر قسم کھائی اور پھر اس کے علاوہ دوسرے کام میں اس نے بھلائی دیکھی؛ تو وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے، اور جو کام بہتر ہے وہ کرلے۔

افادات:- یعنی پہلے وہ کام کرلے تاکہ قسم کے خلاف ہو کر وہ قسم ٹوٹ جائے، اس کے بعد اس کا کفارہ ادا کردے۔

میں جس کام میں بھلائی دیکھتا ہوں اس کو کرلیتا ہوں

۱۷۱۷:-وعن أبي موسىٰ رضى الله عنه أنّ رسولَ الله ﷺ قالَ: ((إنّي واللهِ إنْ شاءَ اللهُ لا أحلِفُ عَلَى يَمِينٍ، ثُمَّ أَرَى خَيراً مِنْهَا إلاَّ كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي، وَأَتَيْتُ الَّذِى هُوَ خَيْرٌ)). (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں جب بھی کسی بات پر قسم کھاتا ہوں، پھر اس کے علاوہ دوسرے کام میں بھلائی دیکھتا ہوں؛ تو میں اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں، اور جس کام میں بھلائی دیکھتا ہوں اس کو کرلیتا ہوں۔

افادات:۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد ایک موقعہ پر فرمایا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ قبیلۂ اشعریین کے پاس ایک غزوہ میں جانے کے لیے سواری نہیں تھی، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قبیلہ والوں کی طرف سے اونٹ کی درخواست لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ جس وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی پر کسی وجہ سے ناراض تھے، مجھے معلوم نہیں تھا اور اسی وقت جا کر میں نے اپنی درخواست پیش کردی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس سواری نہیں ہے، اور پھر آپ نے قسم کھالی کہ میں تم کو سواری نہیں دوں گا۔ یہ سن کر وہ تو واپس ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ اونٹ آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلوایا اور کہا: لو! یہ اونٹ لے جاؤ۔ جب یہ اونٹ لے کر روانہ ہوئے تو ان کو خیال آیا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو قسم کھالی تھی کہ مجھے سواری نہیں دیں گے، پھر بھی مجھے عطا فرمائے، تو کہیں ایسا تو نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قسم بھول گئے ہوں اور بے خبری میں مجھے سواری دیدی ہو۔ اگر بغیر اطلاع کے میں لے کر چلا جاؤں گا تو اس میں ہمارے لیے خیر و برکت نہیں ہوگی، اس لیے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلا دینا چاہیے۔ چناں چہ انہوں نے واپس آکر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے تو قسم کھا کر فرمایا تھا کہ میں تم کو سواری نہیں دوں گا، پھر بھی آپ نے ہمیں یہ سواری دی؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں کسی بات پر قسم کھاتا ہوں، پھر اس کے علاوہ

دوسرے کام میں بھلائی دیکھتا ہوں تو میں اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں، اور جس کام میں بھلائی دیکھتا ہوں اس کو کر لیتا ہوں۔ گویا سواری دینا اچھی چیز ہے، اب اگر چہ میں نے سواری نہ دینے کی قسم کھالی تھی؛ لیکن چوں کہ اس کے خلاف کرنا (یعنی سواری دینا) نیکی کا کام تھا، اس لیے میں نے وہ کام کر لیا اور اب مَیں اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دوں گا۔

اللہ کے نزدیک زیادہ گناہ کی بات

۱۷۱۸:- وعن أَبي هريرة - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((لأَنْ يَلَجَّ أَحَدُكُمْ في يَمِينِهِ في أَهْلِهِ آثَمُ لَهُ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى مِنْ أَنْ يُعْطِي كَفَّارَتَهُ الَّتي فَرَضَ اللهُ عَلَيْهِ)). (متفق عَلَيْهِ)

قَوْلُهُ: ((يَلَجّ)) بفتح اللام وتشديد الجيم أيْ: يَتَمَادَى فِيهَا، وَلاَ يُكَفِّرُ، وَقَوْلُهُ: ((آثَمُ)) هُوَ بالثاء المثلثة، أيْ: أكْثَرُ إثْماً.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کا کوئی آدمی اپنی اس قسم کے سلسلے میں جو گھر والوں کے سلسلے میں کھائی ہے؛ اَڑا رہے، یہ اس کے لیے اللہ کے نزدیک زیادہ گناہ کی بات ہے؛ بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنی اس قسم کا کفارہ دے دے۔

افادات:- بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے گھر کے لوگوں کے متعلق قسم کھا لیتا ہے، مثلاً: بیوی سے کسی بات پر ناراض ہو گیا اور قسم کھالی کہ اب تیرے ساتھ بات نہیں کروں گا۔ یا قسم کھالی کہ تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ یا تیرے ابا کے گھر نہیں جاؤں گا۔ قسم کھانے کے بعد لوگ سمجھا رہے ہیں کہ تم نے جو قسم کھائی ہے وہ مناسب نہیں، اس سے بات کر لو، تو وہ اپنی قسم کو بہانہ بنا کر کہتا ہے کہ بات کرنے کو تو

میرا بھی جی چاہتا ہے؛ لیکن کیا کروں کہ قسم کھالی ہے، اب اگر میں بات کروں گا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور گناہ ہوگا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹنے پر جو گناہ ہوگا اس کی تلافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے راستہ بتلایا ہے۔ اس لیے کہ قسم توڑنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت میں کمی آتی ہے، گویا قسم توڑنا بھی ایک طرح کا قصور، کوتاہی اور گناہ ہے؛ لیکن اس کی تلافی کے واسطے کفارۂ قسم دلوایا جاتا ہے۔ اور اپنی قسم پر اَڑا رہ کر جو اس سے بات نہیں کرے گا تو یہ بھی گناہ کا کام ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس گناہ کے مقابلہ میں زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اب آدمی کو فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ دو مصیبتوں میں سے جو ہلکی ہو اس کو اختیار کرے۔

باب العفو عن لغو اليمين وأنه لا كفارة فيه

وهو ما يجرى على اللسان بغير قصد اليمين

كقوله على العادة: لا والله، و بلى والله؛ ونحو ذلك

یمینِ لغو معاف ہے، اس میں کوئی کفارہ نہیں

یمینِ لغو یہ ہے کہ آدمی کی زبان پر بے قصد وارادہ الفاظِ یمین جاری ہوجائیں،

بات بات میں ''لَا وَاللهِ، بَلٰی وَاللهِ'' بولنے کی عادت پڑگئی

پہلے بتلایا تھا کہ قسم کی تین قسمیں ہیں: (۱) ''یمینِ غموس'' (۲) ''یمینِ لغو'' (۳) ''یمینِ منعقدہ''

پہلی قسم: ماضی سے تعلق رکھنے والی بات پر قسم کھانا، اس کی دو شکلیں ہیں: ایک تو یہ کہ آدمی اپنے آپ کو جھوٹا سمجھتے ہوئے قسم کھا رہا ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ میں جو قسم کھا رہا ہوں وہ جھوٹی ہے؛ اس کو تو ''یمینِ غموس'' کہتے ہیں؛ اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے، صرف توبہ واستغفار ہے۔

دوسری قسم: ماضی سے تعلق رکھنے والی کسی بات پر اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہوئے قسم کھائے، اور واقعۃً وہ اس میں سچا بھی ہو؛ تب تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر واقعۃً سچا نہیں تو

یہ ’’یمینِ لغو‘‘ کہلائے گی، اس میں کوئی گناہ نہیں ہوتا، اور کفارہ بھی نہیں ہے۔

تیسری قسم: آئندہ سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کے متعلق قسم کھانا، یعنی قسم کے ساتھ یوں کہنا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، یا میں فلاں کام کروں گا؛ یہ ’’یمینِ منعقدہ‘‘ کہلاتی ہے۔ آئندہ کے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں مضبوطی اور پختگی حاصل کرنے کے لیے قسم کھائی جائے۔ اس میں جھوٹ کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ اب اگر وہ آدمی اپنی قسم کو پورا کرے گا؛ تب تو ٹھیک ہے۔ اور اگر اس کے خلاف کرے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اس پر کفارہ واجب ہوگا۔

اس تیسری قسم میں کفارہ آتا ہے، باقی دو قسمیں یعنی ’’یمین لغو‘‘ اور ’’یمین غموس‘‘، جو ماضی سے تعلق رکھنے والی ہیں؛ ان دونوں میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

قَسَم کے کفارہ میں تین چیزیں ہیں

قَالَ اللهُ تَعَالَى: {لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ} (المائدۃ:۸۹)

ترجمہ: - اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں جو لغو ہوں، تمہارا مؤاخذہ اور پکڑ نہیں کرتے؛ لیکن تمہاری پکڑ کرتے ہیں ان قسموں میں جو تم نے منعقد اور مضبوط کی ہوں۔ اب اگر اس قسم کے خلاف کام کیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو درمیانی درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان کو کپڑے دو، یا ایک غلام آزاد کرو۔ اور جس آدمی میں ان چیزوں کی طاقت نہ ہو، وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھالو۔ اور

اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

افادات:۔ قسم کے کفارہ میں تین چیزیں بتلائی ہیں (۱) دس مسکینوں اور غریبوں کو دو وقت پیٹ بھر کر درمیانی درجہ کا کھانا کھلانا، جیسے اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ یہ اس وقت ہے جب اپنے یہاں بٹھا کر ان کو کھلائے۔ اور اگر دے دینا چاہتا ہو تو ایک فطرہ (یعنی پونے دو کیلو گیہوں) کی مقدار ہر ایک مسکین کو دیدے (۲) یا پھر دس غریبوں کو اتنا کپڑا دے کہ جس سے ان کا ستر چھپ جائے۔ اگر مرد ہو تو اس کا ستر ڈھانپنے جتنا لمبا کرتہ یا لنگی ہو۔ اور اگر عورت ہے تو اس کا ستر چوں کہ پورا جسم ہے لہٰذا اس کو پورا جسم چھپ جائے اتنا کپڑا دینا ضروری ہے (۳) یا پھر ایک غلام کو آزاد کیا جائے۔ اب اگر ان تین باتوں میں سے کسی کی بھی طاقت نہ ہو؛ تو لگاتار تین دن کے روزے رکھے۔

بعض لوگوں کی غریبوں کو کھانا کھلانے کی، یا کپڑا دینے کی طاقت ہوتی ہے، اس کے باوجود روزے رکھ کر یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارا کفارہ ادا ہو گیا؛ تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ روزے والی شکل صرف اسی صورت میں ہے جب کہ کھانا کھلانے کی، یا کپڑا دینے کی طاقت نہ ہو۔

یمینِ لغو

۱۷۱۹:۔وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الآية: {لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ} في قَوْلِ الرَّجُلِ: لا واللهِ، وَبَلَى واللهِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ''لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ '' آدمی کے اس جملہ کے سلسلے میں نازل ہوئی جو یوں کہتا ہے: لَا وَاللهِ

بَلٰی وَاللهِ.

افادات:۔ ’’یمینِ لغو‘‘ میں کفارہ نہیں ہے؛ اس کی کیا شکل ہے؟ احناف کے یہاں اس کی شکل یہ ہے کہ گزشتہ کی کسی چیز پر اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہوئے قسم کھائے تب ہی ’’یمینِ لغو‘‘ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تشریح یہ نقل کی گئی ہے کہ کوئی آدمی بلا ارادہ کسی بات پر قسم کھالے، جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بات بات میں بولتے ہیں: واللہ، باللہ (یعنی اللہ کی قسم) حالاں کہ ان کا ارادہ قسم کا نہیں ہوتا۔ تو احناف کے یہاں بھی اگر قسم کھانے کا ارادہ نہ ہو، پھر بھی زبان سے قسم کے الفاظ نکل جائیں، اور وہ چیز زمانۂ ماضی سے تعلق رکھنے والی ہو؛ تب ہی ’’یمینِ لغو‘‘ ہے۔ لیکن اگر آئندہ زمانہ سے تعلق رکھنے والی چیز ہے تو وہ قسم منعقد ہو جائے گی۔ یعنی اگر کسی نے آئندہ کے متعلق کہا کہ: اللہ کی قسم! میں فلاں جگہ نہیں جاؤں گا، اور بعد میں کہتا ہے کہ میرا ارادہ قسم کھانے کا نہیں تھا، مگر میری زبان سے ’’واللہ‘‘ نکل گیا؛ تب بھی ہمارے یہاں قسم منعقد ہو جائے گی۔

باب كراهية الحلف في البيع وان كان صادقاً

خرید وفروخت میں قسم کھانے کی ممانعت؛ چاہے سچی ہو

۱۷۲۰:-عن أبي هريرة رضي الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((الحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ، مَمْحَقَةٌ لِلْكَسْبِ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: قسم سامان کو چلادیتی ہے، لیکن کمائی کو مٹادیتی ہے۔

۱۷۲۱:-وعن أبي قتادة رضي الله عنه أنّه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((إيّاكُمْ وَكَثْرَةَ الحَلِفِ فِي البَيْعِ، فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: تم خرید وفروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو، اس لیے کہ وہ سامان کو تو بکوادیتی ہے، لیکن برکت کو ختم کردیتی ہے۔

افادات:- تجارت اور بیوپار میں جھوٹی قسم کھانا تو ہے ہی گناہِ کبیرہ؛ لیکن اگر سچی قسم بھی کھائی جائے تو اس سے منع کیا گیا ہے۔ دنیا کے معمولی سامان کو بیچنے کے لیے اللہ کے نام کو بیچ میں لانا؛ درحقیقت اللہ کی عظمت اور اس کی شان کے خلاف ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس سے آدمی کا سامان تو بک جائے گا، لیکن کمائی کی برکت اُٹھ جائے گی۔ لہٰذا خرید وفروخت میں قسم کھانے کی عادت نہیں ڈالنی چاہیے، اور سچی قسم کھانے سے بھی بچنا چاہیے۔

باب كراهة أنْ يسأل الإنسان بوجه الله عز و جل غيرالجنة وكراهة منع من سأل بالله تعالى وتشفع به

اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر جنت کے علاوہ کسی چیز کا سوال کرنا ناپسندیدہ ہے، اور جس سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کیا گیا اس کا سوال کو رَد کر دینا بھی ناپسندیدہ ہے

آدابِ معاشرت کا سلسلہ جاری ہے، جس میں آپس کی گفتگو کے مختلف آداب بتا رہے ہیں، اسی ذیل میں ایک باب قائم کیا ہے کہ کوئی آدمی اگر اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر جنت کے علاوہ اور کسی چیز کا سوال کرے تو اس سے منع کیا گیا ہے، اگر اللہ کے واسطے سے کوئی چیز مانگنی ہے تو جنت مانگئے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے، اس کی عظمت و کبریائی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے واسطہ سے دوسری چیزیں نہ مانگی جائیں۔ کسی بڑی شخصیت کا حوالہ دے کر کوئی آدمی معمولی چیز مانگے تو اس میں جس کا واسطہ دیا گیا ہے اس کی ایک طرح کی توہین اور ناقدری ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام بہت بڑا ہے، اس کی جلالت و عظمت کے پیشِ نظر اس کے واسطہ سے دنیا کی کوئی چیز مانگی ہی نہیں جاسکتی،

اس لیے کہ دنیا کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، ہاں! جنت ایک ایسی چیز ہے جو اللہ کے واسطے سے مانگی جاسکتی ہے۔ اسی لیے کوئی انسان اللہ کا واسطہ دے کر جنت کے علاوہ اور کوئی چیز مانگے تو یہ ناپسندیدہ اور ناجائز ہے۔

ایک تو مانگنے والے کو یہ ادب سکھلایا گیا۔ دوسری طرف جن کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیا جارہا ہے ان کو تاکید کی جارہی ہے کہ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کچھ مانگا، یا کوئی سفارش کی تو پھر آپ انکار مت کرو بلکہ فوراً دیدو۔ اس لیے کہ کتنی بڑی ذات کا آپ کو واسطہ دیا گیا ہے، پھر بھی تم نہ دو؛ تو یہ بھی ایک طرح کی ناقدری اور توہین ہے۔

۱۷۲۲:- عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: لَا یُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ إِلَّا الْجَنَّةُ. (رواہ أبو داود)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر جنت کے علاوہ کوئی چیز نہیں مانگی جاسکتی۔

اگر احسان کا بدلہ چکانے کی قدرت نہ ہو تو؟

۱۷۲۳:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ، فَأَعِيذُوهُ. وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ، فَأَعْطُوهُ. وَمَنْ دَعَاكُمْ، فَأَجِيبُوهُ. وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفاً فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ بِهِ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ. (حدیث صحیح رواہ أبو داود والنسائی بأسانید الصحیحین)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی تم سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پناہ مانگے تو اسے پناہ دو۔ اور کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کوئی چیز مانگے تو اسے دو۔ اور کوئی آدمی آپ کو دعوت دے تو اس کو قبول کرو۔ اور کوئی

آدمی آپ کے ساتھ کوئی بھلائی واحسان کرے تو اس کے ساتھ اسی کے مناسب معاملہ کرو (اس کے احسان کا بدلہ چکاؤ) اگر آپ کے پاس اس کے مناسب دینے کے لیے کوئی مادّی چیز نہیں ہے تو اس کے لیے دعا کرو، اور اتنی دعا کرو کہ تمہارا دل یہ گواہی دے کہ تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا۔

افادات:۔(۱) آپ کسی کو کوئی سزا دینا چاہتے ہیں اور اس نے کہا کہ اللہ کے واسطے مجھے سزا مت دو، میرے ساتھ ایسا معاملہ مت کرو، تو جب اس نے اللہ کا واسطہ دیدیا تو اب اس کو پناہ دیدو، اس معاملہ میں اب آگے مت بڑھو۔

(۲) ہم دنیوی اعتبار سے دیکھتے ہیں کہ کوئی بڑا آدمی آکر ہمیں کوئی کام کرنے کے لیے کہے، تو جی نہ چاہتے ہوئے بھی ہم اس کا لحاظ کرتے ہوئے اس کام کو کردیتے ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیا جارہا ہو، اس کے بعد بھی کوئی انکار کرے؛ تو بہت غلط اور نامناسب ہے۔

(۳) اگر کسی نے آپ کو ہدیہ میں کوئی چیز دی تو آپ بھی اس کے بدلہ میں اس کو کوئی چیز دیجیے۔ اس نے آپ کے ساتھ جیسا احسان کیا ہے، آپ بھی اس کے ساتھ ویسا ہی احسان کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ بھی یہی تھی کہ کوئی آدمی آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تو آپ بھی اس کے جواب میں اس کو عنایت فرماتے، بلکہ آپ جو دیتے وہ اس سے بہت زیادہ ہوتا تھا۔ اب اگر کسی نے آپ کو کچھ مال دیا اور آپ کی مالی کمزوری کی وجہ سے اور اقتصادی طور پر استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے آپ اس کے ساتھ ویسا معاملہ نہیں کرسکتے، تو اس کے لیے خوب دعاؤں کا اہتمام کرو۔ اس لیے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ کوئی آدمی کسی کو کوئی چیز دے اور وہ اس کے جواب میں ''جزاک اللہ خیراً'' کہے تو اس نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا۔ اس لیے کہ یہ دعا دے کر گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں تو آپ کے احسان کا بدلہ دینے سے قاصر ہوں، اس

لیے میں اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس احسان کا بدلہ میری طرف آپ کو چکائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑی چیز آپ اور کیا دے سکتے ہیں؟

تسکین میرٹھی ایک شاعر ہیں جنہوں نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے مکتوبات کو ''مکاتیبِ اسعد'' کے نام سے جمع کیا ہے، ان کا ایک شعر ہے:

گدا کو بھی اہلِ کرم کم نہ سمجھیں ❁ بہت کچھ دیا جس نے دِل سے دُعا دی

اس لیے کوئی آدمی مادّی طور پر کسی کے احسان کا بدلہ نہ چکا سکتا ہو، تو اس کے لیے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا دائمی معمول

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ: جن جن لوگوں کے میرے ساتھ جس جس نوع کے بھی احسانات (جانی، مالی، جاہی، علمی، سلوکی، اخلاقی) ہیں؛ مَیں ان کے لیے دعاؤں کا بڑا اہتمام کرتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم، انعام واحسان سے اپنی شایانِ شان ان کے احسانات سے بہت زیادہ بڑھا کر ان کو بدلہ عطا فرمائے۔ میری یہ دعا اپنے سارے محسنوں کے لیے بیس برس کی عمر سے روزمرّہ کی اہم دعاؤں میں شامل ہے۔ اس میں تخلّف تو یاد نہیں کہ کبھی عمر بھر میں ہوا ہو، کئی کئی مرتبہ ہو جاتی ہے، ماہِ مبارک اور سفرِ حجاز میں تو خوب یاد ہے (اور حضرت شیخؒ لکھتے ہیں کہ) یہ سیہ کار، نابکار، بے کار و بدکار اپنے محسنوں کے احسانات کا بدلہ بجز دعا کے اور کچھ نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ ہی اپنے کرم سے قبول فرمائے۔ (انتہیٰ بلفظہٖ)

ویسے شرافت ومروّت کا تقاضہ یہی ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم بھی یہی ہے کہ جس کا جو بھی احسان ہو، اس کے لیے اس کے مناسب دعاؤں کا اہتمام کیا جائے۔

باب تحريم قوله: شاهنشاه للسلطان وغيره

لأن معناه ملك الملوك، ولا يوصف بذٰلك غير الله سبحانه وتعالى

جو القاب حق تعالیٰ کے لیے خاص ہیں ان سے کسی بھی آدمی کو ملقب کرنا حرام ہے

اس باب میں ایک اور ادب سکھایا جاتا ہے کہ بعض القاب وصفات ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، اس لیے ان القاب وصفات سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو یاد نہ کیا جائے۔ جیسے: ''ملک الملوک'' بادشاہوں کا بادشاہ۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے، اور یہ لقب اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتا ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

ذلیل ترین نام

۱۷۲۴:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبيِّ ﷺ قال: إنَّ أَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ - عز وجل - رَجُلٌ تَسَمَّى مَلِكَ الأَمْلاَكِ. (متفق عليه)

قال سُفيانُ بن عُيَيْنَةَ: ((مَلِكُ الأَمْلاَكِ)) مِثْلُ: شَاهِنْ شَاهِ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ذلیل نام اس آدمی کا ہے جس نے اپنے آپ کو ''مَلِكُ الأَمْلاَكِ'' سے موسوم کیا۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ بہت بڑے محدث اور بزرگ تھے جو اس روایت کے ناقلین میں سے بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: شہنشاہ جو نام رکھا جاتا ہے وہ بھی اسی میں داخل ہے۔

افادات:۔ یعنی جو آدمی اپنا نام ''مَلِكُ الأَمْلَاكِ'' رکھے، یا کوئی دوسرا اس کا نام ''مَلِكُ الأَمْلَاكِ'' رکھے اور وہ اس کو منظور رکھے، تو یہ اس کے حق میں بڑی ذلیل ترین حرکت ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس روایت میں ''مَلِكُ الأَمْلَاكِ'' کی جو ممانعت آئی ہے وہ عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ کسی بھی زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے والا جو لفظ ہوگا، اس نام سے کسی کو موسوم کرنا جائز نہیں۔ جیسے: فارسی میں شہنشاہ کا لفظ ہے جو اصل میں شاہِ شاہاں ہے، جس میں اضافتِ مقلوبی ہے، جیسے: پیرانِ پیر بولا جاتا ہے، وہ اصل میں پیرِ پیراں تھا، پیروں کے پیر۔ اسی طرح شاہِ شاہاں کو شہنشاہ بولا جاتا ہے۔ اور ہندی زبان میں ''مہاراجہ'' بھی اسی معنیٰ میں ہے، اس لیے کسی کا ایسا نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

سماج میں رائج ایک خرابی

اسی طریقہ سے کوئی ایسا نام ہو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو، اگرچہ اس کا نام تو ایسا نہیں رکھا گیا لیکن معاشرہ میں لوگ اس کو اس نام سے پکارتے ہیں؛ تو اس سے بھی بچنا چاہیے۔ جیسا کہ ہمارے معاشرہ میں اللہ کے کسی نام کے ساتھ ''عبد'' ملا کر نام رکھا جاتا ہے، جیسے: عبدالرحمٰن، عبدالستار، عبدالجبار۔ تو اب لوگ صرف ''رحمٰن، ستار، جبار'' کہہ کر پکارتے ہیں؛ یہ درست نہیں ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: جس معاشرہ وسماج میں ایسا پکارنے کا رواج ہو، وہاں اس طرح

کے نام نہیں رکھنے چاہئیں۔اور بعض لوگ تو پھر ایسے نام کو تصغیر یا توہین کے ساتھ پکارتے ہیں، حالاں کہ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے نام کو اگر بگاڑ کر پکارا جائے تو یہ کفر تک پہنچانے والا عمل ہے، اس لیے اس سے اپنے آپ کو بہت بچانے کی ضرورت ہے، لیکن ہمارے معاشرہ میں لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا بولتے ہیں اور اپنی ناواقفیت کی وجہ سے کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔

باب النهي عن مخاطبة الفاسق والمبتدع ونحوهما بِسَيِّدی ونحوه

فاسق اور بدعتی یا ان جیسے اللہ کے نافرمان کافرو مشرک کو ’’میرے آقا‘‘ کہہ کر پکارنے کی ممانعت

۱۷۲۵:-عن بُرَيدَةَ رضی اللہ عنہ قالَ قالَ رسُولُ الله صلی اللہ علیہ وسلم: لَاتَقُولُوا لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ، فَإِنَّهُ إِنْ يَكُ سَيِّداً فَقَدْ أَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ -عزوجل-. (رواه أبو داود بإسنادٍ صحيح)

ترجمہ:- حضرت بریدہ اُسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق یا فاسق کو سید (سردار) مت کہو؛ اس لیے کہ اگر منافق (فاسق ومشرک) سردار بن گیا تو تم نے (اس کو سردار بنا کر) اپنے رب کو ناراض کیا۔

افادات:- منافق، فاسق، کافر و مشرک؛ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور دشمن ہیں، ان کو سید و سردار کہہ کر پکارنا نہایت غلط ہے، جیسے: آپ کے کسی دشمن کو آپ کا بیٹا یا آپ کا دوست یا آپ کا کوئی ماتحت کسی اچھے لقب سے پکارے تو اس کو آپ گوارا کرلیں گے؟ نہیں! بلکہ فوراً اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کریں گے کہ ہمارے دشمن کو عزت کے القاب سے کیوں پکارتے ہو؟ اسی طرح سے یہاں پر بھی ہے کہ کسی فاسق وفاجر اور بدعتی ومشرک کو عزت کا لقب دے کر پکارنے کی اجازت نہیں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

باب کراھة سبّ الحمّی

بخار کو برا بھلا کہنے کی کراہت وممانعت

بعض مرتبہ کوئی بیماری طول پکڑ جاتی ہے تو اس سے تنگ ہو کر آدمی اس بیماری ہی کو برا بھلا کہنے لگتا ہے، حالاں کہ اس کو برا بھلا کہنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ یہ بیماری تو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی آئی ہے۔ جیسے: کوئی آدمی جب مصائب میں گرفتار ہوتا ہے اور تکالیف کا شکار ہوتا ہے تو وہ زمانہ کو ہی برا بھلا کہنے لگتا ہے، گویا وہ یوں سمجھتا ہے کہ زمانہ ہی مصائب وتکالیف کو بھیجنے والا ہے، اور اس سے یہ برائیاں مجھ تک پہنچی ہیں، حالانکہ حقیقت میں جو کچھ بھی اس کو پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہنچتا ہے۔ جب وہ زمانہ کو برا بھلا کہے گا تو اس کی برائی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی، اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی بخار کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۷۲۶:- عن جابر رضی اللہ عنہ أنَّ رسُولَ اللهِ ﷺ دَخلَ علىٰ أُمِّ السّائِبِ، أو أُمِّ المُسَيّبِ فقَالَ: مَا لَكِ يَا أُمَّ السّائِبِ - أو يَا أُمَّ المُسَيَّبِ - تُزَفْزِفِينَ؟ قَالَتْ: الحُمَّى لاَ بَارَكَ اللهُ فِيهَا! فقَالَ: ((لاَ تَسُبِّي الحُمَّى فَإنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الكِيْرُ خَبَثَ الحَدِيدِ)). (رواہ مسلم)

((تُزَفْزِفِينَ)) أيْ تَتَحَرَّكِينَ حَرَكَةً سَرِيعَةً، وَمَعْنَاهُ: تَرْتَعِدُ. وَهُوَ بِضَمِّ التاء وبالزاى المكررة والفاء المكررة. وَرُوِيَ أيضاً بالراء المكررة والقافين.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مرتبہ ایک انصاری صحابیہ اُم سائب یا اُم مسیّب کے پاس تشریف لے گئے (بخار کی وجہ سے وہ کانپ رہی

تھیں) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اُم سائب یا اُم مسیّب! کیا بات ہے؟ کیوں کانپ رہی ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا: بخار ہے؛ اللہ پاک اس میں برکت نہ دے۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: بخار کو برا بھلا مت کہو؛ اس لیے کہ وہ انسانوں کے گناہوں کو اس طرح ختم کرتا ہے جس طرح بھٹّی لوہے کے میل کچیل کو صاف کرتی ہے۔

افادات:۔ یہاں اگرچہ بخار کو گالی نہیں دی، بلکہ اس سے تنگ آکر اس کے لیے بددعائیہ جملہ استعمال کیا تھا، اور گالی کے الفاظ بھی تنگ آکر ہی استعمال کئے جاتے ہیں؛ اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی تنگ آنے والی کیفیت کا اظہار جن الفاظ میں بھی ہو، چاہے بددعا کی شکل میں ہو یا اور کسی طریقہ سے ہو؛ اس کی ممانعت ہے۔

اور اس روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی جب بخار میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے گناہوں سے بالکل پاک صاف ہوجاتا ہے، جیسے: لوہے کو جب بھٹّی میں ڈالا جاتا ہے تو لوہا ایک دم صاف شفاف ہوجاتا ہے۔

باب النهي عن سب الريح وبيان ما يقال عند هُبُوْبِهَا

ہَوا کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

اور جب ہَوا چلے تو اس وقت کیا پڑھنا چاہیے؟

۱۷۲۷:- عن أبي المنذِرِ أُبي بن كعب رضي الله عنه قال قالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((لاَ تَسُبُّوا الرِّيحَ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ. وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ هذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ)). (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہَوا کو بُرا بھلا مت کہو، اگر کوئی ایسی چیز دیکھو جو تمہاری طبیعت کے خلاف ہے (**جیسے آندھی طوفان اور تیز ہَوا چل رہی ہو، تو برا بھلا کہنے مت لگ جاؤ، بلکہ اس وقت**) یہ دعا پڑھو: اے اللہ! اس ہَوا کی بھلائی اور اس میں جو بھلائی رکھی گئی ہے، اور یہ ہَوا جن چیزوں کو لے کر بھیجی گئی ہے؛ اس کی بھلائی کا میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔ اور اس ہَوا کی برائی اور اس کے اندر جو برائی رکھی گئی ہے، اور یہ ہَوا جن بری چیزوں کو لے کر بھیجی گئی ہے؛ اس سے میں پناہ مانگتا ہوں۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اپنا کام کرتی

ہے، اگر اس کی طرف سے ہمیں کوئی بھلائی، خیر وراحت اور فائدہ پہنچ رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے۔ اور اگر اس کی طرف سے ہمیں کوئی تکلیف وشر پہنچتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حکم سے ہے۔ اس لیے اس کے خیر کے ملنے اور اس کے شر سے بچنے کی اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرنی چاہیے۔

ہَوا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے

۱۷۲۸:- عن أبي هريرة رضی الله عنه قال سمعتُ رسُولَ اللهِ ﷺ يقولُ: الرِّيحُ مِنْ رَوحِ اللهِ، تَأْتِي بِالرَّحْمَةِ، وَتَأْتِي بِالعَذَابِ، فَإذَا رَأَيْتُمُوهَا فَلاَ تَسُبُّوهَا، وَسَلُوا اللهَ خَيْرَهَا، وَاسْتَعِيذُوا بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا. (رواه أبو داود بإسناد حسن)

قوله ﷺ: ((مِنْ رَوْحِ اللهِ)) هو بفتح الراء: أي رَحْمَتِهِ بِعِبَادِهِ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ہَوا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے (اللہ کے نیک بندوں کے لیے) وہ رحمت لے کر آتی ہے اور (گنہگاروں اور نافرمانوں کے لیے) عذاب بن کر آتی ہے۔ لہٰذا جب تم دیکھو (کہ تیز وتند ہَوا چل رہی ہے) تو اس کو برا بھلا مت کہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر مانگو اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

جب تیز ہَوا چلے اس وقت یہ دعا پڑھے

۱۷۲۹:- وعن عائشة رضی الله عنها قالت: كان النَّبِيُّ ﷺ إذا عَصَفَتِ الرِّيحُ قال: ((اللَّهُمَّ إنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہَوا کو تیز چلتا ہوا دیکھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اے اللہ! اس ہَوا کی بھلائی اور جو بھلائی اس کے اندر رکھی ہوئی ہے، اور جس بھلائی کو لے کر وہ بھیجی گئی ہے؛ اس کا مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور اس ہَوا کی برائی اور جو برائی اس کے اندر ہے، اور جس برائی کے ساتھ وہ بھیجی گئی ہے؛ اس سے مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

باب كراهة سب الديك

مرغ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

۱۷۳۰:- عن زید بن خالد الجُهَنِيِّ -رضی الله عنه- قال: قال رسُولُ اللهِ ﷺ: ((لاَتَسُبُّوا الدِّيكَ، فَإِنَّهُ يُوقِظُ لِلصَّلاَةِ)). (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت زید بن خالد جُہَنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مرغ کو برا بھلا مت کہو، اس لیے کہ وہ نماز کے لیے اُٹھاتا ہے۔

افادات:- عام طور پر تہجد کا وقت جب شروع ہوتا ہے اس وقت وہ بولتا ہے، پھر جب صبح صادق ہوتی ہے اس وقت بھی بولتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تو اچھائی کے لیے بولتا ہے، اس لیے اس کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔

اور حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: مرغ فرشتے کو دیکھ کر بولتا ہے، اور گدھا یا کتا شیاطین کو دیکھ کر چلاتے ہیں۔ اس لیے جب گدھا یا کتا چلاّئے تو ''أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' پڑھنا چاہیے، اور جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے خیر مانگنی چاہیے(۱)۔

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ، فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا. وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِنَّهَا رَأَتْ شَيْطَانًا. (صحیح مسلم، باب اسْتِحْبَابِ الدُّعَاءِ عِنْدَ صِيَاحِ الدِّيكِ)

وعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلاَبِ وَنَهِيقَ الْحُمُرِ بِاللَّيْلِ فَتَعَوَّذُوا بِاللهِ فَإِنَّهُنَّ يَرَيْنَ مَا لاَ تَرَوْنَ. (سنن ابو داود، باب مَا جَاءَ فِي الدِّيكِ وَالْبَهَائِمِ)

باب النهي عن قول الإنسان: مُطِرنا بِنَوْءِ كَذَا

کسی انسان کا یہ کہنا کہ فلاں ستارہ اور نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی، یہ ممنوع ہے

بعض مخصوص ستاروں کی چال، ہیئت کی وجہ سے نجومی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ آج فلاں ستارہ فلاں بُرج میں پہنچا ہے تو بارش تیز ہوگی، یا ہلکی ہوگی، یا بالکل ہی نہیں ہوگی۔ تو ستاروں کی بنیاد پر بارش وغیرہ کا حساب لگاتے ہیں اس کو نچھتر کہتے ہیں اور عربی میں اُسے ''نَوْءٌ'' کہتے ہیں، اور گجراتی میں ''નક્ષત્ર'' کہتے ہیں۔

شرکیہ عقیدہ

۱۷۳۱:- عن زيد بن خالد رضی الله عنه قال: صلّى بنا رسولُ اللهِ ﷺ صَلاَةَ الصُّبحِ بِالحُدَيْبِيَّةِ فِى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فقالَ: ((هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟)) قالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قال: ((قالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي، وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالكَوْكَبِ، وأَما مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالكَوْكَبِ)). (متفق عليه) وَالسَّمَاءُ هُنَا: المَطَرُ.

ترجمہ:- حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو مقامِ حدیبیہ میں فجر کی نماز ایسی حالت میں پڑھائی کہ اس رات بارش ہوئی تھی۔ جب آپ

نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پرودگار نے آج کیا فرمایا؟ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں (جب تک کہ وہ ہمیں نہیں بتائیں ؛ ہمیں کیسے پتہ چلے گا) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ باری تعالیٰ نے یوں فرمایا: میرے بندوں میں بعضوں نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی، اور بعضوں نے میرے ساتھ کفر کی حالت میں صبح کی۔ چناں چہ جن لوگوں نے اس بارش کے نتیجے میں یوں کہا کہ یہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوئی ہے؛ وہ تو مجھ پر ایمان رکھنے والے اور ستاروں (کی تاثیر) کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور جو یوں کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کی (تاثیر کی) وجہ سے بارش ہوئی تو وہ میرا انکار کرنے والا اور ستاروں کی تاثیر کو ماننے والا ہے۔

افادات: ۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عمرہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے احرام باندھ کر آئے تھے اور مکہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کو حدیبیہ میں روک دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ وہیں قیام پذیر تھے کہ ایک رات بارش ہوئی، اسی دن فجر کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی واقعۃً یہ سمجھتا ہو کہ بارش ستاروں کی گردش اور چال کی وجہ سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اس میں دخیل نہ سمجھتا ہو؛ تب تو وہ حقیقۃً کافر ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ بارش تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے؛ لیکن ستارے کو علامت اور نشانی سمجھتا ہے؛ تو اس صورت میں کافر تو نہیں ہوگا؛ لیکن کفریہ عقیدے کی مشابہت کی وجہ سے ایسا بولنا بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

باب تحریم قوله لمسلم: یا کافر

کسی مسلمان کو ''اے کافر'' کہہ کر پکارنا حرام ہے

زبان سے تعلق رکھنے والی مختلف باتیں اور متفرق آداب پچھلے کئی ابواب سے چل رہے ہیں۔ آج عنوان قائم کیا ہے کہ کوئی آدمی کسی مسلمان کو کافر کہہ کر پکارے؛ تو یہ حرام ہے۔ اس سلسلہ میں روایت پیش فرماتے ہیں۔

۱۷۳۲:- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قالَ رسولُ اللهِ ﷺ -: ((إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، فَإِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلاَّ رَجَعَتْ عَلَيْهِ)) (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو ''اے کافر'' کہہ کر پکارتا ہے؛ تو دونوں میں کوئی ایک ضرور اس لقب کو لے کر لوٹتا ہے۔ اب جس کو کافر کہہ کر پکارا ہے اس میں واقعتاً کوئی بات کفر کی پائی جاتی ہے (یعنی اس نے کوئی ایسا کام کیا ہے، یا کوئی بات ایسی کہی ہے جس کی وجہ سے وہ اصولی طور پر اسلام سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے) تب تو ٹھیک ہے؛ ورنہ وہ جملہ اس کے کہنے والے کی طرف ہی لوٹے گا۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کو مسلمان نہ سمجھتے ہوئے جان بوجھ کر کافر کہا، سب وشتم اور گالی کے طور پر نہیں کہا، بلکہ اس پر کافر ہونے کا حکم ہی لگانا چاہتا ہے؛ تو اس صورت میں یہ ہے کہ جس کو کافر کہا گیا ہے اس میں اگر کفر کی کوئی بات موجود نہیں تو پھر کہنے والا ہی کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس میں کفر کی بات موجود ہے، یا

اس کو کافر سمجھ کر کافر نہیں کہا، بلکہ بطور گالی کے یہ جملہ کہا ہے؛ تب بھی ایسا کہنا حرام ہے، اس صورت میں بھی ایسا جملہ کہنا اس کے لیے نقصان سے خالی نہیں ہے۔ ہمارے حضرت فقیہ الامت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: نجاست کے دلدل میں کوئی آدمی اگر پتھر پھینکے گا تو اس کے چھینٹے خود اسی پر اُڑیں گے۔

ورنہ وہ بول کہنے والے کی طرف لوٹیں گے

لعنت کے سلسلہ میں (حدیث کے اصلاحی مضامین، جلد:۱۳) میں تفصیل بتائی جا چکی ہے، تکفیر کے سلسلہ میں بھی وہی بات ہے۔ حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لعنت کے سلسلہ میں بہت عمدہ مثال ارشاد فرمائی ہے کہ: گیند کو اگر آپ سامنے کسی جگہ پر ماریں تو اگر وہ جگہ نرم ہوگی اور اس گیند کو اپنے اندر اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوگی؛ تب تو وہ گیند اندر گھس جائے گی اور وہیں رہ جائے گی۔ لیکن اگر وہ جگہ سخت ہوگی تو پھر وہ گیند جتنی قوت سے سامنے کی طرف پھینکی گئی ہے اتنی ہی قوت سے پھینکنے والے کی طرف لوٹ کر آئے گی۔ ایسے ہی یہاں پر بھی ہے کہ جس کو کافر کہا گیا ہے، اگر اس میں کفر کی کوئی بات موجود ہے، تب تو ٹھیک ہے؛ ورنہ یہ جملہ کہنے والے کی طرف ہی لوٹے گا۔

نقصان کہنے والے ہی کو بھگتنا پڑے گا

۱۷۳۳:- وعن أبي ذرٍّ رضی اللہ عنہ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يقولُ: مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ، أو قَالَ: عَدُوَّ اللهِ، وَلَيْسَ كَذلكَ إِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ. (متفق علیہ)

((حَارَ)): رَجَعَ.

ترجمہ:- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس آدمی نے کسی مؤمن کو کفر سے یاد کیا (یعنی یوں کہا: اے کافر) یا یوں کہا: اے اللہ کے دشمن (حالاں کہ مؤمن تو اللہ کا دوست ہوتا ہے) اور وہ ایسا نہیں ہے (یعنی اس میں کفر کی کوئی بات نہیں ہے، یا اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ہے جس کی بنیاد پر اس کو اللہ کے دشمن سے پکارا جائے) تو یہ جملہ اس کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔

افادات:۔ گویا اس صورت میں اس جملہ کا نقصان کہنے والے ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ اس لیے ایسے جملے بولنے سے بہت زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا

ویسے بھی فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ کسی کے اوپر کفر کا حکم لگانا بہت خطرناک ہے۔ اگر کسی نے کوئی ایک بات کہی جس کے سو مطلب نکل سکتے ہیں اور ان میں سے ننانوے مطلب ایسے ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے لیکن ایک مطلب ایسا ہے جس کی وجہ سے کفر لازم نہیں آتا؛ تب بھی اس پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے ہیں۔ یہ اس وقت ہے جبکہ اس نے خود اپنی بات کا مطلب متعین نہ کیا ہو، اور اگر وہ یوں کہے کہ میں نے جو جملہ کہا ہے اس کا یہی مطلب ہے، اور وہ مطلب کفر یہ ہے؛ تب تو اس پر کفر کا حکم لاگو پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے کوئی وضاحت نہیں کی ہو تو ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ محض احتمال کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم لگائیں۔

باب النهي عن الفحش وبذاء اللسان

بے حیائی اور بدزبانی کی ممانعت

اپنی زبان سے ایسی باتیں نکالنا جو بے حیائی کی ہوں، جیسا کہ بعضوں کا مشغلہ ہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو ہنسانے کے لیے بے حیائی کے کلمات بولتے رہتے ہیں: تو یہ حرام ہے۔ اسی طرح سے بدکلامی کرنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔

مؤمن ایسا نہیں ہوتا

۱۷۳۴:- عن ابن مسعودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ:
((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلاَ اللَّعَّانِ، وَلاَ الفَاحِشِ، وَلاَ البَذِيِّ))

(رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن)).

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن طنز وطعن کرنے والا، اور لعنت بھیجنے والا، اور فحش گو (یعنی اپنی زبان سے بے حیائی کی باتیں نکالنے والا) اور بدکلام نہیں ہوتا۔

افادات:- (۱) ایک بات کسی کو صاف طور پر کہنے کے بجائے لپیٹ کر کہنا؛ جس کو ٹونٹنگ کہتے ہیں۔ کلام کے درمیان ایسے جملے استعمال کرنا جس سے وہ یہ سمجھے کہ اس سے میری ہی طرف اشارہ ہے، ان الفاظ کے ذریعہ مجھے ہی مخاطب بنایا جارہا ہے اور میرے اوپر ہی الزام لگایا جارہا ہے، تو یہ جائز نہیں ہے۔ اس لیے کسی مؤمن کو اس طرح لپیٹ کر مخاطب کرنا جس کی وجہ سے اس کی دل آزاری ہو اور دل

دُکھے، اسی کو طنز سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ اور یہ حرام ہے۔

پہلے بھی آچکا ہے کہ مؤمن کی عزت وحرمت کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی وقعت واہمیت ہے، اور ایسی کوئی بات کہنا جس سے اس کی عزت کے اوپر آنچ آتی ہو؛ اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

(۲) بات بات میں بددعائیہ کلمات کہنا؛ یہ بھی مؤمن کی شان نہیں ہے۔ پہلے بھی بتایا جاچکا کہ اگر کسی نے کسی پر لعنت بھیجی، یا کسی کو بددعائیہ جملہ کہا، اور جس کو کہا گیا ہے وہ اس کا اہل نہیں ہے؛ تو یہی جملہ خود اس کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔

(۳) بے حیائی کی باتوں سے بہت سختی سے منع کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے۔

(۴) مؤمن بدکلام نہیں ہوتا۔ بے حیائی کے علاوہ زبان کی بے احتیاطیوں کو بذاءت یعنی بدکلامی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شرم وحیاء خوبی پیدا کردیتی ہے

۱۷۳۵:- وعن أنسٍ رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللہِ ﷺ: ((مَا كَانَ الفُحشُ فِي شَيءٍ إلاَّ شَانَهُ، وَمَا كَانَ الحَيَاءُ فِي شَيءٍ إلاَّ زَانَهُ)).

(رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس چیز میں بے حیائی ہوتی ہے وہ اس میں عیب پیدا کردیتی ہے۔ اور جس چیز میں شرم وحیا ہوتی ہے وہ اس میں زینت وخوبی پیدا کردیتی ہے۔

افادات:- شرم وحیا جہاں بھی آئے گی وہ خوبی لے کر ہی آئے گی۔ اور

بےحیائی و بےشرمی عیب لے کر ہی آئے گی۔ دورِ حاضر میں جس تہذیب کو پھیلایا جارہا ہے اس کی بنیاد ہی بےحیائی پر ہے، اور پہلے بھی گزر چکا ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حیا اور ایمان دونوں جُڑواں ہیں، ایک جہاں ہوگا وہاں دوسرا بھی ہوگا، اور جہاں سے ایک رخصت ہوگا وہاں سے دوسرا بھی چلا جائے گا۔

باب كراهة التقعير في الكلام والتشدُّق فيه وتكلف الفصاحة واستعمال وحشي اللُّغة ودقائق الإعراب في مخاطبة العوام ونحوهم

بات کو گلے کے اندر سے بہ تکلف کہنے، اپنی بات میں فصیح وبلیغ جملے بہ تکلف بولنے کا اہتمام کرنے اور اپنے کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جس کا معنیٰ عام طور پر لوگ جانتے نہ ہوں، اور عوام سے بات کرتے ہوئے ان کی سطح سے اوپر کے کلمات استعمال کرنے کی ممانعت

اگر کسی آدمی کی زبان ہی شستہ وصاف ہو کہ غیر اختیاری طور پر اس کی زبان سے فصیح کلمات نکلتے ہیں؛ تب تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر کسی کی زبان میں تو یہ خوبی نہیں ہے پھر بھی وہ بہ تکلف ایسے فصیح کلمات نکالتا ہے۔ یا عوام کے ساتھ ان کی سطح سے اونچے الفاظ میں بات چیت کرتا ہے کہ وہ ان الفاظ کے معانی کو آسانی سے سمجھ ہی نہیں سکتے؛ تو

اس کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔

ایک لطیفہ

جیسے: ایک مرتبہ لکھنؤ کے نواب صاحب کے پاس ان کی رعیت کے کچھ کسان لوگ ملاقات کے لیے آئے تو نواب صاحب نے ان سے پوچھا: اِمسال کِشتِ زارِ گندم میں تقاطرِ اَمطار کیسا ہے؟ یعنی آپ کے گیہوں کے کھیت میں بارش کا کیا حال ہے؟ وہ بیچارے دیہاتی لوگ تھے، اس بات کو کہاں سمجھ پاتے، آپس میں کہنے لگے کہ: اس وقت نواب صاحب کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہیں، چلو! بعد میں ملیں گے۔

خلاصہ یہ کہ بات کرتے ہوئے ایسے کلمات استعمال کرنا جس سے سامنے والا بات نہ سمجھ سکے، یہ تکلف ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

''مُتَنَطِّع'' ہلاک ہوئے

۱۷۳۶:-عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ: أَنَّ النبيَّ ﷺ قال: ((هَلَكَ المُتَنَطِّعُونَ.)) قَالَهَا ثَلاَثاً. (رواہ مسلم) ((المُتَنَطِّعُونَ)): المُبَالِغُونَ فِي الأُمُورِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا: ''مُتَنَطِّع'' ہلاک ہوئے۔

افادات:- ''مُتَنَطِّع'' یعنی جو کسی بھی چیز میں مبالغہ آرائی کرنے والے اور حد سے آگے بڑھنے والے ہوں، چاہے بولنے کا ہی معاملہ ہو۔

ٹی وی اور ڈرامے دیکھنے کی نحوست

آج کل سینما، ٹی وی وغیرہ میں جو مختلف ڈرامے دکھلائے جاتے ہیں اور اس

میں جتنے بھی ڈائیلاگ اور جملے ہوتے ہیں، وہ سب تکلّفات کے قبیل سے ہی ہوتے ہیں، پھران کو دیکھ کراورسن کرلوگ بھی انہیں جملوں کواستعمال کرنے لگتے ہیں؛ وہ سب اس وعید میں داخل ہیں۔ بہت سے چھوٹے بچے بھی جو تعلیم کی باتیں نہیں سمجھتے لیکن ایسی باتوں کو دیکھ کراورسن کر جب دُہراتے ہیں تو وہ ایسی اونچی ہوتی ہیں جس کوسن کرآدمی حیرت میں پڑجائے کہ بڑاذہین اورسمجھدار بچہ معلوم ہوتا ہے؛ لیکن پڑھائی کے معاملہ میں جب اسی بچے کے متعلق اس کے استاذ سے پوچھا جاتا ہے تو وہ یہ رپورٹ دیتے ہیں کہ بالکل غبی ہے۔ یہ ساری نحوست بچپن سے ٹی وی دیکھتے رہنے کی ہوتی ہے کہ اسی کو دیکھ دیکھ کراورسن سن کراس کے عادی بن جاتے ہیں لیکن فہم وسمجھ کو بڑھانے والی صلاحیت ان میں پیدانہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو ناپسند کرتے ہیں

۱۷۳۷:-وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما: أَنَّ رسُولَ اللهِ -ﷺ- قال: ((إِنَّ اللهَ يُبْغِضُ البَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا تَتَخَلَّلُ البَقَرَةُ)). (رواه أبوداود والترمذی، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ اس بلاغت کا کلام کرنے والے آدمی کو ناپسند کرتے ہیں جو اپنی زبان کواس طرح موڑتا ہے جیسے گائے چارا کھاتے وقت اپنی زبان کوموڑتی ہے۔

افادات:- گائے چارا کھا کر پہلے اندراتار لیتی ہے، پھر جگالی کرنے کے لیے جب اس کودوبارہ منھ میں واپس لاتی ہے اس وقت اپنی زبان کو پوراموڑ لیتی ہے۔ جوآدمی بہ تکلّف بلاغت پیدا کرتا ہے وہ بھی اپنی زبان کو گویا گائے کی طرح موڑتا

ہے؛ ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کلام کے اندر بھی سادگی پسندیدہ ہے۔

دربارِ نبوت میں محبوب ترین کون؛ اور مبغوض ترین کون؟

۱۷۳۸:- وعن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہما أنَّ رسُولَ الله ﷺ قال: إنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ، وأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِساً يَومَ القِيَامَةِ، أحَاسِنَكُمْ أَخْلاقاً، وإنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ، وأَبْعَدَكُمْ مِنِّي يَومَ القِيَامَةِ، الثَّرْثَارُونَ وَالمُتَشَدِّقُونَ وَالمُتَفَيْهِقُونَ. (رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن). وقد سبق شرحه فی بَابِ حُسْنِ الخُلُقِ.

ترجمہ:- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ، اور قیامت کے روز مجھ سے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والے؛ وہ لوگ ہوں گے جو اخلاق کے اعتبار سے اچھے ہوں۔ اور تم لوگوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ، اور قیامت کے روز مجھ سے سب سے زیادہ دور؛ وہ لوگ ہوں گے جو بات کرنے میں کثرت سے تکلّف کرنے والے ہوں (گویا ان کا مزاج ہی تکلّف والا بن گیا ہو) اور جو بہ تکلّف منھ بھر بھر کر باتیں کرنے کے عادی ہوں، اور جو اپنی بڑائی جتلانے کے لیے بات کرنے والے ہوں۔

افادات:- جن کے اخلاق اچھے ہیں وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب اور پسند ہیں اور قیامت کے روز ان کا مقام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہوگا۔

بعض لوگوں کا بات کرنے کا انداز ہی ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنی بڑائی اور فوقیت جتلانا چاہتے ہیں؛ ایسے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں ناپسندیدہ ہیں اور قیامت کے روز حضور سے دور ہوں گے۔

باب کراهة قوله: خَبُثَتْ نَفْسي

کسی کلام کے مفہوم کوادا کرنے کے لیے دو کلمات ہیں اور دونوں ایک ہی مطلب ومفہوم کوادا کرتے ہیں؛ لیکن ان میں سے ایک کلمہ بھاری ہوتا ہے، جسے سننے کو طبیعت پسند نہیں کرتی، اور دوسرے کلمہ میں وہ برائی نہیں ہوتی؛ تو شریعت یہ ہدایت دیتی ہے کہ جب اس مفہوم کوادا کریں تو جس کلمہ میں وہ برائی نہیں ہے اس کو استعمال کیجیے۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے کہ آپ کسی کو بے وقوف کہنا چاہتے ہیں تو ایک تو یہ ہے کہ آپ اسے بے وقوف کہیں، اور دوسرا یہ ہے کہ آپ اس کو گدھا کہیں۔ جب کسی کو گدھا کہا جاتا ہے تو بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے، حالاں کہ دونوں کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے، بولنے والا گدھا بول کر بھی سامنے والے کو بے وقوف ہی کہنا چاہتا ہے؛ لیکن لفظ گدھا سن کر سننے والے کو زیادہ وحشت ہوتی ہے۔ تو دیکھو! ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے دو لفظ ہیں لیکن دونوں میں سے ایک لفظ اتنا بھاری نہیں لگتا جتنا دوسرا لگتا ہے۔

تعبیر کے دو انداز

۱۷۳۹:- عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ قال: ((لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: خَبُثَتْ نَفْسِي، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ: لَقِسَتْ نَفْسِي)) (متفق عليه)

قَالَ الْعُلَمَاءُ: مَعْنَى ((خَبُثَتْ)): غَثَتْ، وَهُوَ مَعْنَى: ((لَقِسَتْ)) وَلٰكِنْ كَرِهَ لَفْظَ الْخُبْثِ

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی "خَبُثَتْ نَفْسِي" نہ کہے، بلکہ اس کو چاہیے کہ "لَقِسَتْ نَفْسِي" کہے۔

علماء نے فرمایا کہ: "خَبُثَتْ" کا معنیٰ ہے "غَثَتْ" یعنی جی متلانا، اور "لَقِسَتْ" کا

مطلب بھی وہی ہے؛لیکن ''خَبُثَتْ'' والے لفظ کوحضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔

افادات:۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام کے آداب بھی ہمیں سکھلائے ہیں چناں چہ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ سننے والوں کے لیے وہ بڑے گراں ہوتے ہیں، گویا کان ان الفاظ کوقبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، بقولِ شخصے: کان کُلی کرتے ہیں۔اسی طرح اس روایت میں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الفاظ کا استعمال بتلارہے ہیں کہ جب کسی کا جی متلارہا ہو، متلی آرہی ہو، آدمی کی طبیعت میں قے کی کیفیت پیدا ہورہی ہو،تو اس کوتعبیر کرنے کے لیے عربی زبان میں دو لفظ استعمال کیے جاتے ہیں، ایک لفظ ''لَقِسَتْ نَفْسِی'' ہے کہ میرا جی برا ہورہا ہے، مجھے متلی آرہی ہے۔اوردوسری تعبیر ''خَبُثَتْ نَفْسِی'' ہے،اس کا ترجمہ بھی وہی ہوتا ہے؛لیکن لفظ''خبیث'' استعمال ہورہا ہے کہ میرا جی خبیث ہورہا ہے،تو ''خَبُثَتْ'' والے لفظ میں''لَقِسَتْ'' کے مقابلہ میں قباحت زیادہ ہے، حالاں کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے؛لیکن''خَبُثَتْ'' والا لفظ ذرا بھاری تھا؛اس لیے اس کواستعمال کرنے سے منع فرمایا۔

یہودیوں کی شرارتیں

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دونوں لفظ کا معنیٰ یکساں ہوتا ہے لیکن ایک لفظ ایسا ہے جس میں بعض شر پسندوں کوشرارت کا موقعہ ملتا ہے، دوسرے لفظ کا بھی مفہوم تو وہی ہے لیکن کسی کوشرارت کا موقعہ نہیں مل سکتا؛تو پھر ایسے لفظ کواستعمال کرنے سے منع کریں گے جس میں شر پسندوں کوشرارت کا موقعہ ملتا ہو۔ جیسے: یہودی جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے لفظ ''رَاعِنَا'' کہتے تھے۔یہ عربی کا لفظ ہے جو''رَاعیٰ،یُرَاعِیْ، مُرَاعَاۃً'' سے بنتا ہے جس

کا معنیٰ ہے خیال کرنا، ''رَاعِنَا''یعنی ہمارا بھی خیال کیجئے۔اب دیکھا جائے تو عربی کے اعتبار سے بڑا اچھا لفظ ہے،لیکن عبرانی زبان میں یہ ایک گالی ہے۔اور یہود ہمیشہ ایسا کلام استعمال کرتے تھے جس کو سامنے والا آسانی سے سمجھ نہ سکے اور ان کو شرارت کرنے کا موقعہ مل جائے۔

اب یہود آکر''رَاعِنَا'' کہتے تھے اور یہ عبرانی زبان میں گالی ہے اور وہ اسی مفہوم کی وجہ سے یہ لفظ بولتے تھے؛لیکن ان کے دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی ''رَاعِنَا'' کہنا شروع کردیا۔اب مسلمان تو عربی مفہوم کی وجہ سے کہتے تھے کہ بڑا اچھا لفظ ہے؛لیکن یہودی تنہائی میں مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور بہت خوش ہوتے تھے کہ تمہاری گالی برابر چل رہی ہے۔باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آیت نازل فرمائی:﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ اے ایمان والو!جب تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہو؛تو''رَاعِنَا''مت کہو، بلکہ''اُنْظُرْنَا'' کہو۔حالاں کہ''اُنْظُرْنَا'' کا مطلب بھی وہی ہے کہ اے اللہ کے رسول!ہماری طرف نظرِ عنایت فرمائیے۔جو مطلب''اُنْظُرْنَا'' کا ہے،وہی مطلب''رَاعِنَا'' کا بھی ہے، لیکن چوں کہ یہودی''رَاعِنَا'' کو غلط مطلب میں استعمال کرتے تھے اس لیے اس لفظ کے استعمال سے منع فرمادیا۔

اسی طرح یہود جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تو''السَّلَامُ عَلَیْکُمْ'' (تم پر سلامتی ہو) کے بجائے''اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ'' کہا کرتے تھے۔عربی میں ''سَام''موت کو کہتے ہیں،یعنی تم پر موت آئے۔ظاہر ہے کہ ان دونوں معنوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔اگر کوئی آدمی دھیان سے نہ سنے تو اس کو پتہ ہی نہ چلے کہ

''السَّلَامُ'' کہا، یا ''السَّامُ'' کہا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں اور یہود نے آکر ''أَلسَّامُ عَلَيْكُمْ'' کہا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا: ''عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ'' (یعنی تم پر موت ہو اور لعنت) گویا مارے غصہ کے حضرت عائشہؓ نے لعنت کا لفظ بڑھا دیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ذرا نرمی سے کام لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے جواب میں کیا کہا؛ وہ تم نے نہیں سنا؟ انہوں نے ''أَلسَّامُ عَلَيْكُمْ'' کہا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ''عَلَيْكُمْ'' فرمایا، یعنی تم پر بھی وہی ہو۔ ''Same To You''

باب كراهة تسمية العنب كرماً

انگور کو کرم کا نام دینے کی ممانعت

اہلِ عرب کے یہاں سخاوت والی خوبی بہت اعلیٰ سمجھی جاتی ہے، اور ہے بھی ایسا ہی کہ سخاوت بہت ساری خوبیوں کی جڑ ہے۔ اس کے مقابلہ میں بخل ہے جس کی وجہ سے بہت سی برائیاں وجود میں آجاتی ہیں۔ آدمی جب شراب پیتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے ہوش وحواس برقرار نہیں رہتے، اور شراب پینے کی وجہ سے اس کی طبیعت میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس میں وہ مال بہت خرچ کرتا ہے۔ گویا شراب اپنے نتیجے کے اعتبار سے اس کو مال کے خرچ کرنے پر آمادہ کرنے کا ذریعہ بنی۔ اور شراب بنتی ہے انگور سے، اس وجہ سے اہلِ عرب نے انگور کا نام ہی ''کَرَم'' رکھ دیا۔ کرم یعنی سخاوت۔ اور یہ عمدہ صفت ہے، اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام کریم بھی ہے۔ انہوں نے انگور کو یہ نام اس وجہ سے دیا کہ اس سے شراب بنتی ہے اور شراب پینے کے نتیجے میں آدمی کے ہوش وحواس باقی نہیں رہتے، اور اس کے نتیجے میں آدمی مال خوب خرچ کرتا ہے۔ تو گویا اصل اور جڑ تو انگور ہی ہوا۔ اور شراب کو اچھا بتلانے کے لیے انگور کو کرم کا نام دیا گیا۔ تو گویا اس نام کے پیچھے مقصد شراب کو رواج دینا ہوا، اور چوں کہ شراب کو شریعت نے حرام بتلایا ہے، اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگور کو اس نام سے یاد کرنے سے منع فرمایا۔

کرم مؤمن کا دل ہے

۱۷۴۰:- عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ:

لَاتُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ، فَإِنَّ الْكَرْمَ الْمُسْلِمُ. (متفق عليه، وهذا اللفظ مسلم)

وفی رواية: فَإِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ.

وفی رواية للبخاری ومسلم: يَقُولُونَ الْكَرْمُ، إِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ.

ترجمہ: - حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انگور کو کَرْم مت کہو، اس لیے کہ کَرْم تو مسلمان ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ: کَرْم مؤمن کا دل ہے۔

افادات: - ایک چیز اعمال ہیں اور ایک چیز اخلاق ہیں، جیسے صدقہ کرنا ایک عمل ہے؛ لیکن آدمی کو صدقہ کرنے پر دل کا جو جذبہ اور کیفیت اُبھارتی ہے وہ سخاوت اور کرم ہے؛ یہ کیفیت ''خُلُق'' کہلاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اعمال کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہے، اور اخلاق کا تعلق دل سے ہے۔ لیکن ہمارے عرف اور محاورہ میں کوئی آدمی لوگوں سے ہنس ہنس کر بات کرے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کے اخلاق بہت اچھے ہیں، حالاں کہ صرف ہنس کر باتیں کرنے کا نام اخلاق نہیں ہے، بلکہ اخلاق دل کی صفات کا نام ہے، جیسے: تواضع وانکساری، زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی، اخلاص یعنی ہر ایک کام کو اللہ تعالیٰ کے واسطے انجام دینا، اسی طرح سے سخاوت بھی ایک اچھی صفت ہے۔ تو یہ ساری دل کی خوبیاں اور قلب کے اوصاف ہیں، جس دل میں یہ خوبیاں ہوں گی اس کے اعمال پر بھی اس کا اثر پڑے گا اور اسی کے مطابق اس سے اعمال سرزد ہوں گے۔ اسی طرح بداخلاقیاں اور برائیاں ہیں، جیسے: تکبر، بخل، دنیا کی محبت، شہوت وغیرہ صفات بھی دل کی ہیں، ان کا بھی اثر انسان کے اعمال پر پڑتا ہے کہ ان کی وجہ سے انسان کے اعمال بگڑتے ہیں۔

اس روایت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کرم یعنی سخاوت تو بندۂ مؤمن کے قلب کی صفت ہے، اس لیے انگور کو کرم مت کہو۔

۱۷۴۱:-وعن وائلِ بنِ حُجرٍ رضی اللہ عنہ عن النّبیِّ ﷺ قال: لاتَقُولُوا: الکَرْمُ، وَلکِنْ قُولُوا: العِنَبُ، والحَبَلَةُ. (رواہ مسلم)

((الحَبَلَةُ)) بفتح الحاء والباء، ویقال أیضاً بإسکان الباء.

ترجمہ:- حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: انگور کو کرم مت کہو، بلکہ عنب اور حَبَلہ کہو۔

افادات:- انگور کے لیے عربی میں ''عِنَبٌ'' اور ''حَبلَةٌ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

باب النهي عن وصف محاسن المرأة لرجل إلاَّ أن يحتاج إلى ذلك لغرض شرعي كنكاحها ونحوه

کسی مرد کے سامنے کسی عورت کے اوصاف اور خوبیوں کو بغیر شرعی حاجت کے بیان کرنے کی ممانعت

اگر کوئی آدمی کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہے اور اس کے سامنے کوئی عورت اس کی خوبیاں بیان کرے کہ وہ حسین و جمیل ہے اور اس کے اندر یہ خوبیاں ہیں؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے کہ یہ تو ایک ضرورت کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے پھر بھی کسی عورت کی خوبیوں کا کسی مرد کے سامنے ذکر کیا جا رہا ہو، چاہے بیان کرنے والا مرد ہو یا عورت؛ تو اس کی اجازت نہیں۔ عام طور پر دلالی کرنے والی عورتیں دوسری عورتوں کی خوبیوں اور خوبصورتی کو اجنبی مردوں کے سامنے بیان کیا کرتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کے دل میں غیر اختیاری طور پر اس عورت کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، پھر اس سے راہ و رسم پیدا کرنے کے طریقے سوچتا ہے اور پھر اس کی ملاقات کی تدبیریں کرتا ہے، اور پھر یہی چیز آگے جا کر گناہ میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔ آج کل یہ

شکلیں بہت زیادہ ہوگئی ہیں، حالاں کہ اس سے شریعت نے منع کیا ہے۔اور کسی عورت کے سامنے کسی مرد کے حالات بیان کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔

یہ حرکت حرام کاری تک پہنچا دیتی ہے

۱۷۴۲:- عن ابن مسعودٍ- رضی الله عنه-قال قال رسول الله ﷺ: ((لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَصِفَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا)). (متفق علیه)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی عورت کسی عورت کو اس نیت سے نہ دیکھے، یا اس کے جسم کو اس لیے نہ چھوئے کہ پھر اپنے شوہر کے سامنے اس کے حالات اس انداز سے بیان کرے کہ گویا وہ اس عورت کو دیکھ رہا ہے

افادات:- کسی عورت کا جسم چھوکر اپنے شوہر کو بتانا کہ اس کا جسم تو بڑا گداز اور نرم ونازک ہے، اور فلاں کا چہرہ تو بڑا حسین ہے، آنکھیں ایسی ہیں؛ تو یہ ممنوع ہے۔اگر بیوی ہی اپنے شوہر کے سامنے کسی اجنبیہ کی خوبیاں اس طرح بیان کرے کہ گویا پورا نقشہ ہی کھینچ کر شوہر کے سامنے رکھ دے تو اس سے منع فرمایا ہے۔روایتوں میں آتا ہے کہ اس کی وجہ سے کبھی ایسی نوبت آجاتی ہے کہ اس عورت کی محبت شوہر کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے، پھر اگر وہ بے نکاحی عورت ہے تو اس کو نکاح کا پیغام دے کر اس سے نکاح کرلے گا اور اس پہلی بیوی کو چلتا کردے گا۔گویا اس نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا۔یہ تو ممانعت کی ایک وجہ ہوئی۔لیکن اگر ایسی نوبت نہ آئے تب بھی ہر حال میں کسی اجنبی مرد کی خوبیوں کو کسی اجنبی عورت کے سامنے اور اجنبی عورت کی خوبیوں کو کسی اجنبی مرد کے سامنے بیان کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اس لیے کہ یہی چیزیں آگے جاکر حرامکاری تک پہنچا دیتی ہے۔

باب كراهة قول الإنسان: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إنْ شِئْتَ، بل يجزم بالطلب

دعا کو مشیتِ الٰہی کے ساتھ مقید نہ کرے بلکہ پختگی سے مانگے

مختلف آداب کا سلسلہ پچھلی کئی مجالس سے جاری ہے۔ آج دعا کے سلسلہ میں باب قائم کیا ہے کہ آدمی جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا ہو، چاہے اپنی مغفرت کا سوال ہو، یا اور کسی چیز کی دعا مانگ رہا ہو، تو ایسا صیغہ استعمال کرنا جس میں بظاہر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی درخواست کو پختگی کے ساتھ پیش نہیں کیا جا رہا ہے، جیسے یوں کہے کہ: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے معاف کر دے؛ اس طرح سے دعا مانگنے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ دعا تو پختگی اور قوت کے ساتھ مانگنی چاہیے کہ: اے اللہ! میری مغفرت کر دے، مجھ پر رحم کر دے، مجھے روزی عطا فرما دے۔ ایسا نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے روزی دے۔

۱۷۴۳:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه أنَّ رسول الله ﷺ قال: لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ: اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ. (متفق عليه)

وفي رواية لمسلم: وَلٰكِنْ لِيَعْزِمْ وَلْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى

لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ أَعْطَاهُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی دعا میں ایسا نہ کہے کہ: اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے معاف کردے، اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھ پر رحم فرمادے (دوسری روایت میں ہے: ''أَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ إِنْ شِئْتَ'' اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے روزی دے) بلکہ سوال پختگی اور قوت کے ساتھ کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر جبر و زبردستی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے: لیکن پختگی سے مانگے، اور خوب شوق و رغبت ظاہر کرے، کیوں کہ اس کی مطلوبہ چیز اگر اللہ تعالیٰ اسے دیدیں گے تو اس کی وجہ سے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ پر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا، (یا اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آجائے گی۔)

افادات:- اس لیے کہ عام طور جب کسی سے اس انداز سے کوئی سوال و مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہاں سامنے والے کو یہ جتلانا مقصود ہوتا ہے کہ تمہیں جو بات کہی جارہی ہے اس میں تمہیں اختیار دیا جارہا ہے، تم چاہو تو کرو، نہ چاہو تو نہ کرو۔ اور عام طور پر آدمی ایسے الفاظ اس وقت استعمال کرتا ہے جبکہ سامنے ایسی شخصیت ہو جس کے متعلق اس کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کو کہنے کے نتیجہ میں وہ میری بات کا بوجھ لے لے گا، اور یہ اپنی بات یا مطالبہ سے اس پر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا۔ گویا اس طرح کے الفاظ استعمال کرکے سامنے والے کو یہ بتایا جارہا ہے کہ ہم تم سے جو مطالبہ کررہے ہیں اس کو پورا کرنے کے سلسلہ میں ہماری طرف سے تم پر کوئی جبر و زبردستی نہیں ہے، آپ کو اختیار ہے اگر آپ چاہیں تو ہمارے اس مطالبہ کو پورا کیجئے، ورنہ نہیں۔ جیسے باپ نے بیٹے سے کہا کہ کل بمبئی میں فلاں کام ہے، اگر چاہو تو چلے جاؤ۔ گویا باپ اس طرح کے الفاظ

کہہ کر بیٹے کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ اس سلسلہ میں تمہیں اختیار رہے، میری طرف سے تم پر کوئی جبر وزبردستی نہیں ہے۔ گویا سامنے والے کو اپنے کسی معاملہ میں آزاد رکھنے کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ: اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو میری مغفرت کر دیجئے، بلکہ پوری قوت کے ساتھ یوں کہے کہ: اے اللہ! میری مغفرت کر ہی دیجئے۔

اب یہ ہے کہ ''إِنْ شِئْتَ'' کے ذریعہ سے چاہنے والا لفظ جو استعمال کیا جاتا تھا اس کا مقصد سامنے والے کو اختیار دینا اور یہ جتلانا ہوتا تھا کہ ہماری طرف سے آپ پر کوئی جبر نہیں ہے۔ اب اگر ہم کتنی ہی قوت کے ساتھ کیوں نہ کہیں، اللہ تعالیٰ پر تو ہمارا کوئی جبر ہے ہی نہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں: ''فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ'' کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر وزبردستی کرنے والا نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ہی دیں گے۔ اس لیے آپ یہ نہ سوچئے کہ اگر میں یوں کہوں گا کہ: اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف کر دیجئے، تو اس کی وجہ سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ پر کوئی زبردستی ہو جائے گی۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ دعا میں اپنا مطالبہ پوری قوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرے۔ حدیث پاک میں اس کی ایک وجہ یہی بتائی گئی۔

اس طرح سے دعا نہ مانگنے کی ایک اور وجہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس طرح مطالبہ کرنے میں گویا ایک طرح کی بے رغبتی پائی جاتی ہے۔ مثلاً: آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے، اور آپ کسی سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو مجھے یہ چیز دیدیجئے۔ تو یہ کہہ کر آپ سامنے والے کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم نے جو چیز مانگی

ہے وہ اگر ہمیں مل جائے تو اچھا ہے، اور اگر نہ بھی ملے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس انداز سے مطالبہ کرنا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایک طرح کی گستاخی ہے؛ اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

۱۷۴۴:-وعن أنس رضی الله عنه قال قال رسولُ اللهِ ﷺ: ((إذا دَعَا أحَدُكُمْ فَلْيَعْزِمِ المَسْأَلَةَ، وَلاَ يَقُولَنَّ: اللَّهُمَّ إنْ شِئْتَ، فَأَعْطِنِي، فَإنَّهُ لاَ مُسْتَكْرِهَ لَهُ)). (متفق علیه)

یہ روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، اس کا بھی مفہوم وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کا تھا، الفاظ کا ذرا سا فرق ہے۔

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جب دعا کرے تو پختگی اور قوت کے ساتھ سوال کرے۔ یہ نہ کہے کہ: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے یہ چیز دیدے (اور آپ یہ نہ سوچئے کہ اگر مَیں قوت سے مانگوں گا تو زبردستی ہو جائے گی) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔

باب كراهة قول: مَاشَآءَ اللّٰهُ وشَآءَ فُلَانٌ

”اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے بھی چاہا“ کہنا ناپسندیدہ ہے

اللہ تعالیٰ کی شان میں جن آداب کی رعایت کرنا بندوں کے لیے ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی معاملہ میں آدمی جب اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کو ظاہر کررہا ہو، اور ساتھ ہی بندوں کی مشیت اور ارادے کو بھی بولا جارہا ہے، تو ان دونوں ارادوں کو ظاہر کرنے کے لیے ایسا انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے نعوذ باللہ دونوں کی برابری کا شبہ پیدا ہوتا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ظاہر کرنے کے بعد بندے کا ارادہ ظاہر کرنے سے پہلے درمیان میں ایسا لفظ لایا جائے جس سے سننے والوں کے سامنے دونوں کا فرق نمایاں ہوتا ہو۔ یہ بھی آدابِ الوہیت میں سے ہے۔

۱۷۴۵:- عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لَاتَقُوْلُوْا: مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشَآءَ فُلَانٌ؛ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا: مَاشَآءَ اللّٰهُ، ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ.

(رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا مت کہو کہ: اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے چاہا، بلکہ یوں کہو: اللہ تعالیٰ نے چاہا، اس کے بعد فلاں نے چاہا۔

افادات:- مثلاً: کوئی یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور آپ نے چاہا

تو میرا کام بن جائے گا، تو اس جملہ میں لفظ ''اور'' استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں لفظ ''اور'' سے پہلے، اور لفظ ''اور'' کے بعد جو بات کہی گئی ہے ان دونوں کی برابری ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی و عظمت کا جو ادب ادا کرنا چاہیے، اس میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور اس کی مدد شاملِ حال ہوئی، اور اس کے بعد آپ کی توجہ ہوگی؛ تو ہمارا کام ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ بندے کے عمل کی حیثیت اس کے مطابق ہونی چاہیے۔ کسی بھی کام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا ذکر اس طرح کرنا جس میں بظاہر دونوں کی برابری لازم آتی ہو؛ یہ بہت غلط طریقہ ہے، اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ادب بھی ہمیں سکھایا۔

باب كراهة الحديث بعد العشاء الآخرة

عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کی ممانعت

والمُرادُ بِهِ الحَدِيثُ الذِي يَكُونُ مُبَاحاً فِي غَيرِ هذا الوَقتِ، وَفِعلُهُ وَترُكُهُ سواءٌ. فَأَمَّا الحَدِيثُ المُحَرَّمُ أو المَكرُوهُ في غير هذا الوقتِ، فَهُوَ في هذا الوقت أَشَدُّ تحريماً وَكَرَاهَةً. وأَمَّا الحَدِيثُ في الخَيرِ كَمُذَاكَرَةِ العِلمِ وَحِكَايَاتِ الصَّالِحِينَ، وَمَكَارِمِ الأَخلَاقِ، والحَدِيث مع الضَّيفِ، ومع طالبِ حَاجَةٍ، ونحو ذٰلك، فلا كَرَاهَةَ فيه، بل هُوَ مُستَحَبٌّ، وكَذَا الحَدِيثُ لِعُذرٍ وعَارِضٍ لا كَرَاهَةَ فِيه. وقد تظاهَرَتِ الأحَادِيثُ الصَّحِيحةُ على كُلِّ ما ذَكَرتُهُ.

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اس باب کی کچھ تشریح فرماتے ہیں:۔

پہلی بات تو یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کرنے کی جو ممانعت ہے وہ اُس بات چیت کے متعلق ہے جو دیگر اوقات میں فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن جو باتیں دیگر اوقات میں بھی گناہ اور ممنوع ہیں ان کو عشاء کے بعد اگر کیا جائے گا تو اس کا گناہ اور زیادہ بڑھ جائے گا، اس لیے کہ عشاء کے بعد ان باتوں سے بھی منع کیا گیا ہے جو جائز کی حد میں آتی ہیں؛ تو پھر جو اپنے آپ کو ناجائز باتوں میں مشغول کرے گا اس کے لیے تو اور زیادہ شناعت وقباحت ہوگی، جیسے: عشاء کے بعد ٹی وی کے سامنے ڈرامہ اور فلم دیکھنے بیٹھ گیا، یا غیبت کی مجلسیں لگائیں۔

بعض باتیں جائز بھی ہیں

البتہ عشاء کے بعد نیکی کی باتوں میں لگنا، جیسے ہمارا یہ سلسلہ(۱) عشاء کے بعد ہی جاری ہے، اسی طرح علمی باتیں اور مذاکرات، نیک لوگوں کے واقعات سننا سنانا، اچھے اخلاق کی تعلیم اور ان کو بیان کرنا، جواز کی حد میں رہتے ہوئے مہمان کے اکرام میں اس سے بات چیت کرنے بیٹھنا، کوئی ضرورت مند عشاء کے بعد آ گیا تو اس سے بات چیت کرنا؛ ان جیسی صورتوں میں بات چیت کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ مستحب ہے، اسی طرح کسی عذر اور ضرورت کے حالات کی وجہ سے بات چیت کرنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں ہے، جیسے: پڑوسی نے آواز لگائی اور آپ پہنچ گئے اور اس سے بات چیت میں مشغول ہوئے کہ بھائی! کیا بات ہے؟ کیوں آواز لگائی؟ میری کسی مدد کی ضرورت ہے؟ عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کے جواز کی جتنی بھی صورتیں یہاں بتائی گئی ہیں ان سب کے سلسلہ میں احادیث موجود ہیں جن سے ان کا درست ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد بات چیت کرنا ناپسندیدہ ہے

۱۷۴۶:- عن أبي بَرْزَةَ رضی اللہ عنہ: أنَّ رسولَ اللہ ﷺ كان يكرهُ النَّومَ قَبْلَ العِشَاءِ والحديثَ بَعْدَهَا. (متفقٌ علیه)

ترجمہ:- حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو اور عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے۔

---

(۱) ہر شبِ یکشنبہ کو بعد نمازِ عشاء، مسجدِ انوار، نشاط سوسائٹی، اڈاجن پاٹیا، سورت میں حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم ومدت فیوضہم کا عمومی درسِ حدیث کا مقبول سلسلہ جو یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۹۶ء سے تا حال جاری ہے۔ مرتب

افادات:۔ عشاء سے پہلے اگر کوئی سو گیا تو اندیشہ ہے آنکھ لگی رہ جائے اور صبح صادق تک سورہا تو عشاء کی نماز ہی قضا ہو جائے گی، یا اگر درمیان میں آنکھ کھل بھی گئی تو جماعت تو فوت ہو ہی گئی، اس لیے منع کیا گیا ہے۔ البتہ اگر آپ کو وثوق ہے یا آپ نے کوئی ایسا انتظام کر رکھا ہے جس کے نتیجے میں آپ کو جماعت کے فوت ہونے کا یا نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، جیسے: کسی کو مقرر کر دیا ہے کہ میں تھکا ہوا ہوں اس لیے ابھی سو جاتا ہوں، ۰۰-۹ بجے کی نماز ہے، لہٰذا مجھے ۳۰-۸ بجے اُٹھا دینا؛ تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں۔

عشاء کے بعد باتیں کرنے سے ممانعت کی وجہ

اور عشاء کے بعد بات کرنے سے جو منع فرمایا وہ اس لیے کہ آدمی اگر عشاء کے بعد فوراً نہیں سوئے گا بلکہ باتوں میں مشغول ہوگا، تو سونے کی یہ تاخیر اُٹھنے میں تاخیر کا باعث بنے گا، جس کے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ تہجد سے محرومی ہوگی، یا فجر کی جماعت چلی جائے، یا بالکل قضاء ہی ہو جائے۔ بہت سے لوگ رات کو ایک دو بجے تک گپ شپ کرتے رہتے ہیں، ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں، واہیات باتوں میں لگے رہتے ہیں؛ یہ بالکل ممنوع ہے۔

راتوں کے جلسوں میں غلو

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں، ان کے متعلق سنا کہ جب کوئی جلسہ رات دیر تک لمبا چلتا تو اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ: جو لوگ نماز کے پابند ہیں وہ کسی حال میں نماز نہیں چھوڑتے، لہٰذا فجر کی نماز تو

اگر چہ جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں لیکن رات ایک دو بجے تک ہونے والے اس جلسہ کی وجہ سے نیند کم ہوتی ہے، اس کی وجہ سے طبیعت پر اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے نماز میں جو نشاط و چستی اور توجہ مطلوب ہے وہ حاصل نہیں ہوتی، اور فجر کی نماز سستی و بے رغبتی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے؛ اس لیے ایسا جلسہ بھی درست نہیں ہے۔ آج کل دینی جلسوں کے معاملہ میں ہم نے یہی غلو اختیار کر رکھا ہے؛ تو پھر دوسری چیزوں کی تو کہاں اجازت دی جائے گی؟

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشین گوئی

۱۷۴۷:- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أَنَّ رسولَ اللہِ ﷺ صَلَّى العِشَاء فی آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قال: أرأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهٖ؟ فَإِنَّ عَلٰى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ لَايَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الأَرْضِ الْيَوْمَ أَحَدٌ. (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک روز عشاء کی نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضراتِ صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: بتلاؤ! تمہاری آج کی اس رات میں روئے زمین پر جو لوگ موجود ہیں؛ آج سے سو سال بعد ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔

افادات:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ایک ماہ پہلے کا ہے۔

اس سے انسان مراد ہیں، فرشتے اور جنات مراد نہیں، چناں چہ ہوا بھی ایسا ہی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے، بعض لوگوں کو اس روایت کی

وجہ سے غلط فہمی ہوئی اور وہ یہ سمجھے کہ سو سال کے بعد ساری دنیا ختم ہو جائے گی اور قیامت آجائے گی، حالاں کہ اس کا مطلب ایسا نہیں ہے، بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل تو یہ تھا کہ اس وقت انسانوں کی جو نسل زندہ تھی ان میں کا کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ چنانچہ صحابہ میں سب سے اخیر میں وفات پانے والے حضرت ابوالطفیل بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی وفات کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، سب سے آخری قول جو کہا گیا ہے وہ ۱۱۰ھ کا ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات ۱۰ھ میں ارشاد فرمائی تھی۔ گویا یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشین گوئی تھی جو وقوع پذیر ہوئی۔

اس روایت کو یہاں لاکر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات ارشاد فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو عشاء کی نماز کے بعد بھی کی جاسکتی ہیں۔

آدھی رات کی تقریر

۱۷۴۸:-وعن أنس -رضی اللہ عنه-: أنّهم انتظروا النّبيّ ﷺ فجاءهم قريباً من شطر الليل فصلّى بهم -يعني: العشاء- ثمّ خطبنا فقال: ((ألا إنّ النّاس قد صلّوا، ثمّ رقدوا، وإنّكم لن تزالوا في صلاةٍ ما انتظرتم الصّلاة))

(رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضراتِ صحابہؓ نے مسجدِ نبوی کے اندر عشاء کی نماز کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کیا (لیکن بہت دیر ہوگئی۔ بعض روایتوں میں تو یہاں تک آتا ہے کہ صحابہ بیٹھے بیٹھے سو گئے، پھر اٹھے، پھر سو گئے، دو تین مرتبہ ایسا ہوا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدھی رات کے قریب تشریف لائے اور

عشاء کی نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ نے تقریر فرمائی جس میں ارشاد فرمایا: (تم لوگ یہاں مسجدِ نبوی میں میرے انتظار میں بیٹھے رہے؛ لیکن) دنیا کی دوسری مسجدوں میں لوگوں نے اول وقت ہی میں عشاء کی نماز پڑھ لی اور سو گئے (ان کی تو آدھی نیند بھی ہوگئی، لیکن تم لوگ یہ مت سمجھنا کہ اتنی دیر تک تم لوگوں نے میرا انتظار کیا تو تمہارا وقت ضائع اور برباد ہوا، بلکہ) نماز کے انتظار میں جتنی دیر تک تم لوگ بیٹھے رہے؛ نماز ہی کے حکم میں رہے۔

افادات:۔ اس زمانے میں گھڑی گھنٹے تو تھے نہیں، اس لیے نماز کے اوقات بھی متعین نہیں تھے، حضراتِ صحابہؓ اپنے اپنے اندازے سے مسجد میں آجاتے تھے اور جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر تشریف لاتے تھے تو آپ کو آتا ہوا دیکھ کر حضرت بلالؓ اقامت شروع فرمادیا کرتے تھے اور نماز کھڑی ہوجاتی تھی۔

موضوعِ بحث نہیں بنانا چاہیے

آج کل کے ہمارے مصلیوں کو تو یہ بات سمجھ میں ہی نہیں آئے گی، اس لیے اگر امام صاحب دو تین منٹ لیٹ ہوجائیں تو پتہ نہیں ان پر کیا کیا تبصرے شروع ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ اوقات کی تعیین کی وجہ سے ان کو بھی پابندی تو کرنی ہی چاہیے، لیکن کبھی کسی وجہ سے معمولی تاخیر ہوجائے – اور ظاہر ہے کہ امام صاحب جان بوجھ کر تو تاخیر کریں گے نہیں – تو اس کو موضوعِ بحث نہیں بنانا چاہیے۔

روایت کے اسباق

(۱) ''تم نماز ہی کے حکم میں رہے''، یعنی نماز شروع کردی ہوتی اور اتنی دیر تک نماز پڑھتے رہتے اور اس پر تمہیں جو ثواب واجر ملتا وہی ثواب واجر اتنی دیر انتظار

کرنے پر بھی ملے گا۔ گویا نماز کے انتظار میں تمہاری یہ جو گھڑیاں گزری ہیں ان کو اپنے حق میں بے کار مت سمجھنا۔ اسی سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ آدمی جتنی دیر نماز کے انتظار میں ہوتا ہے اتنی دیر نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس ارشاد کے ذریعہ سے حضراتِ صحابہؓ کو دیر تک انتظار کی وجہ سے جو مشقت لاحق ہوئی اس کی تلافی فرما رہے ہیں۔

(۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بڑے کی وجہ سے ماتحتوں کو کوئی زحمت برداشت کرنی پڑے تو اگرچہ ان کی طرف سے کوئی اعتراض تو ہوتا نہیں، وہ برضا و رغبت اس چیز کو برداشت کر لیتے ہیں، لیکن بڑے کی طرف سے بھی اس کی تلافی کی کوئی شکل ہونی چاہیے تاکہ ان کا جی خوش رہے۔ یہاں پر بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو محسوس فرمایا کہ ان حضرات نے دیر تک انتظار کیا جس کی وجہ سے ان کو جو مشقت لاحق ہوئی، لہٰذا اس کی تلافی فرمائی۔

(۳) یہاں تو اس روایت کو لا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز کے بعد گفتگو فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت گفتگو کرنے کی اجازت ہے۔

باب تحریم امتناع المرأة من فراش زوجها إِذَا دعاها ولم يكن لَهَا عذر شرعي

جب شوہر کی طرف سے بیوی سے بستر پر آنے کا مطالبہ ہو، تو اس کے لیے کسی عذرِ شرعی کے بغیر انکار کرنا حرام ہے

ایک تو یہ ہے کہ اس کو عذرِ شرعی لاحق ہو، مثلاً: وہ حالتِ حیض میں ہے تو اس کے ساتھ صحبت کرنا جائز نہیں۔ یا ایسی سخت بیماری میں ہے کہ اس کے لیے اس حالت میں جماع وصحبت قابلِ برداشت نہیں۔ یا دن میں مطالبہ کیا اور رمضان کا فرض روزہ ہے (نفل روزے کا حکم یہ نہیں ہے، وہ آگے آرہا ہے) اس لیے اس نے انکار کیا؛ تب تو اس پر وہ وعید لاگو نہیں پڑے گی جو آگے آرہی ہے۔ لیکن اگر بغیر کسی شرعی عذر کے انکار کیا، جیسا کہ آج کل ایک فیشن بن گیا ہے؛ تو اس پر سخت وعید ارشاد فرمائی گئی ہے۔ بیرون ممالک کے بہت سے لوگ شکایت کرتے ہیں، اور معلوم ہوا ہے کہ وہاں عورتوں کو اس طرح کی ترغیب دی جاتی ہے کہ شوہر کی طرف سے صحبت کا مطالبہ ہو تو اپنی فوقیت ثابت کرنے کے لیے انکار کر کے شوہر کو پریشان کرو؛ تاکہ اس کو بھی تمہارے رتبہ کا پتہ چلے۔ شیاطین نئی نئی چیزیں سکھلاتے رہتے ہیں، حالاں کہ شریعتِ مطہرہ نے

جو بھی آداب بتلائے ہیں وہ شیاطین کی چالوں کے توڑ کے لیے ہی ہیں۔

فرشتے صبح تک لعنت کرتے ہیں

۱۷۴۹:- عن أبي هريرة رضي الله عنه قَالَ قَالَ رسولُ الله ﷺ: ((إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ، فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ)) (متفق عَلَيْهِ) وفي رواية: ((حَتَّى تَرْجِعَ)).

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مرد نے اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف (صحبت کے لیے) بلایا تو اس نے انکار کیا اور اس پر شوہر نے اس سے ناراض ہو کر رات گزاری، تو فرشتے اس عورت کے اوپر صبح تک لعنت (یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بددعا) کرتے رہتے ہیں۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ: فرشتے اس عورت کے اوپر لعنت (یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بددعا) کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ عورت اپنی اس حرکت سے باز آ جائے

افادات:- روایت میں صبح کا تذکرہ اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ عام طور پر شوہر کی طرف سے ایسے مطالبے رات ہی میں ہوا کرتے ہیں۔ باقی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر شوہر کی طرف سے دن میں مطالبہ ہو تو انکار کیا جا سکتا ہے۔ دن کا بھی یہی حکم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شوہر کے اس مطالبے پر عورت کا انکار اس کو فرشتوں کی بددعا کا حقدار بنا دیتا ہے۔ اور صبح تک بددعا کرنے کا تذکرہ اس لیے کیا کہ عام طور پر شوہر کی ناراضگی صبح تک رہتی ہے۔

نکاح کا فلسفہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت نے اتنی زیادہ تاکید کیوں فرمائی؟ دراصل

بات یہ ہے کہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ عفت وعصمت کا جو نظام بنایا ہے وہ برابر باقی رہے یعنی نکاح کا حکم عصمت وعفت کی حفاظت اور پاک دامنی کے لیے دیا گیا ہے، اور مرد جب کسی عورت کو نکاح میں لاتا ہے وہ اسی لیے کہ اس سے اپنی جنسی ضرورت پوری کر کے اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرے، اور اس سے اس عورت کی عفت و عصمت کی بھی حفاظت ہوگی۔ اور شرّاح نے لکھا ہے کہ مرد کی طبیعت میں جب صحبت کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے تو بڑی قوت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، جب مرد کی طبیعت میں عورت کے ساتھ صحبت کرنے کا تقاضہ پیدا ہوا اور بیوی کی طرف سے اگر انکار کر دیا جائے تو پھر وہ دوسری راہیں سوچنے لگتا ہے، گویا بیوی کا یہی انکار مرد کو گناہ کے راستوں تک لے جانے کا ذریعہ بنتا ہے، اور ظاہر ہے کہ نکاح تو اسی لیے کیا گیا تھا کہ زنا سے حفاظت ہو، اور یہاں انکار کی وجہ سے نکاح کے باوجود زنا کی شکلیں پیدا ہو رہی ہیں؛ تو پھر شریعت کسی عورت کو انکار کرنے کی کیسے اجازت دے سکتی ہے؟ اس لیے عورت کو انکار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

روٹی جل جائے تو جلنے دو

بعض روایتوں میں تو یہاں تک آتا ہے کہ عورت اگر چولہے پر بیٹھی روٹیاں پکا رہی ہو، اور شوہر کی طرف سے مطالبہ ہو، تو اس کو چاہیے کہ پہلے شوہر کا مطالبہ پورا کرے۔ (سنن ترمذی، باب مَا جَاءَ فِي حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ) اس لیے کہ یہاں بہت سے بہت تو ایک روٹی خراب ہوگی؛ لیکن اس کے انکار کی وجہ سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر دوسری سوچ پر چلنا شروع کر دیتا ہے، اور اس کے دل میں ہمیشہ کے لیے اس عورت کے لیے نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، اور پھر وہ اس کو طلاق دینے کی سوچتا ہے، اور

ازدواجی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔اس لیے شریعت یہ چاہتی ہے کہ ایک روٹی خطرے میں پڑتی ہے تو پڑتی رہے؛ لیکن اس ذراسی بات کی وجہ سے ازدواجی زندگی خطرے میں نہیں پڑنی چاہیے۔اس لیے کہ کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا مقصدِ اعظم (بنیادی مقصد) یہی ہے،اس کے علاوہ دوسری جتنی چیزیں ہیں وہ اس کے تابع ہیں؛اس لیے اس میں کسی طرح کی کمی کوتاہی نہیں آنی چاہیے۔

میاں بیوی کو تاکید

اسی لیے عورت کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ شوہر کے لیے زیب وزینت کا اہتمام کرے،اور کسی بھی اجنبی کے سامنے زیب وزینت کرنے کو حرام قرار دیا گیا۔آج کل تو معاملہ ایسا برعکس ہو گیا ہے کہ بے چارہ شوہر کما کر اس کے لیے بہترین لباس وزیورات لاتا ہے لیکن وہ سارے لباس وزیورات گویا دوسروں کے لیے ہو گئے ہیں،گھر میں تو وہ بھوتنی ہی بنی رہتی ہے۔یعنی جس نے زیب وزینت کے اسباب کے لیے پیسے خرچ کئے ہیں وہ تو اس کے جلووں سے محروم رہتا ہے،دوسرے لوگ اس کے جلوے دیکھتے رہتے ہیں؛یہ بالکل غلط طریقہ ہے،شریعت کسی حال میں بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔اسی لیے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر اجنبیوں کے پاس سے گذری،وہ ایسی ہے،ایسی ہے (یعنی زانیہ ہے) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو زانیہ سے تشبیہ دی۔

آج کل عورتوں کا ایک عام مزاج بنتا جارہا ہے کہ جہاں زیب وزینت کا اہتمام کیا جانا چاہیے تھا وہاں نہیں کیا جاتا،اور جب گھر سے باہر جانے کے وقت آتا ہے تو اس کا بڑا اہتمام کرتی ہیں۔گویا زیب وزینت کا محل ہی بدل دیا۔

شریعت نے تو اس کا اتنا زیادہ اہتمام کروایا کہ شوہر اگر سفر میں گیا ہو اور

واپسی ہو رہی ہے تو اچانک گھر پہنچنے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ شوہر کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے عورت نے زیب وزینت کا کوئی اہتمام نہ کیا ہو، اور اس وقت وہ میلے کچیلے لباس میں ہو، اگر شوہر اچانک گھر پر پہنچ گیا اور اس کو ایسے میلے کچلے لباس میں دیکھ لیا تو ہوسکتا ہے کہ شوہر کے دل میں اس کے لیے نفرت پیدا ہو جائے اور یہی نفرت آگے جا کر ازدواجی زندگی کے لیے خطرہ بن جائے۔

گویا یہ ساری تاکیدات اس وجہ سے کی گئی ہیں کہ ازدواجی زندگی کی حقیقی مسرتیں باقی رہیں، اور آج کل ہمارے سماج میں قصداً ایسی صورتیں اختیار کی جاتی ہیں جن سے ازدواجی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

باب تحريم صوم المرأة تطوعاً وزوجها حاضر إلاَّ بإذنه

شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر عورت کے لیے نفل روزہ کی ممانعت

دیکھئے! شریعت کی طرف سے شوہر کے حقوق کا کتنا زیادہ اہتمام کروایا جارہا ہے کہ شوہر گھر پر موجود ہے، کہیں سفر میں نہیں گیا ہے، تو شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کے لیے نفل روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ شوہر کا حق ادا کرنا واجب اور ضروری ہے، اور نفل روزہ بہرحال نفل اور مستحب کا درجہ رکھتا ہے، اور واجب کو نفل کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

شوہر کے حقوق کی بے مثال تعلیمات

۱۷۵۰:-وعن أبي هريرة- رضي الله عنه-: أنَّ رسولَ الله- صلى الله عليه وسلم- قالَ: لاَيَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إلاَّ بِإذْنِهِ، وَلاَ تَأْذَنَ فِي بَيْتِهِ إلاَّ بِإذْنِهِ. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس عورت کا شوہر گھر پر موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر بیوی کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، اور شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر میں کسی کو بھی آنے کی اجازت نہ دے۔

افادات:۔ نفل روزہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے شوہر کی اجازت لے لے۔ یا اگر اس نے ایک عادت بنا رکھی ہے (مثلاً: بیوی ہر پیر و جمعرات کو روزہ رکھتی ہے) اور شوہر کو معلوم ہے اور اس نے اس کی منظوری بھی دے رکھی ہے، تو پھر الگ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، اس معمول کی منظوری ہی اس دن کی اجازت کے قائم مقام ہو جائے گی۔

اور شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر میں کسی کو بھی آنے نہ دے، چاہے اس کا کوئی عزیز، رشتہ دار اور محارم میں سے ہی کیوں نہ ہو، جیسے: بیوی کا بھائی (سالا) ہے؛ لیکن اگر شوہر نے منع کر رکھا ہے کہ اس کو آنے مت دیجیو، تو پھر عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے بھائی کو بھی گھر میں آنے کی اجازت دے۔ بیوی کے لیے کسی کو بھی بلا اجازت شوہر کے گھر میں داخل ہونے دینا حرام و ممنوع ہے۔ اسی لیے بیوی کے ماں باپ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ اگر شوہر ان کے آنے کو پسند نہیں کرتا تو ان کو بھی گھر میں بلانا ممنوع ہے؛ لیکن شریعت نے ان کا حق بھی بالکل ختم نہیں کر دیا، بلکہ کچھ قوانین کے ساتھ ان سے ملاقات کے لیے خود گھر سے باہر نکل سکتی ہے، یا وہ گھر سے باہر رہتے ہوئے اس کی خیر خیریت پوچھ سکتے ہیں۔

باب تحريم رفع المأموم رأسه من الركوع أو السجود قبل الإمام

مقتدی کا امام سے پہلے رکوع وسجدہ سے سر اُٹھانا منع ہے

کچھ متفرق احکام وآداب بتلانے کا سلسلہ جاری ہے، اسی سلسلہ میں آج یہ عنوان قائم کیا ہے کہ: آدمی جب امام کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کر رہا ہوتو اس کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ امام سے پہلے کوئی کام انجام نہ دے، بلکہ امام کے ساتھ یا امام کے بعد ہی وہ کام کرے۔ چناں چہ رکوع یا سجدے سے سر اٹھانے میں اگر امام سے پہلے سر اٹھالیا تو اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، مقتدی کے لیے ایسا کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اوراس پر وعید بتائی گئی ہے۔

نہایت سخت وعید

۱۷۵۱:- عن أَبي هريرة رضي الله عنه أَنَّ النَّبيَّ ﷺ قَالَ: أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ! أَوْ يَجْعَلَ اللهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد

فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے جیسا بنادے جبکہ وہ اپنے سر کو امام کے سر سے پہلے اٹھاوے، یا اس کا چہرہ گدھے جیسا بنادے۔

افادات:۔ گویا اس حرکت پر اتنی سخت وعید سنائی گئی۔

عبرت آموز واقعہ

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ میں ایک محدث کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک محدث دوسرے محدث کے پاس حدیث حاصل کرنے کے لیے گئے، استاذ صاحب ہمیشہ پردے میں رہ کر ان کو حدیثیں سناتے رہے، ایک زمانہ تک ان کے پاس آنے جانے کی وجہ سے جب وہ مانوس ہوگئے تو ایک مرتبہ استاذ صاحب نے پردہ ہٹایا، شاگرد نے دیکھا کہ ان کا چہرہ گدھے جیسا ہے، انہوں نے یہ حدیث سنا کر بتایا کہ جب پہلی مرتبہ میں نے یہ حدیث سنی تو میں نے اس کو ناممکن سمجھ کر امام سے پہلے اپنا سر اٹھالیا، جس کی مجھے یہ سزا دی گئی ہے۔

باب كراهة وضع اليد عَلَى الخاصرة في الصلاة

نماز کی حالت میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کی کراہت

۱۷۵۲:-عن أَبي هـريرة-رضي الله عنه-: أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ نَهَى عن الخَصْرِ في الصَّلاَةِ. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا۔

افادات:- نماز کی حالت میں کوکھ کے اوپر ہاتھ رکھنا بھی ممنوع اور مکروہِ تحریمی ہے۔

ممانعت کی وجوہات

اس کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ طرز نماز میں خشوع وخضوع والی کیفیت کے منافی ہے۔

ایک وجہ اور بھی بتائی جاتی ہے کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر پھینکا اس وقت وہ اسی طرح کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا رہا، اس سے مشابہت ہونے کی وجہ سے منع ہے۔

ایک اور وجہ بھی بتائی جاتی ہے کہ یہ جہنمیوں کی راحت کا سبب ہوگا، یعنی جہنمی جب عذاب سے تھک جائیں گے تو کچھ آرام وراحت حاصل کرنے کے لیے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر اسی طرح کھڑے رہیں گے۔ گویا ان کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے اس سے منع کیا گیا ہے۔

باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام وَنَفْسُه تَتُوْقُ إِلَيْهِ أَوْمَعَ مدافعة الأخبثين وهما البول والغائط

کھانا موجود ہو اور طبیعت اس کی طرف مائل ہو، یا پیشاب پاخانہ کا تقاضہ ہو رہا ہو؛ ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

یہاں ایک اور مسئلہ بتاتے ہیں کہ کھانا موجود ہو اور طبیعت کھانے کی طرف لگی ہوئی ہو، ایسی حالت میں بھی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤ، تاکہ طبیعت کھانے کی طرف سے یکسو ہو جائے؛ پھر نماز میں لگو۔ یا پیشاب پاخانہ کا تقاضہ کو دباتے ہوئے بھی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہر وہ چیز جو نمازی کی توجہ کو نماز سے ہٹانے کا ذریعہ بن سکتی ہو، ایسی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

پھر اطمینان سے نماز پڑھیں گے

ہمارے شیخ الشیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ

سفر سے واپس تشریف لائے، کھانا باقی تھا، نماز پڑھنی بھی باقی تھی اور کھانا تیار رکھا تھا، کسی نے کہا: پہلے نماز پڑھ لیں پھر اطمینان سے کھانا کھائیں گے، تو حضرت نے فرمایا: بھائی! پہلے کھانا کھالیں پھر اطمینان سے نماز پڑھیں گے۔ گویا بتایا کہ اطمینان سے کرنے کا کام نماز ہے، نہ کہ کھانا۔

کھانا نماز بنے

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میرا کھانا نماز بنے یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میری نماز کھانا بنے۔ مطلب یہ ہے کہ طبیعت میں کھانے کا تقاضہ ہو ایسی حالت میں آدمی اگر نماز پڑھے گا تو ظاہراً جسمانی طور پر تو نماز میں ہوگا لیکن اس کا دل کھانے میں لگا ہوا ہوگا، گویا اس کی نماز کھانا بن گئی۔ اس کے برخلاف اگر وہ پہلے کھانا کھائے گا تو جو نماز کا پابند ہوتا ہے اس کی طبیعت پر عام طور پر نماز کا تقاضہ ایسا غالب ہوتا ہے کہ کھانا کھانے کی حالت میں بھی اس کا جی نماز کی طرف لگا ہوا ہوتا ہے، گویا اس کا کھانا نماز بن گیا۔ اسی طرح پیشاب پائخانہ کے تقاضہ کا بھی حال ہے کہ ایسی حالت میں آدمی اگر نماز پڑھے گا تو اس کا جی نماز میں نہیں لگے گا، اس لیے اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔

۱۷۵۳: ۔عن عائشۃ رَضِیَ اللہُ عنہا قالت: سَمِعْتُ رسولَ اللہ ﷺ یقولُ: ((لا صَلاۃَ بِحَضْرَۃِ طَعَامٍ، وَلاَ وَھُوَ یُدَافِعُہُ الأَخْبَثَانِ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ: ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کھانے کی موجودگی میں نماز نہ پڑھی جائے۔ اور نہ ایسی حالت میں نماز پڑھی جائے کہ پیشاب و پائخانہ اس کو دھکا دے رہے ہوں (یعنی اپنی طرف متوجہ کررہے ہوں)

کن صورتوں میں کھانا پہلے، اور کن صورتوں میں نماز پہلے

افادات:۔ اس سلسلے میں فقہاء نے احکام کی تفصیل فرمائی ہے کہ کھانا موجود ہو، تو کن کن صورتوں میں پہلے کھانا کھایا جائے؟ اور کن کن صورتوں میں پہلے نماز پڑھی جائے؟

تو علماء نے لکھا ہے کہ (۱) بہت بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو، تو پہلے کھالے تب نماز پڑھے۔ ایسی حالت میں بغیر کھانا کھائے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے (۲) البتہ اگر وقت اتنا تنگ ہو جائے کہ کھانے کے بعد فرض اور سنتِ مؤکدہ نہیں پڑھ سکے گا، تو پہلے نماز پڑھ لے۔ (۳) اسی طرح اگر جماعت جانے کا خوف ہو اور بھوک اس قدر شدید نہ ہو کہ بے چین کرے، تو پہلے جماعت سے نماز پڑھ لے (۴) اور اگر بھوک ایسی شدید ہو کہ نماز میں خشوع وخضوع قائم نہ رہ سکے گا، تو جماعت کو ترک کرے اور پہلے کھانے سے فارغ ہو جائے۔

قضائے حاجت کے وقت کے احکام کی تفصیل

پیشاب پاخانہ کا تقاضہ ہونے کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے: ایک تو یہ ہے کہ پہلے سے ان چیزوں کا تقاضہ ہے تب تو نماز شروع کرنا ہی درست نہیں، پہلے ان چیزوں سے فارغ ہو جائے پھر نماز شروع کرے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ نماز شروع کر چکا ہے، دورانِ نماز ان کا تقاضہ اور غلبہ ہو جائے جو دل کو مشغول کرے، تب بھی نماز پڑھتے رہنا مکروہِ تحریمی ہے۔ اس کو چاہیے کہ نماز توڑ دے، اور ان حاجات سے فارغ ہو کر وضو کر کے پھر نماز پڑھے۔ اسی

حالت میں اگر نماز پڑھتا رہے گا تو گنہگار ہوگا، اور نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہوجائے گی۔ ائمۂ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ اور جب کراہیتِ تحریمیہ کے ساتھ نماز ادا ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے اندر اندر اس نماز کا لوٹانا واجب ہے۔ البتہ اہلِ ظاہر اس طرف گئے ہیں کہ نماز ہوگی ہی نہیں۔ اور یہ حکم تمام نمازوں کا ہے، خواہ وہ فرض ہو، یا واجب ہو، یا نفل ہو۔ لیکن اگر نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کا خوف ہو تو اسی حالت میں پڑھ لے، اس لیے کہ وہ دوبارہ حاصل ہونے والی نہیں ہے۔

اور اگر جماعت جاتے رہنے کا خوف ہو تب بھی ان ضروریات سے فارغ ہوکر نماز پڑھے، خواہ جماعت چھوٹ جائے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ تقاضہ ایسا شدید ہو کہ وہ تقاضہ کو دباتا ہے لیکن ادھر سے تقاضہ ہوتا ہی رہتا ہے، اس صورت میں تو اس کے لیے نماز پڑھنا ممکن ہی نہیں؛ لہٰذا پہلے فارغ ہوجائے پھر نماز پڑھے۔

اور اگر فرض یا واجب نماز کا وقت اتنا تنگ ہو کہ قضائے حاجت کرکے وضو کرنے تک وقت جاتا رہے گا تو ایسی حالت میں نماز قضا نہ کرے، بلکہ وقت کے اندر نماز پڑھ لے، کیوں کہ وقت کی رعایت مقدم ہے، اور کراہت کے ساتھ ادا کرنا بالکل قضا کرنے سے اَولیٰ ہے۔

اور اگر تقاضہ اتنا شدید نہیں ہے، بلکہ ہلکا سا تقاضہ تھا، ذرا سا دبانے کی صورت میں تقاضہ جاتا ہی رہا، تب تو نماز پوری کرلے اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت نماز پڑھ رہا ہو اس وقت طبیعت ادھر متوجہ نہیں ہونی چاہیے۔

باب النهي عن رفع البصر إِلَى السماء في الصلاة

نماز میں نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھانے کی ممانعت

نماز کے علاوہ عبرت کے لیے نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی ان بڑی بڑی مخلوقات میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے: ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝١٧ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝١٨﴾ جب آدمی ان کو دیکھ کر ان میں غور وفکر کرے گا تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت حاصل ہوگی، اس لیے اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے؛ لیکن نماز کی حالت میں آسمان کی طرف دیکھنے کی ممانعت آئی ہے۔

۱۷۵۴:- عن أنس بن مالك رضى الله عنه قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِى صَلَاتِهِمْ!)) فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِى ذَلِكَ حَتَّى قَالَ: ((لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذَلِكَ، أَوْ لَتُخطفَنَّ أَبْصَارُهُمْ!)) (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا حال ہے ان لوگوں کا جو نماز کی حالت میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھاتے ہیں (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر) اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور زیادہ شدت اختیار فرمائی یہاں تک کہ ارشاد فرمایا: یا تو وہ لوگ آسمان کی طرف آنکھ اُٹھانے سے باز آجائیں، یا پھر ان کی نگاہیں اُچک لی جائیں گی (اور وہ بینائی سے محروم کردئے جائیں گے)۔

باب كراهة الالتفات في الصلاة لغير عذر

نماز کی حالت میں بغیر عذر کے اِدھر اُدھر دیکھنا مکروہ ہے

دیکھنے کی تین شکلیں ہیں:

(۱) پہلی شکل یہ ہے کہ اس طرح دیکھے کہ اس کا سینہ قبلے سے پھر جائے۔اس صورت میں تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ٹوٹ جائے گی۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ سینہ تو قبلہ کی طرف رہے، البتہ چہرہ پھیر کر دیکھے، یہ مکروہِ تحریمی ہے۔اور اگر چہرہ پھیر کر اتنی دیر تک دیکھتا رہا کہ دور سے دیکھنے والا اس کے متعلق یہ یقین کرے کہ یہ نماز میں نہیں ہے؛ تب تو نماز فاسد ہی ہو جائے گی۔

(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ سینہ اور چہرہ تو قبلہ کی طرف ہی ہے، البتہ کنکھیوں اور آنکھ کے کونوں سے دیکھ رہا ہے، تو اگر یہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہے تب تو جائز ہے، اس میں کوئی کراہت بھی نہیں۔اور اگر بلا ضرورت ہے تو مکروہِ تنزیہی ہے یعنی اس کو اچھا نہیں سمجھا گیا۔

شیطان کا نماز میں سے اُچک لینا

۱۷۵۵:-عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: سألتُ رسُولَ الله ﷺ عَنِ الالتفَاتِ فى الصَّلاَةِ، فَقَالَ: هُوَ اخْتِلاَسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلاَةِ العَبْدِ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے متعلق پوچھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ شیطان کی طرف سے آدمی کی نماز میں سے اچانک اُچک لینا ہے۔

افادات:- کسی کے پاس کوئی چیز ہو اس کو جھپٹ مار کر لے لینا

’’اختلاس‘‘ کہلاتا ہے۔ گویا شیطان بھی اسی انتظار میں رہتا ہے کہ جب کوئی بندہ نماز میں مشغول ہو تو اس میں سے کچھ چھین لے۔ جیسے: جیب کترا ہمیشہ موقعہ کے انتظار میں رہتا ہے کہ کسی کی طرف سے ذراسی غفلت ہو تو وہ اپنا کام کرلے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ شیطان آدمی کی نماز میں سے اپنا حصہ لینے کے انتظار ہی میں رہتا ہے، جیسے ہی آدمی نے اِدھر اُدھر دیکھا تو شیطان نے نماز کا اتنا حصہ لے لیا، اس لیے کہ اتنی دیر تک اس کی توجہ بجائے نماز کے دوسری چیز کی طرف ہوگئی، تو نماز کا اتنا حصہ نکل گیا، اس پر شیطان نے قابو پالیا۔ اسی کو’’اختلاس‘‘ سے تعبیر کیا۔

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا ہلاکت ہے

۱۷۵۶:- وعن أنس رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: إِيَّاكَ والالتِفَاتَ فِي الصَّلاَةِ، فَإِنَّ الالتفَاتَ فی الصَّلاَةِ هَلَكَةٌ، فَإِنْ كَانَ لاَبُدَّ، فَفِي التَّطَوُّعِ لاَفی الفَرِيضَةِ. (رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے سے بچو، اس لیے کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا ہلاکت ہے۔ اور اگر دیکھنا بہت ضروری ہی ہو؛ تو نفل میں دیکھیو، فرض میں نہیں۔

افادات:- گویا فرض نماز کی طرف زیادہ توجہ اور اہتمام ہونا چاہیے۔ ویسے نوافل کے اندر فرائض کے مقابلہ میں کچھ چیزوں میں تسامح برتا گیا اور کچھ چھوٹ چھاٹ دی گئی ہے، جیسے: فرض نماز کھڑے ہونے کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھیں گے تو درست نہیں ہوگی، اور نفل نماز باجود کھڑے ہونے کی طاقت وقدرت کے بھی بیٹھ کر پڑھیں گے؛ تو درست ہوجائے گی۔

باب النهي عن الصلاة إِلَى القبور

قبر سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنے کی ممانعت

اس سلسلے میں فقہاء نے تفصیل بتلائی ہے، وہ یہ ہے کہ:

اگر نمازی کے سامنے قبر موضعِ سجود کے بقدر نزدیک ہو۔ یعنی آدمی کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہا ہو اور اس کی نگاہیں سجدے کی جگہ پر جمی ہوئی ہوں اور سامنے سے کوئی گزرے تو نمازی کی نگاہیں اس کو نہ دیکھ سکیں (جس کی تحدید نمازی کے کھڑے ہونے کی حالت میں اس کے پاؤں سے دو صف کے برابر تقریباً نو (۹) یا دس (۱۰) فٹ بتلائی ہے) قبر کے اتنے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر نمازی اور قبر کے درمیان میں دس فٹ سے زیادہ فاصلہ ہو، یا درمیان میں کوئی سترہ حائل ہو؛ تو پھر مکروہ نہیں۔

سُتْرہ کے متعلق مسئلہ کی وضاحت

اور امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے اور ایک مقتدی کا سترہ دوسرے کے لیے کافی نہیں جبکہ سب کے سامنے قبریں ہوں۔ یہاں ایک مسئلہ اور ہے کہ کھلے میدان میں نماز پڑھی جا رہی ہے اور آگے سے کسی کے گزرنے کا امکان ہو اور امام اپنے سامنے کوئی سترہ اور آڑ رکھ لے تو امام کا اپنے سامنے رکھا ہوا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہو جائے گا لیکن اگر نمازیوں کے سامنے قبریں ہیں اور امام نے قبروں اور اپنے درمیان سترہ رکھا تو اس کا یہ سترہ مقتدیوں کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ مثلاً: امام کے سامنے قبر ہے

اوراس نے اپنے سامنے سترہ رکھا تو اس کے لیے تو کافی ہوجائے گا، اوراس کے مقتدیوں میں پہلی صف کے کونے میں ایک آدمی کھڑا ہے جس کے سامنے بھی موضعِ سجود میں قبر پڑتی ہے تو امام والا سترہ اس کے لیے کافی نہیں ہوگا، اس کو اپنے لیے الگ سے آڑ رکھنی پڑے گی۔

اوراگر قبرستان میں کوئی جگہ نماز کے لیے بنائی گئی ہو جہاں قبریں یا نجاست نہ ہوتو نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ اوراگر قبریں دائیں بائیں یا پیچھے ہوں تب بھی مکروہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنے کی جگہ بنائی ہو اور قبروں کے درمیان میں آڑ کردی گئی ہو تو نماز پڑھنا جائز ہے۔

قبروں کی طرف چہرہ کرکے نماز مت پڑھو

۱۷۵۷:- عن أَبِي مَرْثَدٍ كَنَّازِ بْنِ الْحُصَيْنِ رضى الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يقولُ: لا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ، وَلاَ تَجْلِسُوا عَلَيْهَا. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابومرثد کنَّاز بن حُصَین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: قبروں کی طرف چہرہ کرکے نماز مت پڑھو، اور نہ ان پر بیٹھو۔

افادات:- ویسے قبر کا بھی اپنا ایک احترام ہے، قبر میں جو مردہ سویا ہوا ہے اس کو ان سب چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لیے قبروں پر پیشاب پاخانہ کرنے سے حدیثِ پاک میں ممانعت آئی ہے کہ یہ چیز مردے کے لیے باعثِ تکلیف ہے، اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اسی طریقے سے قبر پر ٹیک لگانے اور اس پر بیٹھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

باب تحريم المرور بَيْنَ يدي المصلِّي

نمازی کے سامنے سے گزرنے کی ممانعت

۱۷۵۸:-عن أَبِي الجُهَيْمِ عبد اللهِ بن الحارِثِ بن الصِّمَّةِ الأنصارِيِّ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رسُولُ الله ﷺ: لَوْ يَعْلَمُ المَارُّ بَيْنَ يَدَيِ المُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْراً لَهُ مِنْ أنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ.

قَالَ الراوِي: لا أَدْرِي قَالَ: أَرْبَعِينَ يوماً، أَوْ أَرْبَعِينَ شَهراً، أَوْ أَرْبَعِينَ سَنَةً. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوجُہَیم عبداللہ بن حارث بن صِمَّہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس گزرنے پر اس کے لیے کیا وبال ہے تو نمازی کے سامنے سے گزرنے کے مقابلہ میں چالیس تک کھڑا رہنا اس کے لیے زیادہ بہتر ہو۔

(چالیس سے کیا مراد ہے؟) راوی کہتے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں کہ چالیس دن مراد ہیں، یا چالیس مہینے مراد ہیں، یا چالیس سال مراد ہیں۔

افادات:- دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس سال تک کھڑا رہنا گوارا کرے گا لیکن نمازی کے آگے سے گذرنا گوارا نہیں کرے گا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نمازی کے آگے سے گذرنا کتنا خطرناک ہے، چوں کہ یہ نمازی کی توجہ کو ہٹانے والا ہے۔ اگر نمازی کے آگے سترہ اور آڑ رکھی ہوئی ہو اور آڑ کے اُس طرف سے کوئی گذرے تو اس کی اجازت ہے۔

بڑی اور چھوٹی مسجد کی تحدید اور حکم

اور اگر کھلے میدان میں نماز پڑھ رہا ہے، یا بڑی مسجد ہے تو اس صورت میں نمازی کے موضعِ سجود کے آگے سے گذرنے کی اجازت ہے۔(اور موضعِ سجود کا مطلب اوپر بتلایا کہ آدمی کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہا ہو اور اس کی نگاہیں سجدے کی جگہ پر جمی ہوئی ہوں اور سامنے سے کوئی گذرے تو نمازی کی نگاہیں اس کو نہ دیکھ سکیں۔حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بندے نے اس کا اندازہ لگایا تو نمازی کے کھڑے ہونے کی حالت میں اس کے پاؤں سے دو صف کے برابر ہوا، جو تقریباً نو(۹) یا دس(۱۰) فٹ ہوتا ہے۔)

اور چھوٹی مسجد ہو تو پھر نمازی اور قبلہ والی دیوار کے درمیان میں سے گذرنے کی اجازت نہیں ہے۔اور چھوٹی مسجد کی تفصیل بھی فقہاء نے لکھی ہے کہ اگر ایسی چھوٹی مسجد یا کمرے میں نماز پڑھ رہا ہے جس کا کل رقبہ(ایریا) چالیس(۴۰) ہاتھ یعنی ساٹھ(۶۰) فٹ سے کم ہے؛ تو نمازی کے سامنے سے گذرنا مطلقاً ناجائز ہے، خواہ قریب سے گذرے یا دور سے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بڑی مسجد کا جو رقبہ ساٹھ(۶۰) فٹ بتایا تو کیا کل ۶۰/اسکویر فٹ مراد ہے؟ یا ۶۰x۶۰ یعنی ۳۶۰۰/اسکویر فٹ مراد ہے؟ تو اس سلسلہ میں مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہی فتویٰ دیا ہے کہ کل ۶۰/اسکویر فٹ مراد ہے؛ لیکن ہمارے اکابر میں سے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا ہے کہ: ۴۰x۴۰ ہاتھ (یعنی ۶۰x۶۰ فٹ) کے کل ۳۶۰۰/اسکویر فٹ ہوتے ہیں، اس سے بڑی مسجد ہو تو اس صورت میں نمازی جہاں کھڑا ہے اس سے دو صف جتنی

جگہ (یعنی نو (۹) یا دس (۱۰) فٹ) چھوڑ کر آگے سے کوئی گذرنا چاہے تو گذر سکتا ہے، اور اگر اس سے چھوٹی مسجد ہے تو اس صورت میں پھر نمازی اور قبلہ والی دیوار کے درمیان میں سے گذرنے کی اجازت نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہوئی۔

سامنے سے گزرنے والا گنہگار یا نمازی؟

ایک اور مسئلہ ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے میں جبکہ کوئی سترہ یا آڑ نہ ہو؛ تو گنہگار ہونے کی چار صورتیں ہیں:

(۱) پہلی یہ کہ گزرنے والے کے لیے گنجائش موجود ہو کہ وہ نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، اور نمازی نے بھی راستہ نہ روکا ہو۔ یعنی نمازی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے کہ اس کی وجہ سے جانے والے کا راستہ نہیں رکتا ہے، اور گزرنے والا نمازی کے سامنے سے گزرے بغیر بھی اپنا راستہ نکال لے سکتا ہے، پھر بھی وہ نمازی کے آگے سے گزرا؛ تو اس صورت میں گناہ گزرنے والے پر ہوگا، نمازی پر کوئی گناہ نہیں۔ اس لیے کہ کوتاہی گزرنے والے کی طرف سے ہو رہی ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دوسری طرف کو اور کوئی راستہ ہے ہی نہیں، اور نمازی نے راستہ روک لیا ہے۔ یعنی نمازی ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں سے لوگوں کے آنے جانے کا راستہ ہے (بعض لوگ ایسا ہی کرتے ہیں) تو اس صورت میں گناہ نمازی پر ہوگا، گزرنے والے پر نہیں۔ اس لیے کہ یہاں کوتاہی نمازی کی طرف سے پائی گئی ہے۔ اس کو سوچ سمجھ کر ایسی جگہ پر کھڑا رہنا چاہیے تھا جہاں سے گزرنے والوں کے راستے میں رکاوٹ پیدا نہ ہوتی ہو۔

(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ نمازی نے راستہ تو روک لیا ہے لیکن گزرنے والا

اور طرف سے بھی نکل سکتا ہے، پھر بھی نمازی کے سامنے سے گزرا؛ تو اس صورت میں دونوں گنہگار ہوں گے۔ نمازی اس لیے کہ راستہ روکا، اور گزرنے والا اس لیے کہ اس کے لیے بچنا ممکن تھا پھر بھی وہ سامنے سے گزرا۔

(۴) چوتھی شکل یہ ہے کہ نمازی نے راستہ نہیں روکا، اور گزرنے والے کے لیے بھی اور کوئی راستہ نہیں ہے، اور آدمی نمازی کے سامنے سے گزرے؛ تو اس صورت میں دونوں میں سے کوئی بھی گنہگار نہیں ہوگا۔

باب كراهة شروع المأموم في نافلة بعد شروع المؤذن في إقامة الصلاة؛ سواء كَانَتْ النافلة سنة تلك الصلاة أَوْ غيرها

جماعت کھڑی ہوچکنے کے بعد مسجد ہی میں سنتیں یا نوافل پڑھنا مکروہ ہے

اس باب میں ایک مسئلہ اور بتلاتے ہیں کہ کسی نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی (یعنی جماعت کھڑی ہوگئی) تو اس مسجد میں اور کوئی نماز شروع نہ کی جائے، چاہے وہ نماز اسی وقت کی سنت ہو، یا کوئی نفل ہو۔

فجر کے علاوہ دوسری چار نمازوں میں سے ظہر عصر اور عشاء سے پہلے سنتیں ہیں اور اس میں بھی عصر وعشاء سے پہلے کی سنتیں تو غیر مؤکدہ ہیں، لیکن ظہر سے پہلے سنت مؤکدہ ہیں۔ ان تینوں میں مسئلہ یہی ہے کہ جب جماعت کھڑی ہوجائے اس کے بعد کوئی اور نماز شروع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ فجر میں کوئی آدمی مسجد آیا اور جماعت کھڑی ہوچکی ہے تو اس صورت میں حضراتِ ائمہ میں دورائیں ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما اس بات کے قائل ہیں کہ چوں کہ احادیثِ مبارکہ میں

فجر کی سنتوں کے متعلق بڑی تاکید آئی ہے، اور اتنی زیادہ تاکید دوسری سنتوں کے متعلق نہیں ہے، اس لیے اگر فجر کی جماعت شروع ہو چکی ہو اور اس کو اندازہ ہو کہ میں اپنی سنتیں پڑھنے کے بعد بھی جماعت میں شریک ہو جاؤں گا، اور مجھے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی؛ تو اس صورت میں وہ مسجد سے ہٹ کر باہر کوئی جگہ ہو تو مسجد سے باہر سنتیں پڑھ لے۔ جیسے: ہماری اس مسجد میں باہر جگہ موجود ہے، اوپر بھی جگہ ہے، جماعت خانہ کے اندر جماعت چلتے ہوئے سنتیں پڑھنے کی قطعاً اجازت نہیں۔

اور اگر کسی مسجد میں جماعت خانہ کے علاوہ جگہ ہی نہ ہو، تو پھر کسی کونہ میں پڑھے۔ صف میں جماعت کے نمازیوں کے ساتھ کھڑے ہو کر نہ پڑھے؛ کہ اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ دوسری رائے آگے آ رہی ہے۔

۱۷۵۹:- عن أبي هريرة رضی الله عنه عن النبي ﷺ قال: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی فرض نماز کے لیے اقامت کہی جائے (یعنی جماعت شروع ہو جائے) تو اب فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز پڑھنا درست نہیں۔

افادات:- اسی لیے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما اس طرف گئے ہیں کہ فجر کے اندر بھی جماعت کھڑی ہو گئی ہو تو سنتیں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اوپر تفصیل بتلا دی گئی۔

باب كراهة تخصيص يوم الجمعة بصيام أوْ ليلته بصلاة من بين الليالي

جمعہ کے دن خصوصیت سے روزہ رکھنا اور شبِ جمعہ میں خصوصیت سے عبادت کرنا مکروہ ہے

پچھلی کئی مجلسوں سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ متفرق آداب و مسائل بتارہے ہیں۔ آج ایک عنوان قائم کیا ہے کہ: خصوصیت کے ساتھ جمعہ کے دن روزہ رکھنے، یا خصوصیت کے ساتھ جمعہ کی رات میں عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چناں چہ روایت پیش کرتے ہیں۔

۱۷۶۰:- عن أَبي هريرة رضي الله عنه عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((لا تَخُصُّوا لَيْلَةَ الجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي، وَلاَ تَخُصُّوا يَوْمَ الجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الأَيَّامِ، إلاَّ أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: راتوں میں سے جمعہ کی رات کو عبادت کے لیے خاص مت کرو، اور دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے مخصوص مت کرو؛ البتہ جمعہ کا دن کسی ایسے دن پڑ جائے کہ اس میں آدمی کے روزہ رکھنے کی عادت ہے (تو اس کی اجازت ہے)۔

افادات:۔ مثلاً: کوئی آدمی ہر مہینہ کے پہلے چاند کو روزہ رکھتا ہے۔ یا ہر مہینہ کے دسویں چاند کو روزہ رکھتا ہے، اوراب کی مرتبہ پہلا یا دسواں چاند جمعہ کو ہی پڑ گیا؛ تو پھر کوئی حرج نہیں۔ لیکن جمعہ کے دن جمعہ ہونے کی حیثیت سے روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ہاں! صرف جمعہ کا روزہ نہ رکھتے ہوئے اس سے آگے یا پیچھے ایک روزہ ملا لیا جائے یعنی جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھا، یا جمعہ کے ساتھ سنیچر کو ملا کر روزہ رکھ لیا؛ تو اس کی اجازت ہے، جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے۔

آگے پیچھے ایک روزہ ملا لیا کرے

۱۷۶۱:- وعنه قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: لاَ يَصُومَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلاَّ يوماً قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کوئی آدمی جمعہ کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ اس سے پہلے ایک دن یا اس کے بعد ایک روزہ رکھ لے۔ (تو رکھ سکتا ہے)

۱۷۶۲:- وعن محمد بن عَبَّادٍ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِراً رضی الله عنه: أَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ صَوْمِ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:۔ حضرت محمد بن عباد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن کے روزہ سے منع فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ (صرف جمعہ کے دن کا اکیلا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔)

۱۷۶۳:- وعن أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ جويرية بنت الحارث رَضِيَ اللهُ عنها: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وهِيَ صَائِمَةٌ، فَقَالَ: أَصُمْتِ أَمْسِ؟ قالت:

لا. قَالَ: تُرِيدِينَ أَنْ تَصُومِي غَداً؟ قالتْ: لاَ. قَالَ: فَأَفْطِرِي. (رواه البخاری)

ترجمہ:- اُم المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہاں جمعہ کے دن تشریف لائے اوران کا روزہ تھا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: گذشتہ کل (یعنی جمعرات) کا تم نے روزہ رکھا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو پوچھا کہ: آئندہ کل (یعنی سنیچر) کا روزہ رکھنے ارادہ ہے؟ تو کہا: نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر یہ روزہ توڑ ڈالو۔

افادات:- کوئی آدمی نفل روزہ توڑ ڈالے تو اس کی قضاء کے سلسلہ میں ائمہ کے درمیان میں اختلاف ہے، احناف کے یہاں یہ ہے کہ اس کی قضاء ضروری ہے۔ بہرحال! یہاں تو یہ بتلانا ہے کہ صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے سے، اور اکیلی جمعہ کی رات میں عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

باب تحريم الوصال في الصوم

وَهُوَ أَنْ يصوم يَومَينِ أَوْ أكثر وَلاَ يأكل وَلاَ يشرب بينهما

صومِ وصال کی حرمت کا بیان

صومِ وصال کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دو یا زیادہ دنوں کا روزہ مسلسل اس طرح رکھے کہ درمیان میں نہ تو افطار کرے، نہ سحری؛ اس کو صومِ وصال کہتے ہیں، اور اس کی اجازت نہیں ہے۔ اور ایک شکل یہ ہے کہ روزانہ کا روزہ رکھے جس میں افطار بھی کرے، رات میں کھائے پئے اور سحری بھی کرے؛ اس کو صومِ دہر کہتے ہیں؛ اس کی اجازت ہے۔

۱۷۶۴:-عن أَبي هريرة وعائشة رضى الله عنهما: أَنَّ النبيَّ -ﷺ- نهى عن الوِصَالِ.(متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صومِ وصال سے منع فرمایا۔

میرا معاملہ تمہاری طرح نہیں ہے

۱۷۶۵:-وعن ابن عمر رضى الله عنهما قَالَ: نَهَى رسُولُ اللهِ-ﷺ-عَنِ الوِصَالِ. قالوا: إنَّكَ تُواصِلُ؟ قَالَ: ((إنِّي لَستُ مِثْلَكُمْ، إنِّي أُطْعَمُ وَأُسْقَى)).

(متفق عَلَيْهِ. وهذا لفظ البخاري)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صومِ وصال سے منع فرمایا، تو صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کا معمول تو صومِ وصال کا ہے؟

(اور امت کوتو آپ کے اتباع وپیروی کا حکم دیا گیا ہے) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (صومِ وصال میری خصوصیت ہے) مَیں تمہاری طرح نہیں، مَیں کھلا یا پلا یا جاتا ہوں۔

افادات:۔ بعض عبادات ایسی تھیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تو اجازت تھی؛ لیکن امت کو اس کی اجازت نہیں۔ یا آپ کے لیے واجب تھی اور امت کے لیے واجب نہیں۔ جو کام ایسے ہوں جو امت کے لیے منع ہوں لیکن آپ کے لیے ممنوع نہ ہوں؛ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات کہلاتی ہیں؛ لیکن کسی بھی چیز کا خصوصیت ہونا اس وقت تک ثابت نہیں مانا جائے گا جب تک کہ اس سلسلہ میں کوئی روایت موجود نہ ہو۔ یہاں صومِ وصال کے متعلق روایت موجود ہے۔

''مَیں کھلا یا پلا یا جاتا ہوں'' یعنی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی روحانی نعمتیں دی جاتی ہوں جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی ہوں، اور ایک آدمی کو کھانے پینے سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہی قوت آپ کو ان نعمتوں سے حاصل ہو جاتی ہوں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا معاملہ تمہاری طرح نہیں ہے۔

باب تحریم الجلوس عَلٰی قبر

قبر کے اوپر بیٹھنے کی ممانعت

ایک مؤمن کا جو ادب واحترام اس کی زندگی میں ملحوظ رکھا جاتا ہے وہی ادب و احترام اس کی موت کے بعد ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چناں چہ اس کی قبر کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کرنا جو اس کے ادب واحترام کے خلاف ہو؛ اس کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اسی لیے زیارتِ قبر کے سلسلہ میں جو طریقہ بتلایا گیا ہے اس کے متعلق کتبِ فقہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ آدمی صاحبِ قبر کی پائنتی قبلہ کی طرف اس طرح کھڑا ہو کہ اس کا چہرہ صاحبِ قبر کے سامنے ہو، اور پیٹھ قبلہ کی طرف ہو۔ اور وہاں ایک بات خاص لکھی ہے کہ صاحبِ قبر کی زندگی میں اس سے جتنا قریب اور دور رہتا تھا، زیارتِ قبر کے وقت بھی اسی لحاظ سے رہے۔ جیسے: کوئی استاذ یا شیخ کی قبر ہے جن کی زندگی میں آپ ان سے دو چار گز دور بیٹھتے تھے تو جب ان کی قبر کی زیارت کے لیے جائیں تب بھی اسی مناسبت سے دور کھڑے رہنا چاہیے۔

۱۷۶۶:- عن أَبي هريرة رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رسولُ الله ﷺ: ((لأَنْ يَجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلَى جَمْرَةٍ، فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ فَتَخْلُصَ إِلَى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَجْلِسَ عَلَى قَبْرٍ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی انگارے کے اوپر بیٹھے اور وہ انگارا اس کے کپڑوں کو جلا کر اس کی کھال

تک پہنچ جائے (اوراس کی وجہ سے اس کی کھال متاثر ہو اور اس کو تکلیف ہو) یہ اس کے لیے بہتر ہے بہ نسبت اس بات کے کہ وہ کسی قبر کے اوپر بیٹھے۔

افادات:۔ اس سے قبر کے اوپر بیٹھنے کی ممانعت معلوم ہوئی۔ اسی لیے بعض علماء اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔ بعضوں نے اس کو مکروہ بتلایا ہے۔ ہاں! قضائے حاجت کے لیے بیٹھنا بالاتفاق حرام ہے۔

باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه

قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر (قبہ، کمرہ وغیرہ) تعمیر کرنے کی ممانعت

۱۷۶۷:- عن جابر رضی الله عنه قَالَ: نَهَى رسولُ الله ﷺ أن يُجَصَّصَ القَبْرُ، وأنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأنْ يُبْنَى عَلَيْهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبر کو پختہ (پکّا) بنایا جائے، اور اس پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا، اور اس پر قبہ، کمرہ وغیرہ تعمیر کرنے سے بھی منع فرمایا۔

باب تغليظ تحريم إباق العبد من سيده

غلام کا اپنے آقا کے یہاں سے بھاگ جانا سخت حرام ہے

۱۷۶۸:- عن جرير رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو غلام بھاگ گیا تو اس سے اسلام کا ذمہ بری ہے۔

افادات:- اس کو اللہ ورسول کی طرف سے جو امان دیا گیا ہے، یا جو وعدے کئے گئے ہیں وہ سب اس کے بھاگ جانے کی وجہ سے باقی نہیں رہیں گے۔

کفر سے مراد کیا ہے؟

۱۷۶۹:- وعنه عن النبيِّ ﷺ: إِذَا أَبَقَ العَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلاَةٌ. (رواه مسلم) وفی روايةٍ: ((فَقَدْ كَفَرَ))

ترجمہ:- حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی غلام بھاگ جاتا ہے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ اس نے گویا کفر کیا۔

افادات:- یعنی اگرچہ نماز درست ہو جائے گی اور اس کا ذمہ بری

ہو جائے گا، اس کے اوپر اس نماز کی قضاء واجب نہیں ہوگی، کل قیامت میں نماز کے اوپر یہ مؤاخذہ وگرفت نہیں ہوگی کہ نماز نہیں پڑھی، لیکن قبول نہیں ہوگی یعنی اس کی نماز پر اس کو کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفر کا معنیٰ ناشکری۔ یعنی اس نے آقا کے احسان کی ناشکری کی۔ یا اگر اس نے اس حرکت کو حلال سمجھتے ہوئے کیا یعنی اس کے لیے بھاگنا حرام ہے اور وہ حلال سمجھتے ہوئے بھاگا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کفر شمار ہوگا۔

باب تحريم الشفاعة في الحدود

شریعت کی مقرر کی ہوئی سزاؤں کے متعلق سفارش حرام ہے

اس باب میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مقررہ سزائیں ہیں ان کے سلسلہ میں سفارش کرنا جائز نہیں ہے۔

حدودِ اربعہ

چار گناہ ایسے ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا مقرر کر دی گئی ہے، جن کو "حدودِ اربعہ" کہا جاتا ہے:

(۱) زنا:۔ کوئی آدمی اگر زنا کا ارتکاب کرے اور وہ محصَن (یعنی شادی شدہ) ہے، اور ساتھ میں کچھ دیگر شرطیں بھی ہیں، تو اس کی سزا "رجم" یعنی سنگسار کر دینا ہے، اس کو پتھر مار مار کر ختم کر دیا جائے، چاہے مرد ہو یا عورت ہو۔ اور اگر وہ غیر محصَن (یعنی غیر شادی شدہ) ہے تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں۔ ایک گناہ تو زنا ہوا کہ جس میں شریعت کی طرف سے سزا مقرر ہے۔

(۲) سرقہ:۔ دوسرا گناہ چوری کا ہے کہ کسی پر اگر شرعی اعتبار سے کچھ شرائط کے ساتھ چوری کا ثبوت ہو جائے، یا وہ اقرار کر لے، تو اس کا داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹ دیا جائے گا، یہ سزا بھی شریعت کی طرف سے مقرر ہے۔

(۳) شراب نوشی: ۔تیسرا گناہ شراب نوشی کا ہے اس کی سزا اسّی کوڑے ہے۔

(۴) تہمتِ زنا: ۔ چوتھا گناہ یہ ہے کہ اگر کسی پاک دامن مرد یا عورت کے اوپر زنا کی تہمت لگائے، اور اپنے اس دعوے پر چار گواہ پیش نہ کر سکے؛ تو اس کو بھی بطورِ سزا کے اَسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔ یہ چار سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں، انہیں کو شریعت کی اصطلاح میں ''حد'' کہتے ہیں۔اس کے علاوہ دیگر جرائم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے۔ہاں! حاکمِ وقت اس کے مناسب جو سزا ہو وہ اس کے لیے تجویز کر سکتا ہے۔

حدود کے سلسلہ میں سفارش کرنا جائز نہیں

تو حدود کے سلسلہ میں سفارش کرنا جائز نہیں ہے۔ سفارش کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا معاملہ حاکم کے پاس پہنچ گیا اور اس کے اوپر زنا کا ثبوت اس کے اقرار کی وجہ سے، یا گواہوں کی کاروائی کے نتیجے میں ہو گیا؛ تو اس پر جو سزا شریعت نے لازم کی ہے، حاکم وہ سزا اس پر ضرور جاری کرے گا۔ اب اس سلسلہ میں کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ حاکم کے پاس جا کر اس کی سفارش کرے کہ اس کو معاف کر دو، ہم اس کی طرف سے اتنا معاوضہ دیدیتے ہیں، یا اتنا تاوان (ڈنڈ) بھر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سفارش کرنا حرام ہے۔ چاروں گناہوں کا یہی حکم ہے۔

ایک شکل میں سفارش کی اجازت ہے

البتہ کتابوں میں لکھا ہے کہ کوئی معاملہ حاکم کے پاس پہنچے اس سے پہلے کوئی آدمی ان گواہوں سے سفارش کا معاملہ کرے تو اس کی اجازت ہے، مثلاً: کسی کو زنا

کرتے ہوئے گواہوں نے دیکھا اور وہ حاکم کے پاس یہ معاملہ پہنچانے والے ہیں، اب وہ لوگ یہ معاملہ وہاں لے کر جائیں اس سے پہلے کوئی آدمی ان گواہوں سے کہے کہ: تم یہ معاملہ حاکم کے پاس مت لے جاؤ؛ تو اس کی اجازت ہے۔ اور وہاں بھی صرف سفارش کی جاسکتی ہے، ان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن معاملہ جب حاکم کے پاس پہنچ گیا تو اب سفارش کی اجازت نہیں۔ یہی حال چوری کا بھی ہے۔

لیکن فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ صرف اسی آدمی کے متعلق سفارش کی جاسکتی ہے جس کی زنا کی عادت نہیں ہے، بلکہ ماحول کا شکار ہو کر وہ پھنس گیا اور اس سے زنا کا صدور ہو گیا۔ لیکن اگر کوئی آدمی ان گناہوں کا عادی بن چکا ہو، تو پھر حاکم کے پاس جانے سے پہلے بھی سفارش کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ اس صورت میں تو یہ کوشش کی جائے کہ معاملہ حاکم کے پاس پہنچے، پھر اس کا ثبوت ہو، اور اس کو سزا ملے، تاکہ آئندہ یہ بھی باز رہے، اور لوگوں کو بھی عبرت حاصل ہو۔

قرآنی آیت

قَالَ اللہ تَعَالَی: الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ. (النور:۲)

ترجمہ:- زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کرنے کے معاملہ میں تمہیں ان پر کوئی رحم نہ آئے، اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد جاری کرنے کے معاملہ میں ان پر ذرا بھی رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس آیت کو پیش کر کے بتلانا

چاہتے ہیں کہ اس معاملہ میں کسی کی کوئی سفارش قبول نہ کی جائے۔

اس معاملہ میں تم سفارش کرتے ہو؟

۱۷۷۰:- وعن عائشۃ رَضِیَ اللہُ عنھا: أَنَّ قُرَیْشاً أَھَمَّھُمْ شَأْنُ الْمَرْأَۃِ الْمَخْزُومِیَّۃِ الَّتِی سَرَقَتْ، فقَالُوا: مَنْ یُکَلِّمُ فِیھَا رَسُولَ اللہِ ﷺ؟ فقالوا: وَمَنْ یَجْتَرِءُ عَلَیْہِ إِلاَّ أُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ، حِبُّ رَسُولِ اللہِ ﷺ. فَکَلَّمَہُ أُسَامَۃُ، فَقَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ: أَتَشْفَعُ فِی حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللہِ تَعَالَی؟! ثُمَّ قَامَ فاخْتَطَبَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا أَھْلَکَ الَّذِینَ قَبْلَکُمْ أَنَّھُمْ کَانُوا إِذَا سَرَقَ فِیھِمُ الشَّرِیفُ تَرَکُوہُ، وَإِذَا سَرَقَ فِیھِمُ الضَّعِیفُ، أَقَامُوا عَلَیْہِ الْحَدَّ، وَایْمُ اللہِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا. (متفق عَلَیْہِ)

وفی روایۃٍ: فَتَلَوَّنَ وَجْہُ رَسُولِ اللہِ ﷺ، فَقَالَ: أَتَشْفَعُ فِی حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللہِ!؟ فَقَالَ أُسَامَۃُ: اسْتَغْفِرْ لِی یَا رَسُولَ اللہِ. قَالَ: ثُمَّ أَمَرَ بِتِلْکَ الْمَرْأَۃِ فَقُطِعَتْ یَدُھَا.

ترجمہ مع مختصر تشریح:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ قبیلۂ مخزوم کی اس عورت کے معاملہ نے قریش کو بہت فکر میں ڈال دیا جس نے چوری کی تھی (یہ واقعہ فتحِ مکہ کے وقت کا ہے کہ قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود سے چوری کا صدور ہوا اور وہ معاملہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا، چوری کا ثبوت بھی ہوگیا ادھر قریش کو بڑی فکر لاحق ہوئی کہ یہ عورت قبیلۂ مخزوم کی ہے جو قریش کا باعزت قبیلہ ہے، اگر چوری کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو یہ اس کے لیے بھی اور پورے خاندان کے لیے بھی بڑی بے عزتی کی چیز ہوگی، اس لیے کوئی ایسی تدبیر و کوشش ہونی چاہیے کہ

اس کا ہاتھ کٹنے کی نوبت نہ آئے۔ حضراتِ صحابہ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس میں سفارش نہیں چل سکتی، اس لیے ان کی آپس میں میٹنگ ہوئی اور اس بات پر غور وفکر ہوا کہ کون ہے جو اس معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر سفارش کرنے کی ہمت کرے) آپس میں کہنے لگے کہ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کون بات کرے گا؟ (اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قسم کی بات کرنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی) پھر انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اس سلسلہ میں بات کرنے کی ہمت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا، اس لیے کہ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب اور لاڈلے ہیں (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی محبت فرماتے تھے، ان کا لقب بھی حِبُّ الرسول تھا) چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی (کہ آپ اس کو معاف کر دیجئے) دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت اُسامہ کی اس بات کو سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ مارے غصے کے بدل گیا اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزاؤں میں سے ایک سزا کے سلسلے میں تم سفارش کرتے ہو؟ یہ سن کر حضرت اُسامہ سہم گئے اور درخواست کی کہ: اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعائے مغفرت کیجئے، مجھ سے کوتاہی ہوگئی۔

(راوی کہتے ہیں کہ حضرت اسامہ کو تو تنبیہ فرما دی؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ یہ بھی لوگوں کے کہنے سے سفارش کرنے آئے ہیں اور اس سلسلہ میں امت کو رہنمائی کرنے کا ایک موقعہ تھا) اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں ان کو اسی بات نے ہلاک وبرباد کر دیا کہ ان میں جب کوئی شریف اور اونچے گھرانے کا آدمی چوری کرتا تھا (تو اس پر شریعت

کی مقرر کردہ سزا جاری نہیں کرتے تھے) اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور جب کوئی کمزور و معمولی درجہ کا آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر سزا جاری کرتے تھے۔ پھر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (اعاذہا اللہ منہا) بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔

(حضرت لیث بن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ جب یہ جملہ آئے تو ''أعاذھا اللہ منہا'' کہنا چاہیے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے حضرت زیدؓ کا قصہ

افادات: ۔حضرت زیدؓ دراصل غلام تھے، ان کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ان کے قبیلے پر دوسرے قبیلے والوں نے چھاپا مارا (اس زمانے میں لوٹ مار چلتی رہتی تھی، ایک قبیلہ دوسرے کے اوپر حملہ آور ہو کر ان کے ساتھ زیادتیاں کرتا تھا) اس حملے میں دوسرے قبیلے والوں نے ان کے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کرلیا، مال بھی لوٹ لیا، اس میں حضرت زیدؓ بھی گرفتار کئے گئے اور ان کو مکہ مکرمہ لا کر بیچ دیا، حضرت خدیجہؓ نے ان کو خریدا، جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوا تو انہوں نے ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ ان کے والد ان کی جدائی میں بہت غمگین رہتے تھے، اور ان کی جستجو و تلاش میں تھے کہ میرا بیٹا کہاں ہے، لوگوں سے پوچھتے رہتے تھے، ہر آتے جاتے قافلوں سے بھی دریافت کرتے رہتے۔ ان کے قبیلے کے کچھ لوگ مکہ مکرمہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے، انہوں نے حضرت زیدؓ کو دیکھا تو جا کر ان کے والد کو اطلاع کی کہ تمہارا بیٹا وہاں ہے۔ چناں چہ ان کے والد ان کے چچا کو لے کر مکہ مکرمہ آئے، اور معلوم کیا کہ ہمارا بیٹا کس کی غلامی میں ہے، معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں ہے، تو دونوں بھائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور

ان کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سارا معاملہ رکھا کہ میں اپنے بیٹے کو لینے کے لیے آیا ہوں، اور آپ تو بڑے شریف ہیں اور آپ کے بہت اونچے اوصاف ہیں، آپ تو لوگوں کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: ٹھیک ہے! مگر پہلے ان سے تو معلوم کرلیا جائے کہ وہ آپ لوگوں کے ساتھ آنے کے لیے تیار بھی ہیں یا نہیں؟ اگر وہ آنا چاہتے ہیں تو میں نہیں روکوں گا، میری طرف سے ان کو اجازت ہے؛ لیکن اگر وہ آپ کے ساتھ آنا نہیں چاہتے تو میں تمہارے ساتھ زبردستی کیسے بھیجوں؟ ان کے والد یہ سمجھتے تھے کہ وہ تو ساتھ آ ہی جائے گا، چناں چہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے والد اور چچا کو بٹھا کر حضرت زیدؓ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ ان کو پہچانتے ہو؟ کہا: ہاں۔ پوچھا: کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ تمہیں لینے کے لیے آئے ہیں، اگر تم کو ان کے ساتھ جانا ہے تو میری طرف سے تم کو اجازت ہے۔ انہوں نے فوراً کہا: میں تو جانا نہیں چاہتا، آپ کے پاس ہی رہنا چاہتا ہوں۔ ان کے والد بہت سٹپٹائے اور ناراض بھی ہوئے کہ عجیب آدمی ہو، غلامی کی زندگی کو آزادی کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: میں نے ان سے جو سلوک دیکھا ہے اس کے بعد میں آپ لوگوں کے ساتھ آنا پسند نہیں کرتا۔ جب انہوں نے یہ کہا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد بھی کر دیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر حرم میں گئے اور اعلان کیا کہ سب لوگ گواہ رہو کہ آج سے میں نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا۔ اور اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کو منھ بولا بیٹا بنالیتا تھا تو اسی کی طرف اس کی نسبت کرتے تھے، جیسے سگے باپ کی طرف کی جاتی ہے۔ چناں چہ لوگ ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارنے لگے۔ بعد میں جب سورۂ احزاب کی آیت نازل ہوئی جس میں منھ بولے بیٹوں کو بجائے حقیقی باپ کے بیٹا بنانے

والے کی طرف منسوب کرنے کی ممانعت آئی، اور حکم آیا کہ حقیقی باپ کی طرف منسوب کرو۔ چناں چہ اس کے بعد ان کو زید بن حارثہؓ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

مشہور قیافہ شناس کی گواہی

حضرت زیدؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے لاڈلے تھے، ان کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ ہیں، حضرت ام ایمنؓ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن میں کھلایا تھا انہیں کے ساتھ حضرت زیدؓ کا نکاح ہوا، اور انہیں سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ چوں کہ حضرت زیدؓ بڑے حسین وجمیل تھے؛ لیکن ماں حضرت ام ایمن حبشیہ سیاہ فام تھیں اس لیے حضرت اسامہؓ کا رنگ سانولا تھا، تو بعض لوگ ان کی رنگت کی وجہ سے اور چہرہ باپ کے مشابہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے نسب کے معاملہ میں شک وشبہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ اور حضرت زیدؓ دونوں مسجدِ نبوی کے صحن میں چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، دونوں کے چہرے ڈھنپے ہوئے تھے اور پاؤں کھلے ہوئے تھے، عرب کا ایک مشہور قیافہ شناس مُجزِّز مُدلجی جب وہاں سے گزرا اور اس نے دونوں کے پاؤں دیکھے تو کہا: ''إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ'' یہ دونوں پاؤں باپ بیٹے کے معلوم ہوتے ہیں، یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی مسرت ہوئی۔ (بخاری ومسلم)

چوں کہ اہلِ عرب قیافہ شناسوں کی باتوں کو بڑی اہمیت دیتے تھے، گویا ایک ایسے آدمی کی بات سے اس کی تائید ہوگئی جن پر ان لوگوں کو بھی اعتماد تھا۔

میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں

خیر! حضرت زیدؓ کی وجہ سے حضرت اسامہؓ سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی

محبت فرماتے تھے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کو اپنی ایک ران پر بٹھایا اور اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو دوسری ران پر بٹھایا اور فرمایا: ''أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا'' اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، جو ان دونوں سے محبت رکھے تو ان سے محبت رکھیو۔

(بخاری شریف، بَابُ مَنَاقِبِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا)

تحقیر؛ فتنہ میں مبتلا کرتی ہے

بہر حال! حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے لاڈلے تھے، اور عام طور پر سفر میں جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے تو حضور ان کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھاتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات سے مزدلفہ روانہ ہو رہے تھے، غروبِ شمس ہو چکا تھا، روانگی کی تیاری تھی، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کا انتظار فرما رہے ہیں، اس وقت یمن کے کچھ معزز حضرات بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے، وہ آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ: کس کی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے؟ اتنے میں دیکھا کہ ایک نوجوان آیا اور اس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھایا اور روانہ ہوئے، وہ حضرت اسامہ تھے۔ اور چوں کہ یہ لوگ یمن والے تھے حضرت اسامہ کو پہچانتے نہیں تھے، اور حضرت اسامہ سانولے رنگ کے جوان لڑکے تھے، ناک بھی چپٹی تھی، ان کی شکل وصورت دیکھ کر وہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ: ان کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑا؟ گویا ان کو معمولی سمجھا۔

اس واقعہ کو نقل کرنے والے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کا جو فتنہ پھیلا اور یمن کے لوگ ارتداد میں مبتلا

ہوئے؛ وہ ان کی اسی تحقیر کی وجہ سے ہوئے۔ اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ کسی کو بھی معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

’’قانون کی نگاہوں میں سب برابر ہیں‘‘ کا مطلب

اس روایت سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واضح فرمادیا کہ شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں کو جاری کرنے کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ ’’قانون کی نگاہوں میں سب برابر ہیں‘‘ کا یہی مطلب ہے کہ جس گناہ کے لیے جو قانون مقرر کیا گیا ہے اس کا ارتکاب چاہے کوئی بڑا کرے تو اس پر بھی وہ سزا جاری کی جائے گی، بڑا ہونے کی وجہ سے اس کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ اور چھوٹے نے وہ قصور کیا ہو تو اس پر بھی وہی سزا جاری کی جائے گی۔

باب النهي عن التغوط في طريق الناس وظلِّهم وموارد الماء ونحوها

لوگوں کے راستے میں یا لوگ جہاں سایہ حاصل کرتے ہوں یا پانی کی جگہوں پر پیشاب پاخانہ کرنے کی ممانعت

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَاناً وَإِثْماً مُبِيناً. (الأحزاب:۵۸)

ترجمہ:- جو لوگ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی ایسا کام کیا ہو (جس کی وجہ سے ان کو تکلیف دی جائے) تکلیف دیتے ہیں، تو وہ ایسا کر کے اپنے اوپر بہت بڑا بہتان اور بڑے گناہ کا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔

افادات:- معلوم ہوا کہ کوئی بھی ایسا کام جس سے ایمان والوں کو تکلیف پہنچتی ہو؛ اس کا ارتکاب حرام ہے۔ پہلے بھی کئی مرتبہ بتلا چکا ہوں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ کسی بھی کام سے کسی کو بے جا تکلیف پہنچے، جیسے راستے میں ایسی پارکنگ کر دی جس کی وجہ سے آنے جانے والوں کے لیے تکلیف ہو؛ تو یہ حرام ہے۔

لعنت والے دو کام

۱۷۷۱:-وعن أَبِی هريرة رضی الله عنه: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: اتَّقُوا اللاَّعِنَيْنِ. قالوا: وَمَا اللاَّعِنَانِ؟ قَالَ: الَّذِی يَتَخَلَّى فی طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فی ظِلِّهِمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو ایسے کام جو لعنت کو لانے والے ہیں ان سے بچو (یعنی جس کی وجہ سے لوگ ان کاموں کے کرنے والوں پر لعنت کرتے ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا: لعنت والے دو کام کونسے ہیں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے راستے میں یا جہاں لوگ سایہ حاصل کر کے بیٹھتے ہوں وہاں قضائے حاجت کرنا۔

افادات:- راستے میں کسی نے پاخانہ کر دیا تو جو بھی وہاں سے گزرے گا وہ برا بھلا کہے گا کہ کس نالائق اور کس کمبخت نے ایسا کیا۔ گویا یہ حرکت آدمی کے لیے لعنت کا باعث بنتی ہے۔ اسی طریقہ سے جہاں درخت کا سایہ ہے، یا ایسی جگہ ہے جہاں لوگ جائز کام کے لیے بیٹھتے ہیں، جیسے: دیہاتوں میں عام طور پر اس کا دستور ہوتا ہے؛ وہاں پیشاب پاخانہ کرنے کے متعلق بھی یہی وعید ہے۔ اور سایہ تو گرمی کے زمانہ میں حاصل کیا جاتا ہے لیکن جہاں لوگ سردی کے زمانہ میں دھوپ کھانے کے لیے بیٹھتے ہوں؛ اس کا بھی وہی حکم ہے۔

ایک اور مسئلہ

اور اس جگہ پر ایک مسئلہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جگہ اگر ایسی ہے جہاں لوگ ناجائز

کام کے لیے بیٹھتے ہوں، مثلاً: لوگ وہاں جوا کھیلنے، یا سنیما دیکھنے کے لیے، یا کسی بھی حرام وناجائز کام کے لیے بیٹھتے ہیں؛ تو پھر وہاں پاخانہ کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

باب النهي عن البول ونحوه في الماءالراكد

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب وغیرہ کرنے کی ممانعت

۱۷۷۲:-عن جابر رضی الله عنه: أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُبَالَ في الْمَاءِ الرَّاكِدِ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

افادات:- اس کا مطلب یہ نہیں کہ بہتے ہوئے پانی میں پیشاب کر سکتے ہیں، وہاں بھی کرنی تو نہیں چاہیے؛ لیکن اگر کوئی کرلے گا تو اس کا اثر پانی کے بہاؤ کی وجہ سے جلدی ختم ہو جائے گا، اور ٹھہرے ہوئے پانی میں کوئی آدمی اگر پیشاب کرے گا تو اس کا اثر ختم نہیں ہوگا، اور یہی چیز آگے چل کر اس پانی کو خراب وفاسد کرنے کا سبب بنے گی؛ اس لیے اس سے خصوصیت سے منع فرمایا۔

باب كراهة تفضيل الوالد بعض أولاده علٰى بعض في الهبة

باپ کا اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو دوسری اولاد کے مقابلے میں بخشش اور ھدیے کے معاملہ میں ترجیح اور فضیلت دینا

ماں یا باپ اپنی اولاد کو کوئی چیز دیتے ہیں تو اس میں بعض مرتبہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک کو دیا اور دوسروں کو محروم کر دیا، یا سب کو دیا لیکن کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دیا۔ یہ باب قائم کر کے بتلاتے ہیں کہ ایسا طریقہ اختیار کرنا شریعت کی نگاہوں میں پسندیدہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں روایت پیش کرتے ہیں۔

۱۷۷۳:- عن النعمان بن بشير رضی الله عنهما: أَنَّ أباه أتَى بِهِ رسُولَ اللهِ ﷺ فقال: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا غُلاماً كَانَ لِي، فقال رسولُ الله ﷺ: أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هَذَا؟ فقال: لا، فقالَ رسولُ اللهِ ﷺ: فَأَرْجِعهُ.

وفی روايةٍ: فقال رسولُ اللهِ ﷺ: أَفَعَلْتَ هذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ؟ قال: لا، قال: اتَّقُوا الله، واعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ. فَرَجَعَ أبی، فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ.

وفی روایةٍ: فقال رسولُ اللهِ ﷺ: یَابَشِیرُ! أَلَكَ وَلَدٌ سِوَی هَذَا؟ فقالَ: نَعَمْ، قال: أَكُلَّهُمْ وَهَبْتَ لَهُ مِثْلَ هذَا؟ قال: لا. قال: فَلاَ تُشْهِدْنِي إذاً فَإنِّي لاَ أَشْهَدُ عَلَی جَوْرٍ.

وفی روایةٍ: لاَ تُشْهِدْنِي عَلَی جَوْرٍ.

وفی روایة: أَشْهِدْ عَلَی هذَا غَیْرِي! ثُمَّ قال: أَیَسُرُّكَ أَنْ یَكُونُوا إِلَیْكَ فی البِرِّ سَواءً؟ قال: بَلَی، قال: فَلا إذاً. (متفق علیه)

ترجمہ:- حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ ان کے ابا حضرت بشیرؓ ان کو لے کر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہدیہ و بخشش میں دیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے دریافت کیا: کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اسی طرح ہدیے میں غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو واپس لے لو۔

دوسری روایت میں یہ ہے: حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: تم نے ایسا معاملہ اپنی تمام اولاد کے ساتھ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے معاملہ میں انصاف سے کام لو۔ حضرت نعمانؓ فرماتے ہیں کہ میرے ابا نے وہ غلام مجھ سے واپس لے لیا۔

تیسری روایت میں یہ ہے: نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے پوچھا: اے بشیر! کیا اس کے علاوہ بھی تمہاری اولاد ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ حضورِ اکرم ﷺ نے پوچھا: تم نے سب کو اسی طرح دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسی بات پر مجھے گواہ نہ بناؤ؛ میں ایسی ناانصافی کی بات پر گواہ نہیں بنتا۔

ایک اور روایت میں یہ ہے: تم مجھے ایسی ناانصافی کی بات پر گواہ مت بناؤ۔

ایک اور روایت میں یہ ہے: کسی دوسرے کو گواہ بناؤ۔ پھر فرمایا: اے بشیر! کیا تمہیں یہ

بات پسند ہے کہ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کے معاملہ میں برابر رہے؟ (یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمام اولاد تمہاری خدمت کرے، اور تمہاری بات مانے اور تمہارے ساتھ اچھائی سے پیش آئے؟ ظاہر ہے کہ تمام ماں باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے، کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ ایک ہی میرا فرمانبردار ہو اور باقی تمام نافرمان ہوں) انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر ایسا مت کرو (یعنی جب تمہاری یہ خواہش ہے تو پھر تمہاری بھی ذمہ داری ہے کہ تم بھی تمام اولاد کے ساتھ برابری کا سلوک کرو۔)

واقعۂ روایت کا پس منظر

افادات: - یہ ایک واقعہ ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دَور میں پیش آیا تھا جس کو یہاں بیان کیا ہے، اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی روایتوں کے مختلف الفاظ پیش کئے ہیں۔ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی والدہ کا نام عمرہ بنت رواحہؓ تھا جو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی بہن تھیں (عبداللہ بن رواحہؓ انصار میں سے بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، شاعر بھی تھے، غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے ہیں) وہ حضرت بشیرؓ کے نکاح میں تھیں، اور یہ حضرت بشیرؓ وہ ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کی تھی، جس وقت سقیفۂ بنوساعدہ میں بیعت والا واقعہ پیش آیا اور حضرت ابوبکر سے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہؓ نے درخواست کی تھی کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتے ہیں، جب حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھایا تو یہ دونوں حضرات ان کے ہاتھ پر بیعت ہوں اس سے پہلے حضرت بشیرؓ نے ہاتھ پکڑ لیا اور سب سے پہلے بیعت ہو گئے۔ ان کا تعلق قبیلۂ خزرج سے ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرہ بنت رواحہؓ حضرت نعمانؓ سے

حاملہ تھیں، جب ولادت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے شوہر کے سامنے شرط رکھی کہ بچہ پیدا ہونے والا ہے، اگر تم میرے اس ہونے والے بچہ کو ہدیہ میں باغ دو، تب تو مَیں اس کی پرورش کروں گی اور اس کا خیال رکھوں گی، ورنہ مَیں اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ حضرت بشیرؓ نے ایک باغ ہدیہ میں دینے کی آمادگی پہلے ظاہر کی؛ لیکن پھر ان کا دل نہیں مانا تو انہوں نے وہ باغ ہدیے میں نہیں دیا۔ ان کی اور بھی بیویاں تھیں جن سے اور اولاد بھی تھیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں تو غلام کا تذکرہ ہے؟ تو شراح نے اس کی یہی تشریح فرمائی ہے کہ پہلے یہی شکل پیش آئی تھی، مسلم شریف کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت انہوں نے وہ باغ نہیں دیا، پھر کچھ زمانہ گزر گیا پھر بھی حضرت عمرہؓ کی طرف سے اصرار باقی رہا تو انہوں نے ایک غلام دینے کا ارادہ کیا، اور چوں کہ پہلے باغ دینے کا ارادہ کیا تھا پھر ارادہ ترک کر دیا تھا، تو ان (حضرت عَمرہؓ) کو اندیشہ لاحق ہوا کہ غلام کے معاملہ بھی کہیں ایسا ہی نہ ہو، اس لیے انہوں نے ضروری سمجھا کہ بات پکی کروالی جائے اس لیے انہوں نے کہا کہ اس وعدہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گواہ بناؤ؛ تاکہ بعد میں اس وعدہ سے پھرنے کی نوبت نہ آئے۔ چناں چہ وہ حضرت نعمان کو اپنی گود میں اُٹھا کر لے گئے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو کچھ عرض معروض ہوئی وہ اوپر روایت میں گزری، اور آپ حضرات نے سن لی۔

روایت سے مستنبط مسئلہ اور حکم

اسی روایت سے فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی آدمی اگر اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کچھ بخشش کرنا چاہتا ہو تو تمام ہی اولاد کو برابر بخشش کرے، چاہے لڑکے ہوں

یا لڑکیاں۔ اور اس بخشش کے معاملہ میں کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دے، یعنی ترجیحی معاملہ نہ کرے۔ یعنی ایسا نہ کرے کہ کسی کو دیا اور کسی کو محروم رکھا، یا کسی کو زیادہ دیا اور کسی کو کم دیا؛ بلکہ سب کو یکساں طور پر دے۔

اب یہاں ایک یہ بات زیرِ بحث آتی ہے کہ سب کو یکساں طور پر دینا ضروری اور واجب ہے؛ یا مستحب اور بہتر کا درجہ رکھتا ہے؟ یہ چیز ائمۂ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ چناں چہ اکثر حضرات امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ: یہ فرض اور واجب نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو ناپسندیدہ سمجھا جائے گا؛ لیکن اس کے باوجود اگر کسی نے اس طرح دے دیا تو اس کا یہ عملی تصرف درست ہو جائے گا، اور جس کو دیا گیا ہے وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ یعنی باپ کے انتقال کے بعد دوسری اولاد یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ چیز واپس لاؤ تاکہ میراث میں تقسیم کیا جائے۔ کسی کی طرف سے ایسا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے معاشرہ کا رواج

آج کل ہمارے معاشرہ میں بھی ایسی شکایتیں بہت ہوتی ہیں، خاص کر کسی کی اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو ایسی نوبت آتی ہے کہ جس بیوی سے اس کا دل اُتر چکا ہے، یا جس بیوی کے ساتھ زیادہ ربط وضبط نہیں ہے، اس کی اولاد کی طرف سے غفلت اور بے التفاتی برتتا ہے۔ اور جس بیوی کے ساتھ زیادہ تعلق ہوتا ہے اور جو ابھی اس کے دل پر قابض بنی ہوئی ہے، اس کی اولاد کے ساتھ زیادہ اچھائی کا سلوک کرتا ہے، خاص کر جبکہ اس کی طرف سے تقاضہ اور پریشر ''Pressure'' بھی ہو کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ ہمارے سماج میں ایسی جو شکلیں ہوتی ہیں وہ سراسر شریعت کے خلاف

ہیں۔ باپ ہونے کی حیثیت سے اس پر اولاد کے لیے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ تمام اولاد کے لیے یکساں ہے۔

اولاد کو یکساں نہ دینے کے نقصانات

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وجہ بھی بتلائی کہ جب کوئی ماں باپ ایسا کرتے ہیں تو اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے:

(۱) ایک نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ اولاد کے اندر آپس میں بغض، کینہ اور حسد پیدا ہوتا ہے، اولاد میں سے جس کو نہیں دیا گیا ہے وہ اس کی دشمن بن جاتی ہے جس کو دیا گیا ہے، اور آئندہ چل کر اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ دو بھائیوں کے درمیان صلہ رحمی، اور حقوق کی ادائیگی کا جو معاملہ ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتا، اور مصیبت تو یہ ہے کہ اس کا ذریعہ بھی ماں باپ بنے، انہوں نے ہی ان کے درمیان ایسی شکل پیدا کردی، اگر ماں باپ کی طرف سے یہ معاملہ نہ ہوا ہوتا اور کسی ایک کو نہ دیا گیا ہوتا، تو ان کے آپس میں دشمنی پیدا نہ ہوتی۔ گویا قطع رحمی کا ذریعہ خود ماں باپ ہی بنے۔

(۲) دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اولاد میں سے جس کو نہیں دیا گیا وہ احساس کمتری کا شکار ہوتی ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ ہمارا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کوئی بھی ہماری خیر خبر لینے والا نہیں ہے۔ ہمارے ماں باپ کی ہم پر کوئی توجہ ہی نہیں ہے۔ وہ ہماری بھلائی نہیں چاہتے۔ اور اس کے نتیجہ میں ان کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں، ہمتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور ان کو اپنی لائن میں- چاہے پڑھنے پڑھانے میں لگی ہو، یا کاروبار و تجارت میں- جس نوع کی ترقی کرنی چاہیے وہ اسی کمزوری کی وجہ سے ترقی نہیں کر پاتی۔

(۳) تیسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ماں باپ کے متعلق نفرت

کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ جب ہمارے ابا نے باپ ہوتے ہوئے ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ دوسروں کو دیدیا اور ہمیں نہیں دیا؛ تو پھر ہم ان کی خدمت کیوں کریں؟ ہم کیوں ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئیں؟ اسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہاری تمام اولاد حسنِ سلوک کے معاملہ میں تمہارے ساتھ برابر ہو؟ تو پھر تم جو کرنے جارہے ہو اگر وہی کروگے، تو کبھی بھی وہ ہونے والا نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ماں باپ کی یہ حرکت بہت ساری خرابیوں کو جنم دینے والی ہے اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق تاکید فرمائی۔

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے والوں کے لیے ہدایات

اب ایک بات یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو دینا چاہتا ہے، جیسے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنی زندگی ہی میں اپنی جائیداد کو تقسیم کرنا چاہتا ہوں، اس لیے کہ پتہ نہیں میرے مرنے کے بعد کیا ہوگا! اگر آپ کو ایسا اندیشہ ہے تو تو پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد کو وصیت کرسکتے ہیں کہ مرے مرنے کے بعد میری جائیداد کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق تقسیم کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام کے حصے مقرر کئے جاچکے ہیں۔ پھر بھی آدمی اپنی زندگی ہی میں تقسیم کرنا چاہتا ہے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اس صورت میں تو لڑکے اور لڑکیاں دونوں کو برابر دینا چاہیے۔ بہت سے ماں باپ ایسا کرتے ہیں کہ لڑکوں کو دیتے ہیں اور لڑکیوں کو کچھ نہیں دیتے؛ یہ بالکل درست نہیں ہے۔ ہاں! میراث کے طور پر جو ملتا ہے وہ ہمارا دیا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے میراث کے حق کے طور پر

لڑکے کو ڈبل دیا اور لڑکی کو سنگل دیا۔ لیکن اگر کوئی آدمی زندگی میں باپ ہونے کی حیثیت سے دینا چاہیے گا تو وہ میراث نہیں ہے، اس لیے کہ آدمی جب تک زندہ ہے وہاں تک اس کی میراث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اپنی زندگی میں وہ خود اپنے مال و جائیداد اور دیگر چیزوں کا مالک ہے۔ اور اس صورت میں باپ کی طرف سے جو کچھ دیا جارہا ہے اس کو میراث کا نام دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ تو بخشش اور ہدیہ ہے۔ اور بخشش کے لیے شریعت کا یہی قانون ہے کہ اپنی سب اولاد کو یکساں دیا جائے، چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔

ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ لڑکیوں کو پہلے کچھ دے چکے ہیں، مثلاً: جس وقت لڑکیوں کا نکاح کرایا تھا تو ان کو زیورات اور جہیز کے طور پر کچھ مال سامان دیا تھا، تو اب برابری کرنے کے لیے اگر اتنی مقدار کم کر کے ان کو دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن بہر حال سب کو یکساں طور پر دینا چاہیے۔

مخصوص حالات میں کمی بیشی کی اجازت ہے

فطری کمزوری

اب اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ بالکل کمی بیشی کر ہی نہیں سکتے، بلکہ بعض مخصوص حالات میں مخصوص اسباب کی وجہ سے کمی بیشی کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً: کسی کے چار بیٹے ہیں، ان میں سے ایک بیٹا پیدائشی اور فطری طور پر کوئی بیماری لے کر آیا ہے جس کی وجہ سے اس کا جیسا نشوونما ہونا چاہیے تھا اور اس کی جیسی ترقی ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوئی، سمجھ بوجھ کم رکھتا ہے، دوسرے بچے تو کاروبار میں بہتر طریقے سے لگ

گئے اور سیٹ ہو چکے ہیں اور اس میں صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے اور اس کی نشو ونما کماحقہٗ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کمزور رہ گیا، تو اب آپ اس کی اس کمزوری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کو کچھ زیادہ دیں، تاکہ آئندہ چل کر وہ بھی کسی پریشانی کا شکار نہ ہو؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

دینی مشغولیت

یا اولاد میں سے کوئی بیٹا دین کے کسی کام میں لگا ہوا ہے، جیسے: آپ نے اپنے کسی بیٹے کو عالم بنایا، اب ظاہر ہے کہ اس کو پڑھانا آپ کے حق میں اسی وقت مفید ہوگا جب کہ یہ بچہ آگے چل کر پڑھائے، تب ہی تو وہ صدقۂ جاریہ بن سکتا ہے، اگر پڑھنے کے بعد وہ بھی تجارت میں لگ گیا تو پڑھانے کا مقصد کیا حاصل ہوگا؟ لہٰذا اس بیٹے نے پڑھنے کے بعد یہی سلسلہ جاری رکھا، اب ظاہر ہے کہ اسی لائن پر چلنے کے نتیجہ میں وہ آپ کے کاروبار میں ویسا حصہ نہیں لے پاتا جیسا آپ کے دوسرے بیٹے لیتے ہیں، جس کی وجہ سے اقتصادی طور پر مالی اعتبار سے دوسرے بیٹوں کے مقابلہ میں کمزور ہے، تو یہ دیکھتے ہوئے کہ آگے چل کر اس کی دینی خدمات کا سلسلہ قائم رہے، اس کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے اس کو کچھ زیادہ دیا جائے؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

ایک بیٹا تبلیغ میں لگا ہوا ہے اور اس نے اپنے آپ کو اسی کے لیے فارغ کر رکھا ہے، تو آپ اس کی اس مشغولی کی وجہ سے اور آگے چل کر اس کے لیے اس سلسلہ میں اور زیادہ تقویت ہو اس کے پیشِ نظر اس کو کچھ زیادہ دیتے ہیں؛ تو کوئی حرج کی بات نہیں ''بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ایسوں کو زیادہ دینا چاہیے''۔

دلی چاہت اور رائے

ایک مرتبہ مدرسوں کے جلسوں میں میرا افریقہ جانا ہوا تھا، تو وہاں کے لوگوں سے مَیں نے ایک بات کہی کہ آپ کے خاندان کے اندر اگر آپ کے بھائی نے تعلیم حاصل کی ہے، تو اب آپ اس کو مجبور نہ کیجئے کہ وہ بھی آپ کے کاروبار میں آپ کی طرح برابر کا حصہ لے۔ آپ نے تو یہ علم پڑھا نہیں، اس لیے آپ کو تو پورے طور پر کاروبار میں حصہ لینا ہے؛ لیکن اس نے تو دینی علم حاصل کیا ہے، اب اگر یہ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو اس کو اس کا موقعہ دیا جائے، اور آپ کی طرف سے اس کو فری ''Free'' کر دیا جائے۔ اس کو آپ ہی کی طرف سے یہ آفر ''Offer'' دیدی جائے کہ تم اپنے کام میں لگے رہو، اِدھر تجارت کی فکر نہ کرو، یہ سب ہم سنبھال رہے ہیں اور اس میں تمہارا شیئر ''Share'' اور حصہ رہے گا۔

یہ سوچ بالکل ہی غلط ہے

بہت سی مرتبہ ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ دینی کام کرنے والا بھائی تو کوئی کام کرتا ہی نہیں ہے، ہم ہی کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، اور ہم ہی محنت کرتے ہیں، وہ تو بس مفت کا کھاتا ہے۔ یہ سوچ بالکل ہی غلط ہے۔ ہمارے سامنے ایسے نمونے موجود ہیں۔ ایک مولوی صاحب ایک مدرسہ میں پڑھاتے تھے، ان کے بھائیوں نے ان کو مجبور کیا کہ تمہیں بھی ہمارے ساتھ دُکان پر لگنا ہی پڑے گا، وہ بے چارا میرے پاس آ کر رونے لگا اور نہایت ہی پریشان تھا۔ میں نے کہا: جب بھائی مانتے ہی نہیں تو پھر کیا کریں گے، تمہارے لیے گھر میں جھگڑا ہے۔ لہٰذا

اس کو پڑھانے کا سلسلہ ختم کر کے کاروبار میں لگنا پڑا۔

سوچو؛ کس کی ماننی چاہیے!

مَیں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ہم محنت کرتے ہیں تو یہ کھاتا ہے اور ہمارے ٹکڑوں پر پلتا ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’إِنَّكُمْ لَتُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ‘‘ یقیناً تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں روزی دی جاتی ہے تمہارے کمزوروں کی وجہ سے۔ کس کو کس کی وجہ سے روزی ملتی ہے اس کی ہم کوئی گارنٹی نہیں دے سکتے۔ دیکھنے میں یہی لگتا ہے کہ دُکان پر یہ بیٹھتا ہے، محنت یہ کرتا ہے، پیسے یہ کماتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں حقیقت یہ ہے کہ اِس کو جو کچھ مل رہا ہے، وہ اُس کی وجہ سے مل رہا ہے جو گھر میں بیٹھا ہوا ہے۔

اب دنیا یہ کہتی ہے اور یہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ مَیں کما رہا ہوں، اور میری وجہ سے روزی مل رہی ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ وہ جو بیٹھا ہوا ہے اُس کی وجہ سے اِسے روزی مل رہی ہے۔ اب سوچو کہ کس کی بات سچی مانی جائے؟ ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر ہمیں ایمان رکھنا چاہیے۔

کون سی کمائی عمدہ ہے!

اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ جس طرح اپنی کمائی میں سے اس کو حصہ دے رہے ہیں؛ اسی طرح وہ بھی تو جو کچھ کما رہا ہے اس میں آپ کا حصہ لگ رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سی کمائی عمدہ ہے! آپ جو کما رہے ہیں وہ دنیا کی کمائی ہے، اور وہ جو کما رہا ہے وہ آخرت کی کمائی ہے۔ اب اگر آخرت کی کمائی میں آپ کا حصہ لگ جائے؛

تو آپ کے لیے اس سے بڑی سعادت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے!

خلاصۂ کلام

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ’’اولاد کو دینے کے سلسلہ میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برابری کا جو حکم دیا ہے اس میں کسی خارجی سبب کی وجہ سے اولاد میں سے کسی ایک کو زیادہ دیا جائے؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ وہ وجہ شرعی اور معقول ہونی چاہیے۔ کسی اولاد کو دانستہ طور پر نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو۔‘‘

تحریم إحداد المرأة على ميت فوق ثلاثة أيام إلا على زوجها أربعة أشهر وعشرة أيام

کسی عورت کا کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا (ترکِ زینت کرنا) حرام ہے، سوائے شوہر کے؛ شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن (ترک زینت کرکے) سوگ منانے کی اجازت ہے

''احداد'' یعنی سوگ منانا یعنی ترکِ زینت کرنا۔ کسی کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو اس کے لیے شریعت نے چار مہینے دس دن متعین کیے ہیں کہ ان دنوں میں وہ گھر سے باہر نہ نکلنے کے ساتھ ساتھ زینت والے رنگین کپڑے نہیں پہنے گی، خوشبو اور سرمہ، پاؤڈر اور کریم اور ایسی تمام چیزیں جو زینت کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں؛ ان کا استعمال نہیں کرے گی، جیسے: زیورات وغیرہ۔ گویا زینت چھوڑنے کا نام ''سوگ منانا'' ہے۔

سوگ منانے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حکم عورتوں ہی کے لیے خاص ہے، یعنی عورتیں ہی سوگ منائیں گی اور زینت نہیں کریں گی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ شوہر کے معاملے میں چار مہینے دس دن سوگ منانے کا حکم ہے، اس کے علاوہ کسی اور رشتہ دار کے انتقال پر تین دن تک کا حکم ہے، اس سے زیادہ سوگ منانے کی کسی حال میں اجازت نہیں، اگر کوئی ایسا کرے گی تو اس پر وعید

آئی ہے۔

اور اگر وہ نکاح والی عورت ہے اور اس کا شوہر زینت چھوڑنے سے اس کو منع کرتا ہے، تو اس صورت میں کسی اور رشتہ دار پر بھی ترکِ زینت کی اجازت نہیں ہوگی، اس کو شوہر کی بات ماننی پڑے گی۔

سوگ منانے میں ہمارے معاشرہ کا طرز

اب ہمارے یہاں کیا ہوتا ہے؟ سوگ منانا عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں نے بھی شروع کر دیا۔ اور پھر یہ سوگ تین دن نہیں چلتا، بلکہ بہت لمبا چلتا ہے۔ ہمارے معاشرہ میں کیا ہوتا ہے؟ مثلاً: کسی کا انتقال ربیع الاول میں ہوا ہے، اس کے سات مہینے کے بعد رمضان عید آئی تو گھر والے کہتے ہیں کہ اس سال ہم نئے کپڑے نہیں سلائیں گے، اور ہمارے یہاں کھانا نہیں پکے گا۔ یہ سب ہمارے سماج و معاشرہ میں ہو رہا ہے، حالاں کہ ایسا سوگ منانا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ سوگ منانے کا حکم حدیث میں مخصوص لوگوں کے لیے اور مخصوص دنوں کے ساتھ دیا گیا ہے۔

اور عورت کو بھی سوگ منانا صرف ترکِ زینت میں ہے، اگر کوئی عورت سوگ منانے میں بھوکی رہے گی؛ تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ شریعت نے جو طریقہ اور جتنا طریقہ اور جس کے لیے بتایا ہے؛ وہیں تک محدود رہے گا، اس کے آگے جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے وہ سب شریعت کے طریقے سے ہٹ کر ہے، اور ناجائز ہے۔

تعزیت بھی تین دن تک ہی ہو سکتی ہے

تعزیت کے لیے بھی شریعت نے تین دن کا وقت مقرر کیا ہے، اور جو لوگ

جنازہ میں گئے ہیں ان کو بھی کہا گیا ہے کہ تدفین کے بعد مل کر وہاں سے چلے جاؤ، وہاں زیادہ نہ ٹھہرو۔ اور تین دن کے بعد اگر کوئی آدمی سفر سے آیا تو وہ تعزیت کر سکتا ہے؛ لیکن جو لوگ یہیں موجود تھے وہ تین دن کے بعد تعزیت نہیں کر سکتے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کسی کے یہاں ربیع الاول میں انتقال ہوا، اس کے سات مہینے کے بعد عید آئی تو لوگ اس کے گھر تعزیت کے لیے جاتے ہیں۔ ہمارے سماج و معاشرہ میں یہ بھی ہو رہا ہے جو بالکل درست نہیں ہے۔ شریعت کے احکام کے خلاف ہے۔ اس کا خیال رکھا جائے۔

حضرات اُمہات المؤمنین اور صحابیات نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کے معاملہ میں کیسی پکی تھیں، وہ آگے آنے والے واقعات سے پتہ چلے گا۔

حضرات اُمہات المؤمنین کا طرزِ عمل

۱۷۷۴:- عن زینب بنتِ أبي سلمة رضی اللہ عنهما قالت: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ رضیَ اللہُ عنها، زَوجِ النَّبِيِّ -ﷺ- حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بن حرب -رضی اللہ عنه-، فَدَعَتْ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٍ أَوْ غَيْرِهِ، فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً، ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ: واللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رسولَ اللهِ -ﷺ- يقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: ((لا يَحِلُّ لامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ على مَيِّتٍ فَوقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ، إلاَّ عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً)).

قَالَتْ زَيْنَبُ: ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رضی اللہُ عنها حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا، فَدَعَتْ بِطِيبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ ثُمَّ قَالَتْ: أَمَا وَاللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -ﷺ- يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: ((لا يَحِلُّ لامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ على مَيِّتٍ فَوقَ ثَلاَثٍ، إلاَّ عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ

أَشْهُرٍ وَعَشْراً)). (متفق علیه)

ترجمہ:- حضرت زینت بنت ابی سلمہؓ (جو اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کے اگلے شوہر حضرت ابوسلمہ کی بیٹی ہیں، انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پرورش پائی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربیبہ ہیں) فرماتی ہیں کہ میں اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ کے پاس حاضر ہوئی جس زمانہ میں ان کے والد حضرت ابوسفیان بن حربؓ کا انتقال ہوا تھا (ان کا انتقال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا تھا) اس وقت انہوں نے ایک خوشبو منگوائی جس میں پیلا پن تھا، اور وہ اپنے ہاتھوں میں لے کر ایک بچی کو لگائی اور پھر جو اثر اپنے ہاتھوں پر رہا اس کو اپنے گالوں پر پھیر لیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (یعنی اس وقت مَیں عمر کی جس منزل میں ہوں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں تو میرے دل میں خوشبو لگانے کی کوئی خواہش اور شوق نہیں ہے، پھر بھی میں نے اپنے رخسار پر خوشبو لگائی اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ) میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو عورت اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کے انتقال پر تین دن سے زیادہ زینت کرنا چھوڑ دے، سوائے شوہر کے انتقال پر کہ؛ اس کے لیے عورت چار مہینے دس دن سوگ منائے گی۔

یہی حضرت زینت بنت ابوسلمہؓ فرماتی ہیں: اس کے بعد (کسی اور دن کا واقعہ ہے کہ) مَیں اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئی جس زمانہ میں ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا، انہوں نے بھی خوشبو منگوا کر اس میں سے کچھ اپنے اوپر لگائی، اس کے بعد فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور شوق بھی نہیں، مگر یہ کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو عورت اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کے انتقال پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے،

سوائے شوہر کے انتقال پر کہ؛اس کے لیے عورت چار مہینے دس دن سوگ منائے گی۔

روایت کے اسباق

افادات: (۱)''**خَلُوق**''ایک مخصوص قسم کی خوشبو ہوتی ہے جو اس زمانہ میں عورتیں اپنے استعمال کے لیے تیار کرتی تھیں،جس میں زعفران کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ملائی جاتی تھی؛لیکن بڑا حصہ زعفران کا ہوتا تھا اس لیے وہ پیلے رنگ کی ہوتی تھی،اور وہ عورتوں کی مخصوص خوشبو سمجھی جاتی تھی،مرد اس کو استعمال نہیں کرتے تھے۔

(۲) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے تین بھائی تھے:

(الف) ایک تو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے،یہاں وہ مراد نہیں ہیں،اس لیے کہ جس زمانہ میں غزوۂ اُحد پیش آیا تھا اس وقت حضرت زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کی عمر بہت کم تھی۔

(ب) دوسرے بھائی عبیداللہ بن جحش تھے۔یہ وہی ہیں جن کے نکاح میں پہلے حضرت اِم حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں،یہ دونوں ایمان لائے تھے اور دونوں ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے اور وہیں قیام کے زمانہ میں عبیداللہ نے اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت اختیار کر لی تھی،اور بعد میں اسی حالت میں ان کی موت ہوئی۔بعد میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔نجاشی نے نکاح پڑھایا اور انہوں نے ہی مہر ادا کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے چھوارے بھی تقسیم کئے تھے۔

(ج) ان کے تیسرے بھائی ابواحمد تھے۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جن کے انتقال کا اس روایت میں تذکرہ ہے،وہ یہی ابواحمد ہیں۔

یہی جذبہ مطلوب ہے

(۳) دیکھیے! ان دونوں اُمہات المؤمنین نے اس ارشاد پر عمل کا کتنا زیادہ اہتمام فرمایا۔ چوں کہ قریبی زمانہ میں ایک کے والد کا اور دوسروں کے بھائی کا انتقال ہوا تھا، اور تین دن پورے ہو گئے تھے، ان کو خوشبو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی، پھر بھی قصداً خوشبو منگوا کر استعمال فرمائی، تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ خوشبو اس لیے نہیں لگا رہی ہیں کہ ان کے رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر عمل کا اہتمام! جب تک کہ یہ کیفیت اور جذبہ ہمارے اندر پیدا نہ ہو وہاں تک وہ برکات ہمیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کی طرف توجہ کی جائے۔

باب تحريم بيع الحاضر للبادي وتلقي الركبان والبيع على بيع أخيه والخِطبة على خطبته إلا أنْ يأذن أو يردّ

شہر کے رہنے والے کا دیہاتی کے لیے فروختگی کا معاملہ کرنا اور جو قافلے مال لے کر شہر میں بیچنے کے لیے آرہے ہوں ان سے شہر سے باہر بالا ہی بالا سودا کر لینا اور اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرنا اور کسی کے پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح دینا ان سب باتوں کی ممانعت

خرید وفروخت سے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ ہدایتیں ارشاد فرمائی ہیں یہاں ان کو بتلاتے ہیں۔

جو عنوان قائم کیا ہے اس میں پہلی بات یہ ہے کہ دیہات سے جو لوگ مال بیچنے کے لیے شہر میں آتے ہیں ان سے کوئی شہری یوں کہے کہ: تم اپنا سارا مال میرے پاس رکھ دو، جب بھاؤ اچھا ہوگا تو میں اس کو بیچ دوں گا۔ یعنی شہری کا اس کے لیے دلال بن جانے اور بھاؤ بڑھنے تک اس مال کو روکے رکھنے سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اگلی روایت میں اس ممانعت کی وجہ بھی آرہی ہے۔

۱۷۷۵:- عن أنس - رضی الله عنه - قالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ -ﷺ- أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وإِنْ كَانَ أَخَاهُ لأَبِيهِ وَأُمِّهِ. (متفق علیه)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شہری کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی دیہاتی سے اس کا مال فروخت کرنے کا معاملہ کرے، چاہے وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

افادات:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے جو آگے آرہی ہے کہ "وَلاَ يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ" کوئی شہری آدمی کسی دیہاتی کے لیے اس کے مال کو بیچنے کا معاملہ نہ کرے۔ گویا یہ شہری اس دیہاتی کا آڑتی نہ بن جائے، اسی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "لاَ يَكُونُ لَهُ سِمْسَاراً" اس کا دلال نہ بن جائے۔

اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ جیسا اس حدیث میں دیہاتی کا تذکرہ ہے اور دوسری روایتوں میں تو اس بات کی صراحت بھی ہے کہ دیہات کا رہنے والا جب اپنا مال لے کر شہر میں بیچنے کے لیے آئے گا تو ایک تو وہ اپنا ایک نظام الاوقات بنا کر آئے گا کہ صبح جا کر شام کو واپس لوٹنا ہے، اس کی طبیعت پر یہ تقاضہ ہوگا کہ جلدی سے میرا مال بک جائے تو میں اپنے گھر لوٹ جاؤں۔ اور ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی مال لے کر

بازار میں آتا ہے تو وہ نقصان کے ساتھ نہیں بیچتا۔ تو یہ دیہاتی بھی جو اپنا مال لے کر آیا ہے اس میں وہ اپنا نفع رکھ کر بیچے گا، اور ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنی واپسی کے لیے جو نظام بنایا ہے اس کو بھی ملحوظ رکھے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جلدی سے فارغ ہونے کے لیے وہ لوگوں سے زیادہ قیمت نہیں مانگے گا، بلکہ ایک معتدل اور مناسب قیمت لگا کر وہ مال بیچ دے گا۔ اس کا فائدہ خریداروں کو یہ ہوگا کہ زیادہ دام نہ لینے کی وجہ سے ان کو آسانی ہوجائے گی۔ اسی لیے ایک روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: چھوڑ دو! اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے روزی دیتا ہے۔

اب اگر دیہاتی کے پاس سے یہ مال مقامی شہری آدمی لے لے، تو ظاہر ہے کہ اس کو تو واپسی کی جلدی ہے نہیں، وہ تو اس مال کو اپنے گودام میں رکھ دے گا اور اس بات کا انتظار کرے گا کہ جب بھاؤ بڑھیں گے تب میں اس کو بیچوں گا تاکہ نفع زیادہ ہو، تو اس کے اس طریقے کو اختیار کرنے کی وجہ سے خریدنے والوں کو براہِ راست دیہاتی سے خریدنے میں جو سہولت و آسانی تھی، اور وہی مال ان کو کم قیمت میں مل جایا کرتا تھا، وہ سہولت باقی نہیں رہی؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

لیکن اگر کوئی شہری کسی دیہاتی کا دلال بنتا تو ہے لیکن اس کی وجہ سے مقامی خریداروں کے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی؛ تو اس کی گنجائش بھی ہے۔ گویا ممانعت کی جو علت تھی وہ باقی نہیں رہتی تو اس صورت میں احناف کے یہاں اس کی اجازت ہے۔

”غَرَر“ اور ”ضَرَر“

۱۷۷۶:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ:
((لَا تَتَلَقَّوُا السِّلَعَ، حَتّٰى يُهْبَطَ بِهَا إِلَى الْأَسْوَاقِ)). (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو قافلے سامان لے کر باہر سے شہر میں فروخت کرنے کے لیے آتے ہیں، ان سے شہر سے باہر جاکر سامان خرید مت لیا کرو، جب وہ بازار میں آجائیں تب خریدو۔

افادات:۔ پہلے زمانہ میں باہر کے قافلے سامان لے کر شہر میں فروخت کرنے کے لیے آیا کرتے تھے تو شہر کے لوگ باہر جاکر ہی وہ تمام تجارتی سامان کا سودا کرلیا کرتے تھے، اس سے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ اس سے منع کرنے کی دو وجہیں ہیں:۔

(۱) ایک تو یہ ہے کہ ایسا کرنے میں ان قافلے والوں کے ساتھ دھوکہ دہی بہت ہوتی ہے، وہ اس طرح سے کہ یہ سامان خریدنے کے لیے شہر سے باہر جانے والا اس قافلے والوں سے اس سامان کا شہر میں جو بھاؤ چل رہا ہے وہ چھپاتا ہے، مثلاً: شہر میں اس سامان کا پانچ روپے کا بھاؤ چل رہا ہے، اور وہ قافلے والوں کو بتلاتا ہے کہ چار کا بھاؤ چل رہا ہے، اور اس طرح ان سے وہ مال چار میں خرید لیتا ہے۔ اب ان قافلے والوں کو تو بعد میں پتہ چلے گا کہ وہ سامان بازار میں پانچ میں بک رہا ہے۔ تو شہر سے باہر جاکر قافلہ والوں کو شہر کے بھاؤ اور ریٹ سے اندھیرے اور غفلت میں رکھ کر ان سے فائدہ اٹھایا جو دھوکہ کی شکل ہے۔ گویا اس میں ''غُرَرْ'' ہے، اس لیے اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

(۲) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ آدمی قافلہ والوں سے خرید کر شہر میں نہیں بیچتا، حالاں کہ شہر میں اس سامان کی تنگی ہوتی ہے، اور لوگوں کو اس سامان کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کہ اس سامان کی تنگی اور زیادہ ہو، یہاں تک کہ جب اس کے بھاؤ خوب اونچے چڑھ جائیں تب بیچوں۔ تو ایسا کرنے کی وجہ سے شہر والوں کے

لیے نقصان ہوا، تو گویا اس میں ''ضَرَرْ'' ہے۔ اگر یہ باہر جا کر اس سامان کو نہ خریدتا، تو قافلے والے خود بازار میں آتے اور خریدنے والوں سے سودا کر کے بیچتے؛ تو شہر والوں کے دشواری پیش نہ آتی۔

پھر تو حرج نہیں

گویا اس میں یا تو ''غُرَر'' یعنی دھوکہ ہے، یا ''ضَرَر'' یعنی نقصان ہے، اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ لیکن ممانعت کی دونوں علتیں اگر نہ پائی جائیں، یعنی قافلہ والوں سے شہر کا بھاؤ چھپایا نہیں، بلکہ صحیح ریٹ بتلا کر ان سے سودا کیا، اور پھر شہر میں لا کر تنگی پیدا نہیں کی، بلکہ اپنا معمولی نفع رکھ کر اس سامان کو بیچ دیا، گویا نہ قافلہ والوں کو دھوکہ دیا اور نہ شہر والوں کو نقصان پہنچایا؛ تو اس صورت میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ایجنٹ اور دلال نہ بنے

۱۷۷۷:- وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قالَ رسُولُ الله ﷺ: ((لاَتَتَلَقَّوْا الرُّكْبَانَ، وَلاَيَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ)) فقالَ لَهُ طَاؤسٌ: مَا: لاَيَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ؟ قال: لاَيَكُونُ لَهُ سِمْسَاراً. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قافلہ والوں کے پاس پہلے سے جا کر مال نہ لو، اور کوئی شہر کا رہنے والا کسی دیہاتی کے لیے مال کی خرید وفروخت نہ کرے۔ تو ان کے شاگرد امام طاؤس نے اپنے استاذ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کوئی شہر کا رہنے والا کسی دیہاتی کے لیے مال نہ بیچے'' اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: وہ اس کا ایجنٹ اور دلال نہ بنے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں کسی ایک فریق کو نقصان ہوتا ہو، تب تو یہ حکم ہے؛ ورنہ گنجائش ہے۔

کسی بھی طرح نقصان پہنچانے سے منع فرمایا

۱۷۷۸:-وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نَهَى رسولُ الله ﷺ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلاَ تَنَاجَشُوا، وَلاَ يَبِيعِ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلاَ يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ، وَلاَ تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلاَقَ أُخْتِهَا لِتَكْفَأَ مَا فِي إِنَائِهَا.

وفي رواية قال: نَهَى رَسُولُ الله ﷺ عَنِ التَّلَقِّي، وَأَنْ يَبْتَاعَ الْمُهَاجِرُ لِلأَعْرَابِيِّ، وَأَنْ تَشْتَرِطَ الْمَرْأَةُ طَلاَقَ أُخْتِهَا، وأَنْ يَسْتَامَ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ، وَنَهَى عَنِ النَّجْشِ وَالتَّصْرِيَةِ. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شہر کا رہنے والا کسی دیہاتی کے لیے مال بیچے۔ اور اگر خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو قیمت میں اضافہ مت کرو۔ اور کوئی اپنے بھائی کے بیچنے پر نہ بیچے (بیع پر بیع نہ کرے) اور اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام نہ دے۔ اور کوئی مسلمان عورت اپنی مسلمان بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے، تاکہ اس کے برتن میں جو کچھ ہے وہ اپنے برتن میں انڈیل لے۔

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قافلے والے باہر سے جو سامانِ تجارت لے کر آتے ہیں ان سے شہر کے باہر ملاقات کر کے سامان خریدنے سے منع فرمایا۔ اور مہاجر (یعنی شہر کے اندر رہنے والا) دیہاتی کے لیے بیچنے کا معاملہ کرے اس سے بھی منع فرمایا (جیسا کہ اوپر آ گیا) اور کوئی عورت اپنی مسلمان بہن کی طلاق کی شرط لگائے اس سے بھی منع فرمایا، کوئی آدمی اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرے اس سے بھی منع فرمایا۔ اور خریدنے کا ارادہ نہ ہو پھر

بھی قیمت بڑھانے کے لیے بولی لگانے سے بھی، اور دودھ روک لینا تاکہ گاہک زیادہ دودھ نکلتا دیکھ کر خرید لے؛ اس سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا (اس کا مطلب آگے بتلاتا ہوں)

افادات:۔ ''نجش'' یعنی نیلام۔ مثلاً: کہیں نیلام سے مال بک رہا ہو تو اس میں یہی ہوتا ہے کہ لوگ اپنا اپنا بھاؤ پیش کرتے ہیں، ایک نے دس کا بھاؤ دیا، دوسرا اس کے مقابلہ میں پندرہ کہتا ہے، پھر یہ بڑھاتا ہے کہ میں بیس دوں گا، اور جو آدمی زیادہ بھاؤ دیتا ہے اسی کے ہاتھوں میں وہ مال فروخت ہوتا ہے۔ اب ایک آدمی بھاؤ بڑھاتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے تاجر جو یہ مال لینے آئے ہیں وہ اس مال کا بھاؤ بڑھائیں؛ لیکن اس کا اپنا ارادہ اس سامان کے خریدنے کا نہیں ہے، تو دوسرے خریداروں کو بھاؤ بڑھا کر کہنے کے لیے مجبور کرنے کی وجہ سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کو ''نجش'' کہتے ہیں۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، اس لیے کہ اس میں اپنے بھائیوں کو نقصان پہنچانا ہے۔

''رِنگ (Ring) بنانا'' کیسا ہے؟

لیکن علماء نے لکھا ہے کہ جو آدمی سامان نیلام کر رہا ہے، اس سامان کا خریدنے والے اتنا بھاؤ بھی نہیں بول رہے ہیں جو اس سامان کا عام بھاؤ ہوتا ہے، اس صورت میں چاہے خریدنے کا ارادہ نہ ہو تب بھی اس مال کی قیمت اتنی بڑھا سکتا ہے جس سے بائع کو اس مال کی پوری قیمت مل جائے۔ مثلاً: اس سامان کا عام بھاؤ پانچ سو روپے ہے، جب وہ سامان نیلام کے لیے پیش کیا گیا تو خریدنے آنے والے اس کا بھاؤ چار سو، ساڑھے چار سو بول رہے ہیں، کوئی اس سے آگے بڑھتا ہی نہیں۔

آج کل ایسا بہت ہو رہا ہے، ایک مرتبہ گودھرا سے ہمارے یہاں دارالافتاء

میں سوال آیا تھا کہ ''رنگ بنا کر سامان خریدنا کیسا ہے؟'' ہم نے کہا کہ ''رنگ بنانا'' کیا ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آیا، تب انہوں نے یہ شکل بتائی کہ سرکاری لکڑیوں کا (ج آ ٹھ) لوٹ (جتھا) خریدنے جاتے ہیں تو تمام بیوپاری آپس میں سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ دیکھو! یہ آدمی خریدے گا اور اتنے میں خریدے گا، دوسرے کوئی بھی اس سے زیادہ قیمت نہیں بولیں گے، اس طرح وہ خرید لیتے ہیں اس کے بعد اس کا دوبارہ سودا کرتے ہیں اور جو زائد رقم آتی ہے وہ آپس میں بانٹ لیتے ہیں، اس کو ''رنگ بنانا'' بولتے ہیں۔ اور یہاں خریدنے والے سمجھوتہ اس لیے کر رہے ہیں تا کہ بائع کو اپنے مال کی قیمت پوری نہ ملے۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی یہ دیکھ رہا ہے کہ خریدنے والے اس طرح سمجھوتہ کر کے اور رنگ بنا کر بائع کو نقصان میں ڈالنا چاہتے ہیں، اس لیے وہ آدمی قیمت بڑھا کر بولتا ہے جس سے بائع کو اس مال کی پوری قیمت مل جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اس صورت میں قیمت بڑھانے کو منع نہیں کیا گیا۔ اور اگر اس کا ارادہ خریدنے کا ہے اور بھاؤ بڑھاتا ہے؛ تب تو کوئی حرج کی بات ہے ہی نہیں۔

بھاؤ بڑھانے کی دو شکلیں

اب بھاؤ بڑھانے کی دو شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے مالک کو پتہ نہیں اور کوئی دوسرا اس مال کی قیمت بڑھا رہا ہے، اس صورت میں مالک گنہ گار نہیں ہے، وہ بڑھانے والا گنہگار ہوگا۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ مالک نے ہی اپنے گُرگے چھوڑ رکھے ہیں جو مجمع میں گھس کر بھاؤ بڑھاتے ہیں، جیسے: فٹ پاتھ پر کٹ پیس اور لوٹ شوٹ کی دکانیں لگتی ہیں، جس میں عام طور پر مالک ہی ایسے لوگوں کو چھوڑ رکھتا ہے کہ میں ایک بھاؤ بولوں تو دوسرا اس سے بڑھا کر بولے، تا کہ باہر سے کوئی خریدار آیا ہو وہ اس میں پھنس جائے؛

اس صورت میں دونوں گنہگار رہوں گے۔

اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے

''کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے'' اس کی شکل یہ ہے کہ ایک آدمی کو کسی چیز کی ضرورت تھی، اس نے وہ خریدی، اور خریدنے والے نے اپنے لیے اختیار بھی رکھا تو شریعت کی طرف سے یہ بھی ایک سہولت اور فیسلیٹی دی گئی ہے۔ مثلاً: مجھے ایک گھڑی کی ضرورت تھی اور میں نے فلاں کے پاس سے دوسو روپے میں خریدی اور ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی کہا کہ مجھے تین دن کا اختیار ہے، اگر اس دوران میں چاہوں گا تو اس سودے کو کینسل کروں گا۔ یہ خیارِ شرط کہلاتا ہے، اور شریعت میں اس کی اجازت ہے۔ اب میں نے خیارِ شرط کے ساتھ یہ گھڑی خریدی ہے اس کا آپ کو پتہ ہے تو آپ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ: آپ یہ گھڑی کتنے میں لائے؟ میں نے کہا: دوسو روپے میں لایا۔ تو آپ کہتے ہیں کہ آپ اس کو واپس کر دو، ایسی ہی گھڑی میرے پاس ہے، اور میں آپ کو وہ ڈیڑھ سو میں دیتا ہوں۔ یہ ایک کی بیع پر بیع کرنا ہوا۔ اگر میں نے خیارِ شرط نہ رکھا ہوتا تو پھر میں یہ سودا کینسل نہیں کرسکتا تھا؛ لیکن چوں کہ میں نے اختیار رکھا ہے اس لیے سودا کینسل کرسکتا ہوں اور میرے اس معاملہ کا آپ کو پتہ ہے اس لیے آپ مجھے ایسا کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں؛ تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ بیع پر بیع کرنے کی شکل یہی ہے۔

اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ کرے

دوسری شکل یہ ہے کہ ابھی پکا سودا نہیں ہوا تھا، صرف بھاؤ تال چل رہا تھا، یہ

آگے آ رہا ہے ’’عَلٰى سَوْمِ أَخِيهِ‘‘ یعنی بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ کرے، اس لیے بعض علماء نے بیع پر بیع کا مطلب یہ بھی بتلایا ہے کہ میں نے ابھی سودا پکا نہیں کیا تھا، ابھی تو بات چیت چل رہی ہے، مثلاً: میں نے پوچھا: یہ گھڑی کتنے میں بیچو گے؟ دوسرے نے کہا کہ: ڈھائی سو میں دوں گا، میں نے کہا: ڈھائی سو نہیں، بلکہ کم کرو، یہاں تک کہ دوسو پر بھاؤ پہنچا، آپ یہ سارا معاملہ دیکھ رہے ہیں اور آپ نے اندازہ کرلیا کہ میں دوسو میں خریدنے والا ہوں، میرا رجحان بھی ہو چلا تھا اور میری طبیعت دوسو پر آ چکی تھی اور میں خریدنے کے لیے گویا آمادہ تھا ہی، اور آپ نے بیچ میں یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ یہ مت لو، میں آپ کو ایسی ہی گھڑی ڈیڑھ سو میں دیتا ہوں۔ تو یہ اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرنا ہوا، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

ہاں! اس کی اجازت ہے

لیکن بھاؤ تال کرنے والے ابھی کسی ایک بات پر جمے نہیں ہیں، ابھی تو بھاؤ تال ہی چل رہا ہے، دونوں کا سودا نہیں ہوا ہے، یا دونوں کسی ایک بات پر جمے نہیں ہیں، اس سے پہلے دوسرا آدمی دخل دینا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

خریدنے پر خریدنا بھی ممنوع ہے

اور جس طرح بیع پر بیع کرنا ممنوع ہے، اسی طرح خریدنے پر خریدنا بھی ممنوع ہے۔ جیسے: میں کسی کے پاس سے گھڑی دوسو میں خرید رہا ہوں اور آپ آ کر کہتے ہیں کہ میں یہ گھڑی سوا دوسو میں خریدتا ہوں، حالاں کہ وہ دوسو میں دینے کے لیے تیار ہو گیا تھا، اور بات فائنل ہونے والی تھی کہ آپ نے بیچ میں کود کر میرے دوسو والے معاملہ کو

رکوادیا؛ یہ بھی ممنوع ہے۔آج کل زمینوں کے معاملہ میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ بات چیت طے ہونے والی ہوتی ہے اور دوسرے کو پتہ چلتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ پانچ لاکھ دیتا ہے، لو! میں آٹھ لاکھ دیتا ہوں؛ یہ جائز نہیں ہے۔ بلکہ زمینوں میں تو سودا ہو چکنے کے بعد بھی لوگ پھر جاتے ہیں؛ یہ تو بالکل جائز نہیں ہے۔ایسا کرکے وہ گنہگار ہوتے ہیں۔

پیغامِ نکاح پر پیغام دینے کی شکلیں

پیغام پر پیغام دینے کی کئی شکلیں ہیں اور ان کے احکام بھی الگ ہیں:

پیغامِ نکاح کی ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ ابھی تو صرف پیغام وہاں بھیجا گیا، گھر والے ابھی تحقیق کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے دل میں کوئی معاملہ پکا سوچا نہیں ہے؛ اس صورت میں تو دوسرے کو بھی گنجائش ہے کہ وہاں پیغامِ نکاح بھیجے۔ایک نے بھیجا، دوسرے نے بھی بھیجا، تیسرے نے بھی بھیجا، اب وہ جہاں جی چاہے رشتہ کرے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ ایک آدمی نے پیغام بھیجا، اور لڑکی والوں نے اس کے متعلق پوری تحقیق کرلی اور ان کو اطمینان ہو گیا، اندرونی طور پر معاملہ طے ہو گیا، اب وہ بالکل تیار ہیں کہ کل ہاں کہلوا دیں گے، اور رات میں کوئی بیچ میں کودا، اور اس نے کہا کہ ہمارے یہاں سے بھی اس کے لیے رشتہ ہے؛ تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ رشتہ طے ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ایسا کہہ کر تڑوا دیتے ہیں کہ اس سے اچھا رشتہ دلواتا ہوں۔ یہ چیزیں آپس میں نفرت اور عداوت پیدا کروانے والی ہیں۔اسلامی تعلیمات تو یہ ہیں کہ ''لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَنَافَرُوا، وَلَا تَدَابَرُوا'' آپس میں بغض نہ رکھو، نفرت نہ رکھو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو۔ اب ہم خود ہی ایسی حرکتیں کریں جس کے نتیجہ میں آپس میں نفرتیں اور دشمنیاں پیدا

ہوں؛ تو ایسی شکلوں کی شریعت کبھی بھی اجازت نہیں دے گی۔

طلاق کا مطالبہ نہ کرے

''طلاق کا مطالبہ نہ کرے'' اس کی بھی دو شکلیں ہیں، ایک تو یہ کہ ایک عورت کسی کے نکاح میں پہلے سے موجود ہے، اب وہ مرد کسی دوسری عورت سے بھی نکاح کرنا چاہتا ہے، اور اس نے اس دوسری عورت سے کہا کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، تو اس عورت نے یہ شرط لگائی کہ تمہارے نکاح میں جو عورت پہلے سے ہے اس کو چلتی کرو، تب ہی میں تمہارے نکاح میں آسکتی ہوں۔ گویا اس نے سوچا کہ وہ اگر رہے گی تو اس کا حصہ رہے گا، اور اگر وہ نہیں رہی تو اس کے پورے حصے کی مَیں اکیلی مالک بن جاؤں گی

دوسری شکل یہ ہے کہ پہلے سے ایک عورت نکاح میں تھی، اور اس مرد نے دوسرا نکاح کیا، تو اس نے دھیرے دھیرے اس کے دل پر قبضہ جمایا اور اب اصرار کر رہی ہے کہ اس کو چلتا کرو؛ تو ان دونوں سے ممانعت کی گئی ہے۔

اس کے لیے وہی ہے جو اس کی قسمت میں لکھا ہے

دوسری روایت میں ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی موقعہ پر فرمایا: اس کے لیے تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھا ہے(۱)۔ یعنی وہ یہ سمجھتی ہو کہ اس کو چلتا کرواؤں گی تو میرا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، تو اس کا یہ سمجھنا درست نہیں۔ اس لیے کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی مسلمان بہن کو طلاق دلوا کر رخصت کرواتی ہے، اس کے باوجود بھی اس کے شوہر کا دل اس پر پورا نہیں آتا۔ گویا اس نے جو سوچا تھا کہ اس کو

---

(۱) لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَإِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (بخاری شریف)

چلتا کروا کر اس کے دل پر میں قابض ہو جاؤں گی، وہ اپنی اس اسکیم میں کامیاب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہارے لیے جو لکھا گیا ہے اس میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے، اس لیے یہ سوچنا کہ اس کی محبت کا حصہ بھی مجھے ملے؛ یہ درست نہیں ہے۔

یہ بھی دھوکہ کی ایک شکل ہے

''تَصْرِیَہ'' یعنی دودھ والا جانور جب بیچنے کا ارادہ ہوتا تو اس کا مالک ایسا کرتا تھا کہ جب خبر ملتی کہ کل صبح میں گاہک آنے والا ہے تو آج شام کے وقت اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا، تاکہ کل صبح جب گاہک آئے گا اور اس کے سامنے دوہیں گے تو دودھ زیادہ نکلے گا۔ ویسے تو روزانہ ایک وقت دو لیٹر دودھ دیتی ہے؛ لیکن آج گاہک دیکھے گا کہ چار لیٹر دودھ نکلا، تو وہ سمجھے گا کہ یہ روزانہ ایک وقت چار لیٹر دودھ دیتی ہے، اور یہ سمجھ کر وہ خرید لے گا، اس کو ''تَصْرِیَہ'' کہتے ہیں۔ اس سے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، اس لیے کہ یہ بھی دھوکہ کی ایک شکل ہے۔

اگر وہ خود اجازت دے تو......

۱۷۷۹:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنَّ رسولَ اللہ ﷺ قال: ((لاَ یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلَی بَیْعِ بَعْضٍ، وَلاَ یَخْطُبْ عَلَی خِطْبَۃِ أَخِیہِ إلاَّ أَنْ یَأْذَنَ لَہُ)).

(متفق علیہ، وھذا لفظ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے، اور اپنے بھائی کے رشتہ پر رشتہ نہ بھیجے؛ مگر یہ

کہ وہ خود اجازت دے۔

افادات:۔ مطلب یہ ہے کہ جس کے رشتہ کی بات ہو رہی تھی اس نے خود کہا کہ تم رشتہ بھیجنا چاہو تو میری طرف سے اجازت ہے، اگر وہ تمہارا رشتہ پسند کرتے ہوں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے؛ تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں۔ اس لیے کہ ممانعت کی جو علت تھی یعنی اس کے دل میں تمہارے لیے عداوت ودشمنی پیدا ہوگی، وہ علت یہاں نہیں پائی گئی۔

بلکہ اس صورت میں تو رشتہ طے ہو چکا ہو تب بھی اجازت ہے، مثلاً: ایک کا رشتہ طے ہو چکا تھا، پھر اس کو معلوم ہوا کہ آپ کا ارادہ بھی ہے (اور وہ بھی وہاں سے چھٹکارا چاہتا ہے) تو اس نے آپ کو اجازت دے دی کہ: بھائی! آپ کوشش کرو، اگر وہ آپ کو منظور کر لیں تو مجھے کوئی پروبلم ''Problem'' نہیں ہے؛ تو پھر اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۱۷۸۰:۔ وعن عقبة بن عامر رضی الله عنه: أَنَّ رسُولَ الله ﷺ قال: ((اَلْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ، فَلَا يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَبْتَاعَ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبَ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَذَرَ)). (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے (اس لیے) ایک مؤمن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے، اور اپنے بھائی کے رشتہ پر رشتہ بھیجے؛ یہاں تک کہ وہ خود ہی چھوڑ دے۔

افادات:۔ اخوت وبھائی چارگی کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اپنے بھائی کو نقصان پہنچے، بلکہ اس کی خیر خواہی کرنی چاہیے۔

باب النهي عن إضاعة المال في غير وجوهه التي أذن الشرع فيها

شریعت نے جہاں مال خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی ہے وہاں مال خرچ کر کے ضائع کرنے کی ممانعت

ایک مسئلہ اور بتلانا چاہتے ہیں، مال کو ضائع کرنا-جس کو اسراف وفضول خرچی کہتے ہیں-یہ ممنوع ہے۔

فضول خرچی کی دو شکلیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے، اور جو گناہ کے کام ہیں، مال کو ان جگہوں پر خرچ کرنا- جیسے: سنیما دیکھنا شراب پینا وغیرہ-؛ یہ ''تبذیر'' کہلاتا ہے۔قرآنِ پاک میں اسی کو فرمایا ہے:﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾ تبذیر یعنی فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

دوسری شکل یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے وہاں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا؛ یہ بھی ممنوع ہے۔اس لیے کہ مال کے ہم مالک نہیں ہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس امانت ہے، ہمیں اپنی ضرورتوں میں بھی اتنا ہی خرچ کرنے کی اجازت ہے جس سے ہماری ضرورت پوری ہو جائے، اگر اس سے زیادہ خرچ کریں گے تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی اجازت ملی تھی اس میں زیادتی

کرنے والے شمار ہوں گے۔

وضو کے پانی میں بھی اسراف کا گناہ ہے

یہاں تک کہ کوئی آدمی وضو جیسی عبادت میں بھی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرے گا تو گنہگار ہوگا، جیسے: کسی نے اگر تین کے بجائے چار مرتبہ چہرہ دھویا تو یہ چوتھی مرتبہ دھونا جائز نہیں ہے۔

تمام فقہاء نے بالاتفاق حرام لکھا ہے

اب اگر اس نے اپنے گھر میں اپنا پانی زیادہ استعمال کیا، تو اس میں اس نے حرمت کا ارتکاب نہیں کیا؛ لیکن اگر وقف کے مال میں ایسا کیا، جیسے: مسجد کا پانی اس طرح زیادہ استعمال کیا ہے؛ تب تو حرام کا ارتکاب کیا۔

ہمارے یہاں تو وقف کے مال کا حال یہ ہے کہ وضو کے لیے جو نل والی جگہیں بنائی جاتی ہیں وہاں لوگ نل کھول کر بیٹھتے ہیں اور باتیں کرتے رہتے ہیں اور پانی گرتا رہتا ہے؛ یہ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کرنا تو اپنے گھر میں بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بھی فضول خرچی ہوئی۔ اس کو تمام فقہاء نے بالاتفاق حرام لکھا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

میں پہلے بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ بیان کر چکا ہوں جو ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرمایا کرتے تھے: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی کوئی ضرورت لے کر آتا تو آپ خود پوری فرما دیتے، اور اگر آپ کے پاس گنجائش نہ ہوتی تو حضراتِ صحابہ میں سے کسی کے پاس بھیج دیتے۔ چناں چہ ایک مرتبہ

ایک حاجت مند نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اور کچھ مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان کے پاس جاؤ، رات کا وقت تھا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا، دروازہ کے قریب پہنچا تو اس کے کان میں آواز آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زور زور سے کچھ کہہ رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سے- جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ہی تھیں- یہ کہہ رہے تھے کہ چراغ کی بتی اتنی اونچی کیوں کر رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے تیل زیادہ جل رہا ہے، اس کے کان میں جب یہ الفاظ پڑے تو وہ سوچنے لگا کہ آدمی تو اپنی بیوی کے بہت کچھ قربان کر دیتا ہے، یہاں تو وہ اپنی بیوی- اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی- کو صرف اتنی سی بات پر ٹوک رہے ہیں اور اس پر ناراض ہو رہے ہیں کہ چراغ کی بتی ذرا سی اونچی ہو گئی کہ اس کی وجہ سے تیل زیادہ جل رہا ہے؛ اب یہ میری حاجت کیا پوری کریں گے! لہٰذا ان سے کچھ کہنے کے بجائے وہ وہیں سے واپس لوٹ گیا۔

دوسرے روز جب وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ (جیسے آپ کسی کو کسی کام کے لیے کہیں بھیجیں گے تو بعد میں اس سے پوچھتے ہیں کہ اس کام کا کیا ہوا) پہلے تو اس نے کچھ نہیں بتلایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصرار پر بتلایا کہ ایسا ایسا ہوا، اس لیے میں نے ان سے بات ہی نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کچھ نہیں ہے، تم ان کے پاس جاؤ، اور اپنی حاجت ان سے کہو۔ چناں چہ وہ گیا اور اپنی حاجت ان کے سامنے پیش کی تو اس نے جتنی توقع رکھی تھی اس سے بھی بہت زیادہ دیا، تب اس نے رات والی بات کہی کہ میں تو رات میں بھی آیا تھا لیکن میں نے آپ کی زبان سے ایسے الفاظ سنے اس لیے لوٹ گیا، اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سمجھے ہی نہیں، ہم تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشاء کو دیکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جہاں خرچ کرنے کے لیے فرمائیں گے وہاں اپنا سب کچھ لُٹا دینے کے لیے تیار ہیں، اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرمائیں گے وہاں ہم ایک پائی بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ایک مؤمن کی شان یہی ہونی چاہیے۔لیکن آج ہمارا معاملہ اُلٹ گیا، جہاں شریعت نے منع کیا وہاں سب کچھ خرچ کر رہے ہیں، اور جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا وہاں بخل سے کام لیتے ہیں۔

اپنی چیز بھی سلیقہ سے استعمال کریں

اگر اپنی کوئی چیز ہو اس میں بھی شریعت ایسا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہے جس سے اس چیز کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔اس کی مثال سن لیجئے کہ پہلے زمانہ میں چمڑے کے مشکیزے ہوتے تھے جس میں پینے کا پانی رکھا جاتا تھا، تو حدیثِ پاک میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مشکیزہ کا منھ موڑ کر پانی نہ پیو۔اس کے منھ پر عام طور پر ہاتھ لگا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ جگہ میلی ہو جاتی ہے۔جن کی طبیعتیں نفیس ہوتی ہیں وہ وہاں منھ لگا کر پانی پینے کو ناگوار سمجھتے ہیں، اور اپنی نفاست کی وجہ سے اس مشکیزہ کا منھ موڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے اندر کا صاف شفاف حصہ باہر آ جاتا ہے اور وہاں منھ لگا کر پیتے ہیں؛ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دو تین مرتبہ اس کا منھ موڑنے کی وجہ سے وہ حصہ کٹ جاتا ہے اور مشکیزہ بیکار ہو جاتا ہے۔تو اس کا منھ موڑ کر پینا اس مشکیزے کے لیے نقصان دہ تھا اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔آپ کو اگر نفاست کا اتنا ہی خیال ہے تو پھر اس سے منھ لگا کر کیوں پیتے ہیں، کسی برتن میں نکال کر ہی پی لو، تاکہ آپ کی نفاست کا بھی لحاظ ہو جائے، اور مشکیزے کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔

بائیک پر دو سے زیادہ سواری منع ہے

کسی بھی طرح کے مال کو استعمال کرنے میں یہی تعلیم ملحوظ رکھنی چاہیے۔ سواری کے جانور تک میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر اس جانور پر تین چار آدمی سوار ہو جائیں گے تو اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ پڑ جائے گا، اس کو تکلیف ہوگی، اس پر ظلم وزیادتی ہوگی اور اس کا حق ضائع ہوگا۔ اگر اس کی وجہ سے وہ جانور ہلاک ہو جائے گا تو مال کا نقصان ہوگا۔

آج کل کی سواریاں جیسے: سائیکل یا بائیک وغیرہ اگرچہ جاندار نہیں ہیں لیکن پھر بھی اس پر اگر اس کی ''Capacity'' (طاقت وصلاحیت) سے بڑھ کر سوار ہوں گے؛ تو یہ طریقہ اس مال کو ضائع کرنے کا سبب بنے گا، اس لیے شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ ہمارے اپنے مال کے بھی ہم خود مالک نہیں ہیں، بلکہ ہم امین ہیں، لہٰذا امانتداری کا تقاضہ یہی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس کو استعمال کریں۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ تین باتیں

۱۷۸۱:- عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسولُ اللهِ ﷺ: إنَّ اللهَ تعالىٰ يَرْضَى لَكُمْ ثَلاَثاً، ويَكْرَهُ لَكُمْ ثَلاَثاً: فَيَرْضَى لَكُمْ أنْ تَعْبُدُوهُ، وَلاَتُشْرِكُوا بِهِ شَيئاً، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُوا. وَيَكْرَهُ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَ كَثْرَةَ السُّؤَالِ، وإِضَاعَةَ المَالِ. (رواه مسلم، وتقدم شرحه)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں کو پسند کرتے ہیں اور تین چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو، اور آپس میں اختلاف وانتشار نہ پھیلاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے قیل وقال کو، اور بے کار سوال کرنے کو، اور مال کو ضائع کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔

افادات:۔ 'قیل وقال' یعنی بحث ومباحثہ جس کو ہم گجراتی زبان میں ''પારકી પંચાત'' کہتے ہیں۔

''کثرۃ السوال'' کا مطلب یا تو یہ ہے کہ معلومات کے متعلق سوال کرنا۔ بعض لوگوں کا حال ایسا ہوتا ہے کہ غیر ضروری سوالات کرتے رہتے ہیں، ہمارے یہاں دارالافتاء میں بھی ایسے سوالات آتے رہتے ہیں۔ حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جب ایسی باتیں پیش کی جاتی تھیں تو آپ اس پر ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے۔

اور ''کثرۃ السوال'' کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا۔ ضرورت کی وجہ سے بھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط

۱۷۸۲:۔عَنْ وَرَّادٍ کاتب المغیرۃ قال: أَمْلَی عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فی كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ - رضی اللہ عنہ -: أَنَّ النَّبِيَّ - صلی اللہ علیہ وسلم - كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاَةٍ مَكْتُوبَةٍ: ((لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) وَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنَّهُ كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَكَثْرَةِ

السُّؤَالِ، وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقُوقِ الأُمَّهَاتِ، وَوَأْدِ البَنَاتِ، وَمَنْعٍ وَهَاتِ.

(متفق علیہ، وسبق شرحہ)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتب (Writer) وَرّاد فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ ؓ نے ایک خط میں تحریر کروایا جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ارسال فرمایا تھا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: ''لَاۤ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ'' اور اسی خط میں یہ بھی لکھوایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیل وقال سے، اور مال کو ضائع و برباد کرنے سے، اور غیر ضروری سوال کثرت سے پوچھنے سے منع فرماتے تھے۔ اور ماؤں کی نافرمانی سے، لڑکیوں کو زندہ دَرگور کرنے سے، اور دوسروں کے حقوق کو روکنے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔

افادات: بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنا حق تو برابر وصول کرتے ہیں اور دوسروں کے حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس کو ہمارے یہاں یوں بولتے ہیں کہ ''اس کے پاس لام زیر لِے تو ہے، لیکن دال زیر دِے نہیں ہے''۔

باب النهي عن الإشارة إلى مسلم بسلاح ونحوه سواء كان جاداً أو مازحاً والنهي عن تعاطي السيف مسلولاً

کسی مسلمان کی طرف ہتھیار یا اس جیسی کسی چیز سے اشارہ کرنے کی ممانعت

چاہے وہ واقعۃً ہو یا مذاق میں ہی ہو، اور کھلی ہوئی تلوار کسی کو دینے کی ممانعت

پہلے بھی بتلایا تھا کہ کوئی بھی ایسی شکل یا انداز اختیار کرنا جس سے سامنے والے مسلمان بھائی کے دل میں خوف یا ہیبت طاری ہو جائے، یا وہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرے؛ اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ جیسے: آپ کے پاس کوئی ہتھیار، تلوار، بندوق وغیرہ ہو، جس کو کسی کی طرف، یا کسی کے اوپر تاک دینا، یا کسی کو چھری بتانا کہ دیکھو میرے ہاتھ میں چھری ہے، جیسے کسی کو مارنے کے لیے آگے کی جاتی ہے کہ اس کی نوک سامنے والے کی طرف ہو، یا کوئی بھی ہتھیار کسی کو بتلانا، چاہے سچ مچ بتا رہا ہو،

یا بطورِ مذاق کے؛ یہ سب ممنوع اور ناجائز ہے۔

اسی طرح کوئی آدمی کسی کو تلوار دینا چاہتا ہو تو وہ کھلی ہوئی حالت میں نہ دے، بلکہ وہ میان کے اندر بند ہونی چاہیے۔ یا جیسے چھری کھلی ہوئی ہے، تو اس کی نوک کسی کی طرف کر کے دینا بھی درست نہیں۔ اگر کسی کو دے تو اس کا پھل اپنی طرف پکڑ کر دینی چاہیے، یا پھر ٹیبل یا زمین پر رکھ دے، اور سامنے والا اپنے ہاتھ سے اُٹھا لے۔

شاید شیطان اس کے ہاتھ سے چھڑ وادے

۱۷۸۳:- عن أبی هريرة رضی الله عنه عن رسولِ اللهِ ﷺ قال: ((لَا يُشِرْ أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعَ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ)). (متفق عليه)

وفی رواية لمسلم قال: قال أبو القاسم ﷺ: ((مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتَّى يَنْزِعَ، وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ)).

قوله ﷺ: ((يَنْزِع)) ضُبِطَ بالعين المهملة مع كسر الزای، وبالغين المعجمة مع فتحها، ومعناهما مُتَقَارِبٌ، وَمَعنَاهُ بالمهملةِ يَرْمِي، وبالمعجمةِ أيضاً يَرْمِي وَيُفْسِدُ. وَأَصْلُ النَّزْعِ: الطَّعْنُ وَالفَسَادُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار کے ذریعہ اشارہ نہ کرے، اس لیے کہ پتہ نہیں شیطان اس کے ہاتھ سے اس کو نکال کر اس کی طرف پھکوا دے (جس کے نتیجہ میں وہ زخمی ہو جائے، یا خدا نہ کرے کوئی دوسری بات پیش آ گئی اور اس کی جان ہی نکل گئی) تو اس کی وجہ سے جہنم کے گھڑے میں جا کر گرے گا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی لوہے کی دھاردار چیز کے ذریعہ اپنے بھائی کی طرف اشارہ نہ کرو، اس لیے کہ فرشتے ایسا کرنے والے کے اوپر لعنت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ باز آجائے، چاہے وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

افادات:- ظاہر ہے کہ حقیقت میں تو ایسا کرنے کی کہاں اجازت ہوگی، لیکن مذاق کے طور پر بھی ایسا کرنے میں کبھی انجام کار برا ہوجاتا ہے، اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ مذاق کے طور پر بھرا ہوا (Loaded) ہتھیار کسی پر تاک دیتے ہیں، اس کی اجازت نہیں۔ اس لیے کہ خدانخواستہ اگر ٹریگر پر انگلی لگ گئی اور گولی نکل گئی تو اس کے لیے دنیوی واخروی ہلاکت کا ذریعہ بنے گی۔

اور عام طور پر مسلمان کو مسلمان سے ہی واسطہ پڑتا ہے اس لیے مسلمان کہا گیا ہے، ورنہ مسلمان کی ہی قید نہیں ہے، غیر مسلم معاہد کا بھی یہی حکم ہے۔ معاہد یعنی اسلامی حکومت میں جو غیر مسلم امن وامان کا پروانہ لے کر رہتا ہو۔

کھلی ہوئی تلوار دینا منع ہے

۱۷۸۴:- وعن جابر رضی الله عنه قال: نهى رسولُ اللهِ ﷺ أنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُولاً. (رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تلوار کھلی ہوئی ہونے کی حالت میں کسی دوسرے کو دینے سے منع فرمایا ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ چھری، تلوار، یا لوڈ کیا ہوا کوئی ہتھیار لینے دینے میں ایسی کوئی بھی شکل اختیار کرنا جس میں سامنے والے کو خطرہ رہتا ہو؛ اس سے منع کیا گیا ہے۔

باب كراهة الخروج من المسجد بعد الأذان إلا لعذر حتّٰى يصلي المكتوبة

اذان ہوجانے کے بعد مسجد سے نکلنا منع ہے؛ مگر یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو

اذان کے بعد اگر گھر پر ہو تو نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا چاہیے، چہ جائیکہ مسجد کے اندر ہو، اور وہاں سے نماز پڑھے بغیر نکل جائے۔

۱۷۸۵:- عن أبي الشَّعْثَاءِ قالَ كُنَّا قُعُوداً مَعَ أبي هريرة رضي الله عنه في المَسْجِدِ، فَأَذَّن المُؤَذِّنُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ المَسْجِدِ يَمْشِي، فَأَتْبَعَهُ أَبُو هُرَيرَةَ بَصَرَهُ حَتَّى خَرَجَ مِنَ المَسْجِدِ، فقال أبو هريرة: أَمَّا هذَا فَقَدْ عَصَى أبَا القَاسِمِ صلى الله عليه وسلم. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوشعثاءؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، مؤذن نے اذان دی (اذان ہوچکنے کے بعد) ایک آدمی مسجد سے گھر جانے کے لیے اُٹھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو دیکھتے رہے (کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنی کسی ضرورت کے لیے اُٹھتا ہے، جیسے: کونے میں سے قرآنِ پاک لینے کے لیے اُٹھا، یا پیچھے اپنی کوئی چیز رکھی ہوئی تھی اس کو لینے کے لیے اُٹھا، اس لیے اس کو دیکھتے رہے کہ واقعۃً واپس جارہا ہے، یا یہیں کسی کام کے لیے اُٹھا

ہے؛ لیکن) جب وہ نکل کر باہر چلا گیا تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس آدمی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی اور حکم عدولی کی۔

افادات:۔ معلوم ہوا کہ اذان ہو چکنے کے بعد جس نماز کے لیے اذان دی جا چکی ہے اس نماز کو پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا درست نہیں ہے، ہاں! اگر کوئی عذر ہے، مثلاً: پیشاب کا تقاضہ شدید ہے اور قضاءِ حاجت کے لیے جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل تو یہ ضرورتیں بھی مسجد کے احاطہ ہی میں پوری ہو جاتی ہیں، لیکن اگر ایسی کوئی ضرورت مسجد میں پوری نہ ہو رہی ہو، اور واپس آنے کے ارادہ کے ساتھ گھر جانا پڑے؛ تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی دوسری مسجد میں اذان یا امامت کی ذمہ داری ہے؛ تب بھی گنجائش ہے۔

باب كراهة رد الريحان لغير عذر

کوئی خوشبودار چیز (پھول وغیرہ) کوئی آدمی دے تو بلا وجہ اس کو نہ لینا ممنوع ومکروہ ہے

۱۷۸۶:-عن أبي هريرة-رضي الله عنه-قال قال رسولُ اللهِ ﷺ: مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ، فَلاَ يَرُدَّهُ، فَإِنَّهُ خَفِيفُ المَحْمِلِ، طَيِّبُ الرِّيحِ. رواه مسلم.

ترجمہ:-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے سامنے خوشبو (تیل، عطر وغیرہ) پیش کی گئی تو اس کو واپس نہ کرے، اس لیے کہ وہ بہت ہی ہلکی اور خوشبودار چیز ہے۔

افادات:-''خَفِيفُ المَحْمِلِ'' یعنی اس کے لینے میں کوئی زیادہ بوجھ نہیں ہے، اور دینے والے پر بھی کوئی بوجھ نہیں ہے، جیسے: کسی نے ہدیہ میں عطر دیا، تو دینے والے پر بھی کوئی بوجھ نہیں ہے، اور لینے والے پر بھی بوجھ نہیں ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے تو دینے والے کے لیے بھی اس میں بار ہوتا ہے، اور لینے والے کو بھی اس قیمتی چیز کی وجہ سے اپنے اوپر احسان کا ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے

۱۷۸۷:-عن أنس بن مالكٍ رضي الله عنه: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لاَ يَرُدُّ الطِّيبَ. (رواه البخاری)

ترجمہ:-حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو کو واپس نہیں فرمایا کرتے تھے۔

افادات:- ہاں! اگر کوئی قیمتی چیز ہے، یا زیادہ مقدار میں ہے، اور اس کے لینے میں آدمی اپنے لیے بوجھ محسوس کر رہا ہے، تو پھر اس میں سے ذرا سا قبول کر لے، اور بقیہ واپس کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن آج ہمارا مزاج ایسا بنا ہوا ہے کہ اگر زیادہ ہوگا تب تو لے لیں گے، اور تھوڑا ہوگا تو واپس کر دیں گے۔

باب كراهة المدح في الوجه

لمن خيف عليه مفسدة من إعجاب ونحوه

وجوازه لمن أمِنَ ذلك في حقه

کسی کے منہ پر اس کی تعریف کرنے کی

کچھ شرائط کے ساتھ ممانعت

کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنا ممنوع ہے، خاص کر کہ ایسے آدمی کے حق میں جس کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ عجب، خود پسندی و کبر میں مبتلا ہو جائے گا۔ ہاں! جس آدمی کے متعلق ایسا اندیشہ اور خطرہ نہ ہو تو اس کے حق میں تعریف کرنا جائز ہے۔

اس سلسلہ میں دونوں قسم کی روایتیں آئی ہیں، اس لیے علامہ نوویؒ نے جو عنوان قائم کیا ہے اس میں ایسا انداز اختیار کیا کہ دونوں قسم کی روایتوں کا مطلب واضح ہو جائے، آگے چل کر پھر الگ سے اس پر کلام بھی کریں گے۔

اس کی پشت ہی کاٹ دی

۱۷۸۸:- عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه قال: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلاً يُثْنِي عَلَى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ في المِدْحَة، فقالَ: أَهْلَكْتُمْ - أَوْ قَطَعْتُمْ - ظَهْرَ

الرَّجُلِ. (متفق علیه)

((وَالإِطْرَاءُ)): الْمُبَالَغَةُ فِي الْمَدْحِ.

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کوسنا کہ وہ دوسرے آدمی کی تعریف کررہا ہے، اورتعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لے رہا ہے، اس کوسن کرنبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: تم نے اس کی پشت ہی کاٹ دی، یاتم نے اس کو ہلاک کردیا۔

افادات:- عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ایسے موقعہ پر جوخوبیاں اس میں نہیں ہوتی وہ بھی خوبیاں بنا کر بتلائی جاتی ہیں، یا ایسا ہوتا ہے کہ جتنی مقدار میں وہ خوبی اس میں ہوتی ہیں اس سے زیادہ اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے؛ اسی کو مبالغہ آرائی سے تعبیر کرتے ہیں، جس کو گجراتی میں (અતિશયોક્તિ) کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ تمہاری تعریف کے نتیجہ میں وہ آدمی خود پسندی یا تکبر میں مبتلا ہوجائے گا، اوراگراس کا ظہورکسی کے ساتھ ہوگیا تو دنیوی اعتبار سے بھی ہلاکت اور آخرت کے اعتبار سے بھی ہلاکت کا سبب بنے گی۔

کسی کی تعریف کرنے کے متعلق معتدل تعلیمات

۱۷۸۹:-وعن أبي بكرة رضي الله عنه: أنَّ رجلاً ذُكِرَ عند النبيِّ ﷺ فَأَثْنَى عَلَيْهِ رَجُلٌ خَيْراً، فقال النبيّ ﷺ: ((وَيْحَكَ ! قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ)) يَقُولُهُ مِرَاراً ((إِنْ كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحاً لاَ مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: أَحْسِبُ كَذَا وَكَذَا إِنْ كَانَ يَرَى أَنَّهُ كَذَلِكَ وَحَسِيبُهُ اللهُ، وَلاَ يُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدٌ.)) (متفق علیه)

ترجمہ:- حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے

ایک آدمی کا تذکرہ کیا گیا تو دوسرے آدمی نے اس کی تعریف کی (اس کے متعلق تعریفی کلمات استعمال کئے) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے لیے ہلاکت ہو؛ تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی (یعنی اس طرح تعریف کر کے تم نے اس کو عجب وخود پسندی میں مبتلا کر کے اس کو نقصان پہنچایا) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ یہی ارشاد فرمایا (پھر فرمایا) اگر کوئی آدمی واقعۃً کسی کی تعریف کرنا ہی چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ یوں کہے: فلاں آدمی کے متعلق مَیں ایسا سمجھتا ہوں کہ وہ ایسا ہے (میرے خیال میں وہ ایسا ہے، اور مَیں جو سمجھتا ہوں وہ بتلاتا ہوں) اور وہ واقعۃً اس کے خیال میں ایسا ہی ہو، ہاں! اس کے اندرون کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے، اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کی صفائی نہ کرے۔

افادات:۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں سامنے والا ایسا نہیں ہوتا پھر بھی صرف زبان سے ایسا بولتا ہے؛ تب تو ایسا بولنے کی اجازت ہی نہیں، اس لیے کہ وہ تو جھوٹ ہو گیا۔ اگر واقعۃً وہ دل سے اس کو ایسا ہی سمجھتا ہو تو اپنے اس خیال کا یوں کہہ کر اظہار کر سکتا ہے کہ میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں۔ اپنے علم وجانکاری کے اعتبار سے میں اس کے متعلق جو جانتا ہوں اس کی بنیاد پر میں یہ بات کہتا ہوں، اب اندرون کا معاملہ کیا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

اس کے چہرہ پر مٹی ڈالو

۱۷۹۰:-وعن همام بن الحارث عن المِقْدَادِ رضی الله عنه: أَنَّ رَجُلاً جَعَلَ يَمْدَحُ عُثْمَانَ رضی الله عنه، فَعَمِدَ المِقْدَادُ، فَجَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ، فَجَعَلَ يحثو فی وَجْهِهِ الحَصْبَاءَ. فقالَ لَهُ عُثْمَانُ: مَا شَأْنُكَ؟ فقال: إنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: ((إِذَا رَأَيْتُمُ المَدَّاحِينَ، فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ)). (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ہمام بن حارث حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کر رہا تھا، یہ سن کر حضرت مقدادؓ اپنے گھٹنوں کے اوپر اس طرح بیٹھ گئے جیسے گویا بھاگنے کے لیے تیار ہوں، اور کنکریاں لے کر اس کے منہ پر مارنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو پوچھا: (اے مقداد!) آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم تعریف کرنے والے کو دیکھو؛ تو اس کے چہرہ پر مٹی ڈالو (گویا میں اس پر عمل کر رہا ہوں)

افادات:- مٹی ڈالنے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا ایک تو یہی ظاہری مطلب ہے، چناں چہ حضرت مقدادؓ نے یہی مطلب لے کر اس کے مطابق عمل کیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ''ان کے چہروں پر مٹی ڈالو'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دو۔ عام طور پر تعریف کرنے والا اس سے - جس کی تعریف کی جارہی ہے - اپنا کوئی نہ کوئی فائدہ اور اپنی غرض حاصل کرنا چاہتا ہے، تو آپ اس کے منہ پر مٹی ڈالو یعنی اس کو اس کی غرض میں کامیاب نہ ہونے دو۔ وہ جو کام لے کر آپ کے پاس آیا، اور تعریف کر کے اپنا کام نکلوانا چاہتا ہے، اس کا کام مت کرو۔

اور بعض حضرات جیسے علامہ بیضاویؒ جو بڑے مفسر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: ''مٹی ڈالو'' یعنی وہ جو چیز چاہتا ہے؛ دے دو۔ گویا انھوں نے مال کو مٹی سے تعبیر کیا کہ جو کچھ بھی مال ہے وہ مٹی ہی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کو منہ پر مٹی ڈالو یعنی اس کو مٹی سمجھ کر اس کے منہ پر مارو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا تجزیہ

فهذهِ الأحاديث في النَهي، وجاءَ في الإباحة أحاديث كثيرة صحيحة.

قال العلماءُ: وطريق الجَمْعِ بين الأحاديث أنْ يُقَالَ: إنْ كان المَمْدُوحُ عِنْدَهُ كَمَالُ إيمانٍ وَيَقِينٍ، وَرِيَاضَةُ نَفْسٍ، وَمَعْرِفَةٌ تَامَّةٌ بِحَيْثُ لاَيَفْتَتِنُ، وَلاَ يَغْتَرُّ بِذَلِكَ، وَلاَ تَلْعَبُ بِهِ نَفْسُهُ، فَلَيْسَ بِحَرَامٍ وَلاَ مَكْرُوهٍ.

وإنْ خِيفَ عَلَيْهِ شَيءٌ مِنْ هذِهِ الأمورِ، كُرِهَ مَدْحُهُ فِي وَجْهِهِ كَرَاهَةً شَدِيدَةً، وَعَلَى هَذا التفصِيلِ تُنَزَّلُ الأحاديثُ المُخْتَلِفَةُ فِي ذَلِكَ.

وَمِمَّا جَاءَ فِي الإبَاحَةِ قَولُهُ -ﷺ- لأبي بكرٍ -رضي الله عنه-: ((أَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ)) أيْ مِنَ الَّذِينَ يُدْعَونَ مِنْ جَمِيعِ أبْوابِ الجَنَّةِ لِدُخُولِهَا.

وَفِي الحَدِيثِ الآخر: ((لَسْتَ مِنْهُمْ)): أيْ لَسْتَ مِنَ الَّذِينَ يُسْبِلُونَ أُزُرَهُمْ خُيَلاَءَ.

وَقالَ -ﷺ- لِعُمَرَ - رضي الله عنه-: ((مَا رَآكَ الشَّيْطَانُ سَالِكاً فَجّاً إلاَّ سَلَكَ فَجّاً غَيْرَ فَجِّكَ)).

والأحاديثُ في الإباحة كثيرةٌ، وقد ذكرتُ جملةً مِنْ أطْرَافِهَا في كتاب "الأذكار".

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

کسی کے منھ کے سامنے تعریف کی ممانعت کے سلسلہ میں یہ سب حدیثیں ہیں اور منھ پر تعریف کے جائز ہونے کے سلسلہ میں بھی روایتیں آئی ہیں۔ گویا دونوں قسم کی روایتیں ہیں؛ تو اب ان دونوں طرح کی روایتوں کو آپس میں کیسے تطبیق دیں گے؟

چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ خود ہی تطبیق کی شکل بتلاتے ہیں:

جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ اپنے ایمان ویقین کے اعتبار سے بڑا مضبوط

ہو، ریاضتوں اور مجاہدوں کی وجہ سے اپنے نفس کے اوپر قابو یافتہ ہو، اور اپنے اندرونی حال سے بخوبی واقف ہو، اور اس کو اپنی حالت کی معرفتِ تامہ حاصل ہو، اس لیے تعریف کرنے والوں کی تعریفوں کی وجہ سے دھوکہ اور فتنہ میں نہ پڑے، اور اس کا نفس اس کے ساتھ کھلواڑ نہ کرسکتا ہو، اور لوگوں کی تعریفوں کے ذریعہ اس کو دھوکہ میں ڈال کر اس کا نفس اس سے کوئی غلط حرکت نہ کرواتا ہو۔ اگر وہ آدمی ایسا ہے تب تو اس کے سامنے اس کی تعریف کرنا نہ تو حرام ہے اور نہ ہی مکروہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے سامنے اس کی تعریف کرنے کی وجہ سے وہ آپے سے باہر نہیں ہوگا اور اس کے کسی بھی طرح کے نقصان میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے، وہ خود پسندی اور تکبر میں مبتلا نہیں ہوگا، اپنے متعلق کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ تم چاہے میری کتنی ہی تعریف کرتے رہو، میری حقیقت مجھے معلوم ہے۔ اگر ایسے آدمی کے سامنے اس کی تعریف کی جائے؛ تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

دلال اور گھوڑا

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو اپنے اندرونی حال سے بخوبی واقف ہونے کے باوجود بھول جاتے ہیں، جیسے: ایک آدمی کا گھوڑا بڑا سرکش تھا، کسی بھی طرح کے کام کا نہیں تھا، اس لیے وہ اس گھوڑے کو بیچنے کے لیے مارکیٹ میں گیا اور دلال سے کہا کہ یہ گھوڑا بیچنا ہے۔ دلال اس کو لے کر مارکیٹ میں گیا اور گھوڑے کی خوبیاں بیان کرنے لگا کہ ایسا ہے اور ایسا ہے، گاہک بھی آنے لگے تو گھوڑے والا کہنے لگا کہ: بھائی! اگر میرا گھوڑا اتنی خوبیوں والا ہے تو پھر رہنے دو، مجھے نہیں بیچنا۔ دلال نے کہا: ارے اللہ کے بندے! میں تو لوگوں کو بتلا رہا ہوں اور تو تو

جانتا ہی ہے کہ یہ گھوڑا کیسا ہے، پھر بھی میری تعریف کی وجہ سے دھوکے میں پڑ گیا۔ اسی طریقہ سے آدمی کا بھی حال ہے کہ اپنی اندرونی حالت سے خود بخوبی واقف ہوتا ہے کہ مجھ میں کونسی کمزوریاں اور عیوب ہیں، اس کے باوجود کسی نے تعریف کے دو جملے کہہ دیئے تو دھوکہ میں آجاتا ہے اور اپنے متعلق خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

معتدل بات

چناں چہ اس سلسلہ میں مختلف روایات آئی ہیں، کسی موقعہ پر تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرمایا کہ: تم نے اپنے بھائی کو ہلاک کردیا، اس کی پیٹھ کاٹ دی۔ یہ اس موقعہ پر فرمایا جہاں اس کے خوش فہمی میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ تھا۔ اور کسی موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود کسی کی تعریف فرمائی، یا آپ کے سامنے کسی کی تعریف کی گئی تو آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ وہاں دوسرا موقعہ تھا کہ وہاں ان میں سے کسی بات کا خطرہ نہیں تھا۔

جن کو ہر دروازے سے پکارا جائے گا

اور جائز ہونے کے سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں ان میں سے وہ روایت بھی ہے جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ: مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگے۔ دراصل ایک موقعہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنت کے دروازوں کا تذکرہ کیا کہ کسی آدمی نے روزے رکھے ہیں تو وہ روزے والے دروازے سے جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے فلاں عمل کیا ہوگا تو وہ فلاں دروازے سے جنت میں داخل ہوگا، اس طرح جنت کے آٹھوں دروازوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ فلاں عمل کرنے والے کو فلاں دروازے سے پکارا جائے گا، فلاں عمل کرنے والے کو فلاں دروازے سے پکارا جائے گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ بیان فرما چکے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کسی کو اگر جنت کے ایک دروازے سے بھی پکارا جائے تو پھر اس کو ضرورت نہیں ہے کہ دوسرے کسی دروازے سے پکارا جائے، اس لیے کہ مقصد تو جنت میں داخل ہونا ہے اور وہ ایک دروازے سے پکارا جائے تب بھی حاصل ہو جائے گا، لیکن کیا کوئی آدمی ایسا بھی ہوگا کہ جس کو سارے دروازوں سے پکارا جائے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگے۔ یہاں دیکھئے! حضرت ابوبکرؓ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر گویا ان کی تعریف فرمائی؛ لیکن چوں کہ یہ حضرات وہ تھے جن کے متعلق یہ اندیشہ اور خطرہ نہیں تھا۔

میں پہلے بھی کئی مرتبہ بتلا چکا ہوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جن کو جنت کی بشارت سنائی گئی تھی اور جن کے مناقب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بہت زیادہ ارشاد ہوئے ہیں، اس کے باوجود وہ حضرات اپنے متعلق نفاق کا خطرہ محسوس کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتے تھے کہ حذیفہ! ذرا بتلاؤ کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے جو نام تمہیں بتلائے ہیں ان میں کہیں عمر کا نام تو نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ: کاش کہ میں تنکا ہوتا جس کو کوئی جانور کھا جاتا۔ یعنی براہِ راست حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ساری بشارتیں سنے ہوئے ہونے کے باوجود اپنے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہتے تھے، بلکہ ڈرتے رہتے تھے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ کوئی آکر ہم کو کہہ دے کہ آج رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں بہت اونچے درجہ پر تھے، تو پھر دیکھو ہمارا کیا حال ہوتا ہے؟۔

ایک دوسرے موقعہ پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اپنا پائجامہ اور لنگی کبر کی وجہ سے اپنے ٹخنے سے نیچے لٹکائے گا تو وہ جہنم کے اندر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ

نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پیٹ کا حصہ بڑھا ہوا ہونے کی وجہ سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میرے ارادہ کے باوجود میری لنگی ٹخنے سے نیچے پہنچ جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنے پائجامہ یا لنگی کو کبر اور غرور کی وجہ سے لٹکاتے ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کبر کی نفی فرمائی۔

شیطان بھی راستہ بدل لیتا ہے

اسی طرح ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دولت کدہ پر تشریف فرما تھے اور ساری ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے ہوئے نفقہ کے سلسلہ میں کچھ مطالبات کر رہی تھیں، ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، اسی درمیان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر داخلے کی اجازت چاہی، جیسے ہی حضراتِ امہات المؤمنین نے ان کی آواز سنی تو سرک کر پردہ کے پیچھے چلی گئیں، حالاں کہ ابھی تو اندر آنے کی طلبِ اجازت کی صرف آواز آئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی اندر آنے کی اجازت نہیں دی تھی؛ لیکن ان کی ہیبت اتنی تھی کہ وہ اندر چلی گئیں۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسنے لگے، پھر حضرت عمرؓ کو اندر آنے کی اجازت دی، جب وہ اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا رہے ہیں، انہوں نے عرض کیا: ’’أَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ‘‘ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہنسائے؛ ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابھی تو اِن کی آوازیں اپنے مطالبات میں میری آواز پر بلند ہو رہی تھیں، اور آپ کی آواز سن کر سب اندر چلی گئیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضراتِ امہات المؤمنین سے خطاب کر کے کہا: ’’يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ‘‘ اے اپنی جانوں کی دشمنو! مجھ سے تو ڈرتی ہو، اور اللہ کے رسول سے نہیں ڈرتیں؟ اندر سے امہات المؤمنین نے کہا: آپ تو اکھڑ مزاج

اور سخت دل آدمی ہیں۔ جب ان کی طرف سے یہ جواب ملا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! اور کہو؛ تمہارا حال تو یہ ہے کہ شیطان جب تم کو کسی گلی میں آتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ بھی دوسرا راستہ اختیار کرلیتا ہے۔ یعنی تمہاری ہیبت اور ڈر تو ایسا ہے کہ شیطان بھی تم سے ڈرتا ہے۔ دیکھئے! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف فرمائی۔

''یَاعَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ'' اے اپنی جانوں کی دشمنو! اس جملے کے متعلق علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضراتِ امہات المؤمنین کو اس طرح خطاب حضرت عمرؓ ہی کر سکتے ہیں، کسی اور کے لیے گنجائش نہیں۔

تعریف کے مقاصد الگ الگ ہوتے ہیں

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''مداحین'' مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ تعریف کرنے والا۔ اب مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے کے مقاصد الگ الگ ہوتے ہیں، کبھی تو تعریف کا مقصد اپنی کسی غرض کو حاصل کرنا ہوتا ہے اس لیے تعریف کرنے والا سامنے والے کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے، تب تو وہی حکم ہوگا کہ اس کے چہرے پر مٹی ڈالو۔ اور اگر کسی نے تعریف کے اندر مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ حدود میں رہتے ہوئے کسی کی تعریف کی ہے تو پھر اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اور اگر تعریف کرنے والے کا مقصد تشجیع ہے، یعنی کسی نے کوئی اچھا کام کیا اور کوئی آدمی اس کی تعریف کرکے ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے، جیسے: کبھی بچوں کی کسی نیک اور اچھے کام کی وجہ سے ہمت وحوصلہ افزائی کی جاتی ہے، تاکہ آئندہ اور زیادہ اچھے اعمال کریں، یا دوسرے لوگوں کو اس عمل کی ترغیب ہو؛ تو اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

باب كراهة الخروج من بلد وقع فيها الوباء فراراً منه وكراهة القدوم عليه

جہاں وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہو وہاں سے نکل بھاگنا یا وہاں جانا مکروہ ہے

قال الله تعالیٰ: أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ. (النساء:۷۸)

وقال تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ. (البقرة:۱۹۵)

کسی شہر میں یا علاقہ میں کوئی عام بیماری پھیلی ہو، جیسے: طاعون؛ اور کوئی آدمی اس بیماری کے پھیلنے سے پہلے اگر وہاں موجود ہو تو اس بیماری کے پھیلنے کے بعد اس آدمی کا یہ سمجھ کر وہاں سے نکل جانا ناجائز ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو بچ جاؤں گا۔ اور جو آدمی پہلے سے اس علاقہ، اس بستی، اس شہر میں موجود نہیں تھا، تو اس کا وہاں جانا بھی درست نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دو آیتیں پیش کی ہیں۔

تم جہاں کہیں بھی ہوگے، موت تم کو پکڑ لے گی

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ.(النساء:۷۸)﴾

ترجمہ:- تم جہاں کہیں بھی ہوگے، موت تم کو پکڑ لے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ جس کے لیے اس کا وقتِ موعود آ چکا ہے اور اس کی موت طے ہو چکی ہے، وہ اگر یہ سمجھتا ہو کہ میں کسی مضبوط قلعہ میں جا کر رہوں گا تو موت کے حملہ سے بچ جاؤں گا؛ تو اس کا یہ سوچنا غلط ہے۔ وہ کہیں بھی ہو موت اس کو گرفتار کر کے رہے گی۔

ایک عبرتناک واقعہ

چناں چہ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں مفسرین نے اگلی امتوں میں سے کسی کا ایک واقعہ بیان کیا ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے ابن جریر کی روایت سے یہ واقعہ لکھا ہے:

ایک عورت کو دردِ زہ شروع ہوا، لڑکی پیدا ہوئی، اس نے اپنے ملازم کو آگ لینے کے لیے بھیجا، جب وہ گھر سے باہر نکلا تو ایک آدمی سے اس کی ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا: اس گھر میں عورت نے کیا جنا ہے؟ اس نے بتلایا: لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اس آدمی نے کہا: یہ لڑکی سو آدمیوں کے ساتھ زنا کرے گی اور ایک مکڑی کے ذریعہ اس کی موت واقع ہوگی۔ اس ملازم نے سوچا کہ یہ سو آدمیوں کے ساتھ زنا کرے گی تو بجائے آگ لے کر واپس جانے کے گھر آیا اور چھرا لے کر نومولود پیدا شدہ بچی کا پیٹ چاک کر دیا اور یہ سمجھ کر کہ وہ مرگئی ہے وہاں سے بھاگ گیا۔ بچی کی ماں نے اس بچی کا پیٹ سی لیا اور وہ زندہ بچ گئی۔ وہ ملازم تو وہاں سے بھاگ کر کسی دوسرے ملک چلا گیا اور کمانے کھانے لگا۔ اِدھر یہ بچی بڑی ہوئی اور شہر کی خوب صورت ترین عورتوں میں اس کا شمار

ہونے لگا، پھر وہ برائیوں میں مبتلا ہوگئی اور بہت سارے لوگوں کے ساتھ ملوث ہوئی۔ ایک زمانہ کے بعد وہ ملازم- جو اس کو مار کر بھاگ گیا تھا-خوب روپیہ پیسہ کما کر اسی شہر میں واپس آیا، ایک بوڑھیا سے ملاقات ہوئی، اس نے اس کے سامنے اپنے ارادہ کا اظہار کیا کہ یہاں کی حسین ترین لڑکی سے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ بوڑھی نے کہا: یہاں ایک حسین ترین لڑکی ہے، چناں چہ اسی لڑکی کو دکھلایا گیا، اس کو پسند بھی آگئی اور نکاح ہوگیا۔ نکاح کے بعد جب دونوں ملے تو اس لڑکی نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اس نے اپنا سارا قصہ سنایا کہ میں تو اسی شہر کا رہنے والا ہوں، ایک لڑکی کا پیٹ چاک کرکے یہاں سے بھاگ گیا تھا، یہ سن کر وہ لڑکی بولی: وہ لڑکی تو میں ہی ہوں۔ اس نے اپنا پیٹ بتلایا جس پر نشان موجود تھے، یہ دیکھ کر اس نے کہا: اگر تو وہی لڑکی ہے، تو دو باتیں اور سن لے، ایک تو یہ کہ تو نے سو آدمیوں کے ساتھ بدکاری کرائی ہے۔ اس نے اقرار کیا کہ ہاں مجھ سے ایسا ہوا ہے لیکن تعداد یاد نہیں۔ مرد نے کہا: یقیناً تعداد سو ہی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک مکڑی کے ذریعہ تیری موت واقع ہوگی۔ لیکن چوں کہ یہ اس کے دل میں گھر کر چکی تھی اس لیے اس اقرار کے بعد بھی اس نے اس کو نکاح سے الگ نہیں کیا، اور اس کی حفاظت کے لیے اس نے ایک بہت خوبصورت سنگ مرمر کا محل تعمیر کیا، اور ایسا صاف شفاف رکھتا تھا کہ مکڑی جالا نہ تان سکے۔ دونوں ساتھ رہنے لگے، ایک مدت کے بعد دونوں میاں بیوی پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے کہ اس عورت نے ایک مکڑی دیکھی، تو کہنے لگی کہ یہ مکڑی ہے جس سے تم مجھے ڈرایا کرتے ہو؟ شوہر نے کہا: ہاں! یہ مکڑی ہے۔ اس نے کہا: ابھی میں اس کو مار دیتی ہوں۔ چناں چہ اس نے اس کو نیچے گرایا اور اپنے پاؤں کے ذریعہ اس کو مسل دیا، مکڑی تو مرگئی

لیکن پاؤں سے مسلنے کے نتیجہ میں مکڑی کا ڈنک اس کو ایسا لگا کہ اس کا زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور وہ زہر ایسا چڑھا کہ اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

(معارف القرآن سورۂ نسآء)

گویا اس آیت کو لا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی جگہ عام وبا پھیل چکی ہو اور جس کی موت مقرر ہو چکی ہے وہ وہاں سے یہ سمجھ کر بھاگے کہ میں بھاگ کر اپنی جان بچا لوں گا، تو اس کا یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اگر وقتِ موعود آچکا ہے تو وہ مر کر ہی رہے گا۔ اس لیے وہاں سے بھاگنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر یقین اور توکل رکھتے ہوئے وہیں رہے۔

اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

دوسری آیت کا ایک حصہ پیش کیا ہے: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ. (البقرة:۱۹۵)﴾ **ترجمہ**:- اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

افادات:- اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس سلسلہ میں ایک مطلب تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ: ایک مرتبہ میدانِ جنگ کے اندر ایک آدمی تنِ تنہا صفِ قتال سے آگے نکل کر دشمنوں کے لشکر پر حملہ آور ہوا، اس کو اس طرح کرتا ہوا دیکھ کر لوگ کہنے لگے: یہ تو اپنے آپ کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہا ہے، حالاں کہ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: اس آیت کا مطلب ہم سے پوچھو، یہ آیت تو ہم انصار کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

ہوا یہ کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو ہم انصار نے دین کی نصرت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور ہم اپنے سارے کاروبار چھوڑ چھاڑ کر اسی کام میں لگ گئے، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین کو قوت عطا فرمائی، اسلام پھیلا اور عرب کا بڑا علاقہ اسلام میں داخل ہوا۔ جب دین کو قوت حاصل ہوگئی تو ہم انصار میں سے بعض لوگوں نے آپس میں بیٹھ کر ایک میٹنگ کی اور مشورہ کیا کہ ہم لوگوں نے دین کو آگے بڑھانے کے لیے اور دین کی تقویت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا؛ لیکن اب دین ہمارے تعاون کا محتاج نہیں رہا، اب تو الحمد للہ دین کافی آگے بڑھ چکا ہے، اور اتنے طویل زمانہ تک ہم نے اپنے کاروبار، کھیتی باڑی کی طرف سے غفلت برتی اس لیے وہ سب آگے پیچھے ہو گیا ہے، اس لیے اب ہم اُدھر بھی کچھ دھیان دیدیں۔ اِدھر ہمارے اس کام کی طرف توجہ دینے کے نتیجہ میں دین اور اسلام پر تو کچھ آنچ آنے والی نہیں ہے، اور ہمارا کاروبار، کھیتی باڑی بھی درست ہو جائے گی۔ جب ہم نے یہ طے کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یعنی دین کی نصرت ومحنت کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس سے اپنے آپ کو الگ نہ کرو؛ یہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

بہت سی جگہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی دین کی خدمت کے کسی سلسلے میں لگا ہوا ہوتا ہے، اور شروع میں جس وقت وہ اس کام میں لگا تھا اُس وقت اس میں لگنے والے بہت کم تھے اور اس کام میں ضرورت بھی تھی، اب اس کام کو اللہ تعالیٰ نے ترقی عطا فرمائی اور بہت سارے لوگ اس میں لگ گئے ہیں، اس لیے وہ آدمی یوں سوچتا ہے کہ ہماری محنت کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں رہی، اور اپنے متعلق یوں سوچتا ہے کہ اب اپنے

کاروبار کی طرف ہم ذرا دھیان دیں اور اس کو بھی درست کرلیں؛ ایسے مواقع کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوایوب انصاریؓ سے یہی منقول ہے۔

لیکن دیگر صحابہ سے اس کا ایک اور مطلب بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کا دشمنوں کی صف پر اس طرح حملہ آور ہونا جہاں اس کی موت یقینی ہو، اور دشمن کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو؛ تو یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہوا، اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ از خود ایسے اسباب اختیار کرنا جس میں یقین یا غالب گمان ہو کہ اس کی موت آجائے گی؛ اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ آیت بطورِ استشہاد پیش کی ہے کہ وبا والے علاقہ میں جانے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

دَورِ فاروقی کا ایک واقعہ

۱۷۹۱:-وعن ابن عباس رضی اللہ عنهما: أَنَّ عمرَ بن الخطاب-رضی الله عنه-خرج إلى الشَّامِ حَتَّى إذا كَانَ بسَرْغَ لَقِيَهُ أُمَرَاءُ الأَجْنَادِ-أَبُو عُبَيْدَةَ بنُ الجَرَّاحِ وأَصْحَابُهُ- فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ الوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ. قال ابن عباس: فقال لی عمر: ادْعُ لِي المُهَاجِرِينَ الأَوَّلِينَ، فَدَعَوْتُهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ وَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ الوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بالشَّامِ، فَاخْتَلَفُوا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: خَرَجْتَ لأَمْرٍ، وَلاَ نَرَى أَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ. وَقَالَ بعضهم: مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وأَصْحَابُ رسُولِ اللهِ-ﷺ-، وَلاَ نَرَى أَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلَى هَذَا الوَبَاءِ. فقال: ارْتَفِعُوا عَنِّي. ثُمَّ قَالَ: ادْعُ لِي الأَنْصَارَ، فَدَعَوْتُهُمْ، فَاسْتَشَارَهُمْ، فَسَلَكُوا سَبِيلَ المُهَاجِرِينَ، وَاخْتَلَفُوا كَاخْتِلاَفِهِمْ، فقال: ارْتَفِعُوا عَنِّي. ثُمَّ قَالَ: ادْعُ لِي مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ

قُریشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الفَتْحِ، فَدَعَوْتُهُمْ، فَلَمْ يَخْتَلِفْ عَلَيْهِ مِنْهُمْ رَجُلاَنِ، فَقَالُوا: نَرَى أَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ، وَلاَ تُقْدِمَهُمْ عَلَى هَذَا الوَبَاءِ، فَنَادَى عُمَرُ - رضی الله عنه - فِي النَّاسِ: إِنِّي مُصبِحٌ عَلَى ظَهْرٍ، فَأَصْبِحُوا عليهِ.

فقال أبو عبيدة بن الجراح - رضی الله عنه -: أفِرَاراً مِنْ قَدَرِ الله؟ فقالَ عُمَرُ رضی الله عنه: لو غَيْرُكَ قَالَهَا يا أبا عبيدة! - وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُ خِلاَفَهُ - نَعَمْ، نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ إلى قَدَرِ اللهِ. أرَأيتَ لو كَانَ لَكَ إِبِلٌ، فَهَبَطتْ وَادِياً لَهُ عُدْوَتَانِ، إِحْدَاهُمَا خَصْبَةٌ، وَالأُخْرَى جَدْبَةٌ، أَلَيسَ إِنْ رَعَيْتَ الخَصْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ، وَإِنْ رَعَيْتَ الجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ؟

قَالَ: فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوفٍ رضی الله عنه وَكَانَ مُتَغَيِّباً فِي بَعْضِ حَاجَتِهِ، فقالَ: إنَّ عِنْدِي من هَذَا علماً، سَمِعْتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلاَ تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلاَ تَخْرُجُوا فِرَاراً مِنْهُ فَحَمِدَ اللهَ تَعَالَى عمرُ - رضی الله عنه - وانصَرَفَ. (متفق عَلَيْهِ)

و((العُدْوَة)): جانِب الوادِي.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ شام کی طرف روانہ ہوئے، جب وہ مقام سَرغ (جو شام کی پہلی منزل ہے اور جہاں حجاز کا علاقہ ختم ہوتا ہے) پہنچے تو وہاں آکر سپہ سالارِ اعظم حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور ان کے رفقاء نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی اور اطلاع دی کہ شام کے علاقوں میں دوبارہ وبا اور بیماری بڑی قوت وشدت کے ساتھ شروع ہو چکی ہے (حضرت عمرؓ کا عام دستور اور عادت شریفہ یہ تھی کہ کوئی بھی اہم معاملہ ہوتا تو مشورہ فرماتے تھے) حضرت عبداللہ بن عباسؓ

فرماتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ (ہمارے قافلہ میں جو) مہاجرینِ اولین ہیں ان کو بلاؤ۔ میں نے ان حضرات کو اطلاع دی (کہ امیر المؤمنین آپ کو بلاتے ہیں) حضرت عمرؓ نے ان سے مشورہ طلب کیا کہ (ہم اپنا ایک کام اور مقصد لے کر چلے تھے) اب یہاں پہنچنے پر اطلاع ملی ہے کہ شام میں طاعون پھیل چکا ہے، اب آپ حضرات مشورہ دیجیے کہ ہم لوگ آگے بڑھیں، یا واپس ہو جائیں؟ ان حضرات کی رائے میں آپس میں اختلاف ہو گیا۔ بعضوں نے کہا: آپ ایک خاص مقصد لے کر نکلے ہیں، اب ہماری رائے یہ نہیں ہے کہ آپ واپس ہو جائیں، بلکہ آپ تو آگے ہی بڑھتے رہیے۔ بعضوں نے کہا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کا بچا کچا خاص حصہ (لوگوں کا کِریم) آپ کے ساتھ ہے (اگر آپ ان کو لے کر اس وبا اور بیماری والے علاقہ میں جا رہے ہیں تو گویا یوں کہنا چاہتے ہیں کہ: ''آ بلا؛ میرا گلا پکڑ'' جیسی بات ہوگی) اس لیے ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ واپس ہو جائیں (گویا ایک ہی جماعت میں سے کچھ لوگوں نے یہ مشورہ دیا اور کچھ نے دوسرا مشورہ دیا) حضرت عمرؓ کو ان کا یہ اختلاف پسند نہیں آیا تو فرمایا: آپ حضرات تشریف لے جایئے (حضرت عمرؓ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پھر حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا: انصار کو بلالاؤ (اس لیے کہ انصار کا مقام ان کے بعد کا ہے) چناں چہ میں انصار کو بلا لایا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے بھی مشورہ مانگا کہ: بھائیو! آپ حضرات بتاؤ؛ ہم کیا کریں؟ چناں چہ یہ بھی مہاجرین والے راستہ پر ہی چلے (یعنی جیسا اُن میں اختلاف ہوا تھا، اِن میں بھی ویسا ہی اختلاف ہوا اور ان میں بھی دو گروہ ہو گئے) حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم لوگ بھی یہاں سے اُٹھ جاؤ۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا: یہاں قریش کے وہ بڑے لوگ جو مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے؛ ان کو بلالاؤ (مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد

ہجرت والا حکم باقی نہیں رہا تھا اور پہلے بھی آچکا ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرما دیا: ''لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ'' پھر بھی جو لوگ مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد مکہ مکرمہ والا وطن اور اس کی رہائش چھوڑ کر مدینہ منورہ آئے اور وہیں رہائش اختیار کرلی، تو ظاہری طور پر ایک وطن چھوڑ کر دوسرے وطن میں ہجرت تو ہوئی، اور وہ بھی فائدے سے خالی نہیں تھی) چناں چہ میں ان کو بلا لایا، وہ حضرات آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے بھی اس بارے میں رائے لی تو ان میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہوا، سب نے بالاتفاق یہ مشورہ دیا کہ ہماری رائے ہے کہ آپ واپس ہو جائیں اور لوگوں کو ہلاکت اور مصیبت پر پیش نہ کریں۔ جب ان کی طرف سے یہ متفقہ مشورہ ملا تو حضرت عمرؓ نے اعلان کروا دیا کہ کل صبح میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر واپس ہونے والا ہوں، تم لوگ بھی واپسی کی تیاری کرلو (یعنی فیصلہ کر دیا کہ کل واپس جانا ہے)۔

(جب حضرت عمرؓ نے اپنا فیصلہ ظاہر کر دیا اور اعلان کروا دیا) تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے کہا: (امیر المؤمنین! اس علاقہ میں طاعون پھیلا ہوا ہے اس لیے یہاں سے واپس ہو کر گویا) آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنا چاہ رہے ہیں؟ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوعبیدہؓ کی رائے کے خلاف کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اسی لیے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کا یہ جملہ سن کر فرمایا: ابوعبیدہ! کاش کوئی دوسرا آدمی یہ بات بولا ہوتا (پھر حضرت عمرؓ نے اس کا بڑا عجیب وغریب جواب دیا۔ حضراتِ علماء فرماتے ہیں کہ اس جواب نے تقدیر سے تعلق رکھنے والے سارے اشکالات کو دور کر دیا۔ فرمایا:) جی ہاں! ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف ہی جا رہے ہیں (پھر اس بات کو سمجھانے کے لیے ایک بات ارشاد فرمائی) آپ میرے ایک سوال کا جواب دیجیے: آپ اپنے جانوروں کو لے کر چَرانے کے لیے کسی وادی اور میدان میں پہنچے جس کے دو حصے ہیں، ایک

طرف کا حصہ سرسبز وشاداب ہے، اور دوسرا حصہ خشک ہے؛ تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر تم خشک حصہ میں جانوروں کو چرانے کے لیے چھوڑ و گے تب بھی تقدیر ہی کی وجہ سے چراؤ گے، اور اگر سرسبز حصہ میں چھوڑ و گے تب بھی تقدیر ہی کی وجہ سے چراؤ گے (لیکن مجھے بتاؤ کہ جب آپ کو فیصلہ کا اختیار ملا ہے تو ان کو چَرنے کے لیے کہاں چھوڑ و گے؟ ظاہر ہے کہ آدمی سرسبز و شاداب جگہ پر ہی چھوڑے گا۔ حالاں کہ ان کی قسمت میں پیٹ بھرنا لکھا ہے تو خشک حصہ میں بھی ان کا پیٹ بھرے گا، اور ان کی قسمت میں پیٹ بھرنا نہیں لکھا ہے تو سبز حصہ میں بھی نہیں بھرے گا؛ یہ بات تو طے ہے، پھر بھی ہم کیا کرتے ہیں؟)

حضرت عمرؓ کے اس جواب کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تشریف لائے (یہ بھی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور بڑے صحابی ہیں) جب یہ سارا مشورہ اور فیصلہ ہوا وہاں تک وہ اس جگہ موجود نہیں تھے، اپنی کسی حاجت کے لیے کہیں باہر گئے ہوئے تھے (ان کے سامنے یہ بات آئی کہ میری غیر حاضری میں یہاں ایسی باتیں ہوئی ہیں) انہوں نے کہا: اس سلسلہ میں میرے پاس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت موجود ہے (کہا گیا: ضرور بتایئے، تو انہوں نے کہا:) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جب تمہیں معلوم ہو کہ کسی علاقہ میں طاعون پھیل چکا ہے (اور تم وہاں پہلے سے موجود نہ ہو) تو وہاں مت جاؤ، اور اگر کسی جگہ طاعون پھیلا ہوا اور پہلے سے تم وہاں پر موجود ہو تو اس سے بھاگ کر اس بستی سے نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (پہلے سے نہیں تھے تو جانے کی ضرورت نہیں ہے، اور پہلے سے موجود ہو تو وہاں سے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو قسمت میں ہے وہ ہو کر رہے گا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت عمرؓ کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور واپس لوٹے (گویا انہوں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تھا۔)

افادات: - یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ۱۸ سنہ ھ ربیع الآخر کا ہے، ۱۸ سنہ ھ کے شروع میں محرم اور صفر میں شام کے علاقہ میں طاعون پھیل گیا تھا، اور بہت سارے لوگ موت کا شکار ہوئے تھے، حضرت عمرؓ کا پہلے سے شام جانے کا ارادہ تھا، لیکن جب پتہ چلا تھا کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، جب طاعون ختم ہو گیا تو آپ کو اطلاع کی گئی کہ آپ اپنا سفر شروع کر سکتے ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ مہاجرین اور انصار کے اکابرِ صحابہ کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں شام کے علاقہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ایک دمشق، دوسرا فلسطین، تیسرا حمص، چوتھا قنّسرین، پانچواں اُردن؛ گویا شام کی الگ الگ پانچ چھاؤنیاں تھیں اور ہر چھاؤنی کا ایک الگ سپہ سالار مقرر تھا، جو حضرات وہاں کے سپہ سالار تھے ان کے نام یہ ہیں: حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت خالد بن ولید، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت شرحبیل بن حسنہ، اور عمرو بن العاصؓ۔ اور ان میں سب کے سپہ سالارِ اعظم حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے۔

مہاجرین اولین

''مہاجرین اولین'' وہ حضراتِ صحابہ کہلاتے ہیں جو شروع میں ایمان لائے تھے اور جنہوں نے مدینہ منورہ اس وقت ہجرت کی تھی جب کہ قبلہ بیت المقدس تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا، سولہ یا سترہ مہینے تک وہی قبلہ رہا، اس کے بعد تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا اور بیت اللہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا۔ تو تحویلِ قبلہ کا حکم آنے سے پہلے جو لوگ ہجرت

کر کے مدینہ منورہ آئے تھے؛ ان سب کو مہاجرینِ اولین کہا جاتا ہے۔

طاعون

''طاعون'' ایک مخصوص قسم کی بیماری ہے جس کو پلیگ کہتے ہیں۔ سورت والے تو جانتے ہی ہیں (۱)، جہاں جہاں جوڑ والی ہڈی ہوتی ہے وہاں ایک گانٹھ اور گلٹی سی پیدا ہو جاتی ہے، عام طور پر بغل میں اور کبھی ران کے اندر جو جڑ ہے وہاں پر بھی نکلتی ہے، پھر اس کی وجہ سے کھال کا وہ حصہ سرخ یا سبز ہو جاتا ہے، اور اس کے نمودار ہونے نتیجہ میں آدمی کو بخار آتا ہے، قے ہونے لگتی ہے، اور ایک دو دن ہی میں معاملہ نمٹ جاتا ہے۔ طاعون اور پلیگ کی بیماری ایک وبا کی شکل اختیار کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی یہ بیماری پھیلی تھی جس کو ''طاعونِ عمواس'' کہتے ہیں۔

مناقبِ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''اے ابوعبیدہ! کاش کوئی دوسرا ایسا کہتا'' یعنی آپ کی زبان سے یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی۔ یا حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ کسی دوسرے آدمی نے ایسی بات کہی ہوتی تو کوئی بات تھی، آپ جیسا سمجھ دار آدمی ایسی بات کرتا ہے؟ اور بعض حضرات نے کہا: حضرت عمرؓ گویا یہ کہنا چاہتے تھے کہ: آپ بڑے آدمی ہیں، اگر کوئی دوسرا کہتا تو میں اس کی خبر لیتا۔

چوں کہ حضرت ابوعبیدہؓ کا مقام اونچا تھا، عشرۂ مبشرہ میں سے تھے، اور حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ: کثرتِ فتوحات نے سب کو بدل دیا لیکن ابوعبیدہ اپنے حال

(۱) ۱۹۹۳ء میں سورت میں بھی طاعون پھیلا تھا اور غیر مسلموں کی بڑی تعداد اس میں ہلاک ہوئی تھی۔ مرتب

پر ہی باقی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں آیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب انصار ثقیفۂ بنو ساعدہ میں اپنا امیر منتخب کرنے کے لیے جمع ہوئے، ادھر مہاجرین کو پتہ چلا تو ان کو سمجھانے کے لیے حضرت ابوبکرؓ اپنے ساتھ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو لے کر گئے۔ وہاں ان سے بہت ساری باتیں ہوئیں، اخیر میں حضرت ابوبکرؓ نے جو تقریر فرمائی، اس میں یہ بھی کہا کہ ان دو (یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ) میں سے جس کے ہاتھ پر تم لوگ چاہو بیعت کرلو۔ جب حضرت عمرؓ کی شہادت کا وقت آیا اس سے پہلے حضرت ابوعبیدہؓ انتقال کر چکے تھے، اس وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر حضرت ابوعبیدہؓ ہوتے تو میں انہیں کو اپنا جانشین مقرر کرتا، مجھے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا الہامی جواب

''ہم اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر ہی کی طرف جا رہے ہیں'' یعنی انسان کا کوئی بھی قول و فعل اور حرکت تقدیر سے ہٹ کر تو ہے نہیں، جو بھی ہوگا تو وہی ہوگا جو تقدیر میں لکھا ہے، اس لیے اگر تم یہ کہتے ہو کہ تقدیر سے بھاگ کر جا رہے ہو؛ تو سن لو کہ ہم یہاں سے جو جا رہے ہیں وہ تقدیر میں لکھا ہے تبھی جا رہے ہیں۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ کچھ لوگ دیہات سے آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ: اللہ کے رسول! ذرا بتلائیے کہ ہم جو کچھ پڑھ کر دم کرتے ہیں اور علاج و معالجہ یا پرہیز کرتے ہیں؛ اس سے اللہ کی تقدیر بدل جاتی ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے ہے۔

تقدیر اور تدبیر

جو لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر اور تدبیر میں لڑائی ہوتی ہے۔ تو سمجھ لو کہ دونوں میں کوئی لڑائی نہیں ہوتی۔ تدبیر کا مفید اور کارگر ہونا تقدیر میں لکھا ہے تب تو تدبیر کارگر ہوگی، ورنہ نہیں۔ تقدیر سے ہٹ کر کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں جب کوئی ایسا موقعہ آتا ہے اور ہمیں اپنی عقل و سمجھ سے فیصلہ کرنا ہوتا ہے تو آدمی فیصلہ اسی چیز کا کرتا ہے جو عقل اور تدبیر کا تقاضا ہوتا ہے۔ وہاں آدمی کا دُور دُور تک خیال نہیں ہوتا کہ میں اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو اللہ کی تقدیر سے بچا رہا ہوں۔ سیدھی بات ہے۔ مثلاً: آپ کے پاس زمین ہے، آپ اس کو بیچنا چاہتے ہیں، آپ کے پاس بہت سے پرپوزل اور فرمائشیں آئیں، اب آپ ہی بتلایئے کہ ان میں سے کونسی فرمائش کو آپ اختیار کریں گے؟ ظاہر ہے کہ جو آپ اپنے لیے مفید سمجھیں گے، حالاں کہ فائدہ آپ کے حصہ میں لکھا ہوا ہے تو کسی بھی فرمائش پر آپ عمل کریں گے تو فائدہ ہی ہوگا، اور اگر نقصان لکھا ہوا ہے تو آپ دیکھنے میں کیسی ہی اچھی فرمائش پر عمل کریں گے؛ نقصان ہی ہوگا؛ لیکن جب فیصلہ کرنے کا وقت آتا ہے تو آدمی اسی پہلو کو اختیار کرتا ہے جس میں زیادہ فائدہ نظر آتا ہے۔ گویا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، ہماری زندگی کے ہر موڑ پر جب ہمیں کوئی فیصلہ کرنے کا موقعہ آتا ہے اور ہمارے ہاتھ میں اختیار ہوتا ہے تو ہم اپنی عقل اور سمجھ و تدبیر کو سامنے رکھ یہی فیصلہ کرتے ہیں۔ آج جب ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنے کا وقت آیا کہ ہمیں اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے، یا ہمیں واپس ہو جانا چاہیے، تو ظاہر ہے کہ سمجھ و تدبیر اور عقل کا تقاضا یہی تھا کہ آگے بڑھنے کی بجائے واپس ہو جانا چاہیے، جبکہ

ہمیں معلوم ہے کہ وہاں بیماری پھیلی ہوئی ہے، اس لیے اگر میں نے یہ فیصلہ کیا تو اس میں مَیں کونسا تقدیر سے بھاگا؟ دیکھو! کیسا عجیب وغریب جواب دیا ہے اور کیسی عمدہ تعبیر اختیار فرمائی ہے!

اور اس تعلیم میں بھی دراصل بڑی حکمتیں ہیں۔ ایک آدمی پہلے سے جس جگہ ہے، وہاں ایسی کوئی وبا اور بیماری پھیلی، اگر وہاں سے یہ سمجھ کر نکل جاتا ہے کہ میں اس بیماری سے بچ جاؤں گا، اب اگر وہاں سے نکلنے کے بعد اس کو وہ بیماری نہیں لگے گی، تب تو وہ یہی سمجھے گا کہ میں وہاں سے بھاگ کر نکل آیا اس لیے میری جان بچ گئی، حالاں کہ ایسا نہیں ہے کہ وہاں سے بھاگ کر نکل آیا اس لیے موت نہیں آئی، بلکہ سیدھی سادی بات یہ ہے کہ دراصل موت لکھی ہوئی تھی ہی نہیں اس لیے نہیں آئی۔ اور اگر ایک آدمی پہلے سے وہاں نہیں تھا اور بیماری و وبا پھیل جانے کے بعد وہاں پہنچا اور اس کو موت آ گئی تو لوگ یوں بات کریں گے کہ وہاں گیا اس لیے مر گیا۔

''اگر مگر'' شیطان کا دروازہ کھول دیتا ہے

دیکھو! تقدیر کا ایک فیصلہ واقع ہونے سے پہلے پہلے کوئی تدبیر اختیار کرنے کی پوری اجازت ہے، لیکن تقدیر کا فیصلہ واقع ہو چکنے کے بعد ہمارے دل و دماغ میں جو خیالات اُٹھتے ہیں کہ اگر یوں کرتے تو یوں ہو جاتا؛ اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اسی لیے جب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی نقصان ہو جاتا (جیسے: کوئی برتن گر کر ٹوٹ گیا) اور کوئی کہتا کہ اگر ایسا کرتا تو بچ جاتا؛ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: ایسا مت بولو، اگر کوئی اور بات ہوتی تو وہی ہوتی۔ یعنی اگر اس برتن کا نہ ٹوٹنا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقدر ہوتا تو پھر نہ ٹوٹتا؛ لیکن جب وہ برتن ٹوٹ گیا تو اب کچھ مت بولو۔ گویا تقدیر کا فیصلہ

واقع ہوجانے کے بعد ایسی جو باتیں ہوتی ہیں، وہ دراصل تقدیر کا ایک طرح سے انکار ہوتا ہے جو بالکل درست نہیں ہے۔ہاں!جب تک کوئی بات وجود میں نہیں آئی اس سے پہلے تدبیریں کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،اس سے پہلے آپ جو چاہیے بولیے،مشورہ کیجئے،فیصلہ کیجئے،اس لیے کہ تقدیر میں کیا ہونے والا ہے وہ ہمارے سامنے نہیں ہے، لیکن تقدیر کا فیصلہ سامنے آچکنے کے بعد پھر ایسا بولنے کی اجازت نہیں کہ میں یوں کرتا تو یوں ہوجاتا۔

مثلاً: ایک آدمی بمبئی جارہا تھا،کسی نے اس سے کہا کہ آج مت جانا،میرا جی نہیں چاہتا کہ آج تم جاؤ،وہ کہنے لگا کہ: مجھے بہت ضروری کام ہے اس لیے میں تو جاؤں گا،اب وہ گیا اور راستہ میں ٹرین کا حادثہ ہوا اور اس کی موت واقع ہوگئی،تو وہ کہتا ہے کہ: میں نے اس سے کہا تھا کہ میرا دل نہیں مانتا،تُو مت جا،پھر بھی وہ گیا۔اگر میری بات مان لیتا تو بچ جاتا۔اس کا یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ارے بھائی!اگر اس کا بچ جانا مقدر ہوتا تو وہ تمہارا کہا ضرور مانتا۔حدیثِ پاک میں آتا ہے:''وَإِيَّاكَ وَاللَّوَّ، فَإِنَّ اللَّوَّ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ''تم ''اگر مگر'' سے بچو،اس لیے کہ ''اگر مگر'' شیطان کا دروازہ کھول دیتا ہے۔(شرح مشکل الآثار)

طاعون زدہ علاقہ سے نکلنے کی تین صورتیں

یہاں غور کیجئے کہ یہ ارشاد فرمایا ہے:''فَلَا تَخْرُجُوا فِرَاراً مِنْهُ''بھاگ کر نہ نکلو۔تو نکلنے کی تین شکلیں ہیں:

(۱) پہلی شکل تو یہ ہے کہ آدمی وہاں سے یہ سمجھتے ہوئے بھاگ کر نکلے کہ میں بچ جاؤں؛یہ تو حرام ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ پہلے سے اس کا پروگرام طے تھا، جیسے: آج کل ایک دو مہینے پہلے سے ٹکٹ بک کروا کر رکھا جاتا ہے، اور جس وقت پر وگرام طے کیا اس وقت کوئی بیماری بھی نہیں تھی، اتفاق کی بات کہ آپ کا سفر ہونے والا تھا اس کے دس پندرہ دن پہلے بیماری پھیل گئی اور خوب چل رہی ہے اور آپ کی تاریخ آ گئی، تو اب ایسا نہیں ہے کہ آپ اس بیماری کی وجہ سے جا رہے ہیں، بلکہ آپ کا پروگرام تو پہلے ہی سے طے تھا؛ تو اس میں کوئی اشکال نہیں، آپ بے تکلّف نکل کر جا سکتے ہیں۔

(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ آپ کا پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا، بیماری آئی اور آپ کا بھی کوئی کام نکل آیا اس لیے آپ وہاں سے جانا چاہتے ہیں، تو اس صورت میں جائیں یا نہ جائیں؟ تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ: نہ نکلے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کام کی وجہ سے جانا چاہتا ہے تو جا سکتا ہے، اس کے دل میں یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ میں یہاں سے جاؤں گا تو بچ جاؤں گا۔

الحمدللہ! ہمارے یہاں سورت میں جب طاعون (پلیگ) پھیلا تھا تو کمزور ایمان والے بھی مضبوطی سے جمے رہے اور اللہ تعالیٰ نے سب کو ایمان کی وہ طاقت عطا فرمائی کہ ہر ایک کہتا تھا کہ یہاں سے کوئی جاتا نہیں ہے، اگر موت آنی مقدر ہے تو یہاں بھی آئے گی، اور جہاں جائیں گے وہاں بھی آئے گی۔

طاعون زدہ علاقہ کے متعلق حکم

۱۷۹۲:- وعن أسامة بن زيد رضي الله عنه عن النبيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الطَّاعُونَ بِأَرْضٍ، فَلاَ تَدْخُلُوهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ، وأَنْتُمْ فِيهَا، فَلاَ تَخْرُجُوا مِنْهَا)) (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم سنو کہ کسی علاقہ میں طاعون (پلیگ) پھیل چکا ہے؛ تو وہاں مت جاؤ۔ اور جب کسی جگہ طاعون (پلیگ) پھیل جائے اور تم وہاں پہلے سے موجود ہو: تو وہاں سے مت نکلو۔

افادات:۔ وہاں سے نکلنے کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر سبھی بھاگ جائیں گے تو جو لوگ اس بیماری کا شکار ہو چکے ہیں ان کی خیر خبر کون لے گا۔ اور جن لوگوں کی موت واقع ہو جائے گی ان کی تکفین وتدفین کون کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ ساری ذمہ داریاں کون ادا کرے گا؟

بَابُ التَّغْلِيْظِ فِيْ تَحْرِيْمِ السِّحْرِ

جادو کے سخت حرام ہونے کا بیان

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جادو کی حرمت کی شدّت اور اس کی شناعت وقباحت کو بتلانے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے۔

جادو کی حقیقت

لفظ ''سِحر'' عربی زبان میں ایسے اثر کے لیے بولا جاتا ہے کہ جس کا سبب ظاہر نہ ہو، بلکہ مخفی ہو۔ کسی بھی چیز پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں عام طور پر ان کے اسباب ہماری نگاہوں کے سامنے ہونے کی وجہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس پر فلاں سبب کے نتیجہ میں یہ اثر مرتب ہوا ہے، جیسے: کھانا کھایا اس کی وجہ سے بھوک دور ہوگئی، پانی پیا اس کی وجہ سے پیاس دور ہوگئی، کسی نے مارا اس کی وجہ سے زخم ہوا۔ اور جتنے بھی ظاہری اسباب ہیں جب ان کے نتیجہ میں اثرات مرتب ہوتے ہیں تو ان کو ہر آدمی جان لیتا ہے، وہ اسباب آدمی کی نگاہوں اور علم میں آتے ہیں، اور اُن کو جاننے کی وجہ سے مرتب ہونے والے اثرات پر طبیعت کے اندر تعجب پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بعض اثرات ایسے ہوتے ہیں جن کے حقیقت میں تو اسباب ہوتے ہی ہیں جن کی وجہ سے اثر مرتب ہوتا ہے؛ لیکن وہ اسباب لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں؛ ایسے اثر کو عربی زبان میں ''سحر'' اور اردو زبان میں ''جادو'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور پوشیدہ سبب کبھی معنوی کلمات ہوتے ہیں جو زبان سے ادا کئے جاتے ہیں

اوران کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جیسے اچھے کلمات کی اچھی تاثیر ہوتی ہے، ویسے ہی برے کلمات کی بری تاثیر ہوتی ہے؛ لیکن عام طور پر اچھے کلمات کا اثر تو لوگوں کو معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ اچھے کلمات سب لوگوں کے سامنے کھل کر پڑھے جاتے ہیں، تو لوگوں کے علم میں ہوتے ہیں اس لیے لوگوں کو اس پر تعجب نہیں ہوتا، جیسے: کسی کو سر میں درد ہوا اور الحمد شریف پڑھ کر دم کر دیا اور وہ اچھا ہو گیا۔ کوئی دعا پڑھی اور اس دعا کا اثر ظاہر ہوا؛ یہ بھی معنوی اسباب ہی ہیں لیکن لوگ دیکھتے ہیں کہ کسی نے پڑھ کر دم کر دیا تو وہ اچھا ہو گیا اور دیکھنے والے بھی سمجھ جاتے ہیں کہ اُس نے پڑھا جس کی وجہ سے یہ ہوا، اس سے کوئی تعجب نہیں ہوتا۔

اور کچھ کلمات ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر ہوتا ہے لیکن وہ کلمات عام طور پر لوگوں کے علم میں نہیں ہوتے، ان کو زبان سے ادا کرنے کے نتیجہ میں جب کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے تو چوں کہ لوگوں کو ان کلمات کا پتہ نہیں چلتا، البتہ ان کا اثر لوگوں کے سامنے آتا ہے، اور لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، یا کانوں سے محسوس کرتے ہیں؛ اسی کو ''سحر'' اور ''جادو'' کہا جاتا ہے۔

اور یہ معنوی اثر کبھی کسی غیر محسوس شخصیات کا ہوتا ہے، وہ شخصیتیں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہوتیں، جن کو شیاطین اور جنات کہا جاتا ہے۔ جادوگر ایسے کلمات پڑھتے ہیں، یا ایسے کام کرتے ہیں جن کلمات یا کاموں کے ذریعہ سے وہ کسی شیطان اور جن کو خوش کر دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں پھر شیطان وہی کام کرتا ہے جو یہ آدمی چاہتا ہے، مثلاً: کسی کو تکلیف پہنچانی ہے، تو اب یہ شخص شیطانوں کو خوش کرنے کے لیے کچھ کلمات اپنی زبان سے بولتا ہے جن میں ان کی تعریفیں ہوتی ہیں اور ان کو بڑا بناتا ہے۔

یا پھر وہ ایسے کچھ کام کرتا ہے جو ان کو پسند ہوتے ہیں، مثلاً: نجاست میں ملوث ہونا، کسی کو قتل کر کے اس کا خون پینا، یا کسی کو قتل کر کے اس کا خون بہانا، ہمیشہ ناپاکی اور غلاظت میں رہنا، یا نعوذ باللہ شریعت کی کچھ چیزیں جن کی تعظیم واحترام ضروری ہے ان کی بے حرمتی کرنا، جیسے: قرآن کریم، اللہ تعالیٰ اور رسولِ پاک کے نام میں نجاست ڈال دینا، ایسی چیزوں سے شیاطین اور خبیث جنات بہت خوش ہوتے ہیں، اور ایسا کر کے یہ آدمی ان سے اپنا کام نکلواتا ہے۔ آج کل کی زبان میں جس کو ''سپاری دینا'' کہتے ہیں کہ کسی کو رقم دے کر خوش کر کے کسی کو مروا دینا۔ تو گویا شیطان اور خبیث روحوں کو ان کی تعریف اور ان کے پسندیدہ کام کر کے ''سپاری'' دی جاتی ہے، اور ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسا ایسا کرو، تو وہ ان کو ویسی ہی تکلیف پہنچاتے ہیں جیسی یہ چاہتا ہے۔

شیاطین سے زیادہ احمق دوسری کوئی قوم نہیں

درحقیقت ان شیاطین سے زیادہ احمق دوسری کوئی قوم نہیں ہے کہ بس ایک مرتبہ ان کی تعریف میں کسی نے چند کلمات کہہ دیئے کہ پھر سال بھر کے لیے وہ ایک ڈیوٹی پر لگ جاتے ہیں۔ انسان کا حال تو یہ ہے کہ اگر دس مرتبہ کھانا کھلاؤ تو ایک مرتبہ کام کرے گا، جتنے رشوت لے کر کام کرنے والے ہیں وہ ہر ہر کام کے لیے الگ الگ رشوت لیتے ہیں، روزانہ الگ رشوت دیتے رہو اور کام کرواتے رہو، ایسا نہیں ہے کہ ایک مرتبہ ان کو خوش کر دیا تو سال بھر کے لیے ڈیوٹی پر لگ جائیں؛ لیکن شیاطین کی قوم ایسی ہے کہ ان کی ایک مرتبہ ذرا تعریف کر دی اور کہا کہ فلاں کی آنکھ پر مسلط ہو جاؤ تو وہ آنکھ کی بینائی پر بیٹھ جاتے ہیں اور جن رگوں سے روشنی کا تعلق ہے ان پر مسلط ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی بینائی پر اثر پڑتا ہے۔ اگر کان پر مسلط کیا تو اس پر لگ جاتے ہیں،

گلے پر لگایا تو اسی پر لگے رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں تکلیف پہنچانی مقصود ہوتی ہے، وہاں سال بھر کے لیے مسلط رہتے ہیں، جب سال پورا ہونے آتا ہے تو مخصوص دن یا مخصوص وقت دوبارہ ان کی تعریف کر دی جاتی ہے اور ان کی خواہش کے مطابق کام کر دیا جاتا ہے تو پھر اس کا ''جادو اور سحر'' رینیو (Renew) ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سحر میں جادوگر جو کلمات پڑھتا ہے یا جو کام کرتا ہے ان میں شیاطین کی تعریف ہوتی ہے یا جن سے شیاطین خوش ہوتے ہیں اور ان میں اکثر کلمات اور کام کفریہ و شرکیہ ہی ہوتے ہیں اس لیے کہ ایسے ہی کلمات اور ایسی ہی حرکتوں سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ چناں چہ بعض ساحروں کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جوتے کے تلوے میں قرآنِ کریم لگایا اور اسی کو پہن کر چلتے تھے، یا حیض کا خون پلایا جاتا تھا، مطلب یہ ہے کہ قرآن کو نجاست میں لگائے رکھتے تھے، اور ناپاکی میں ملوث رہتے تھے۔ ایک ساحر کے متعلق کتاب میں لکھا ہے کہ چالیس سال تک اس نے غسل نہیں کیا، اس طرح کی گندگیاں شیاطین کو پسند آتی ہیں پھر ساحرین ان کو جو کہتے ہیں اس کے مطابق وہ کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ کلمات کے اثرات ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ غیر محسوس چیزوں (یعنی شیاطین، جنات اور خبیث روحوں) کے ذریعہ سے کام لیا جاتا ہے۔ جیسے آدمی جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں فرشتوں کی مدد آتی ہے، ایسے ہی غلط کاموں کی وجہ سے شیاطین مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں یہ قدرت دے رکھی ہے اور دنیا کا نظام اسی طرح چلتا ہے۔ تو کچھ منتر پڑھ کر دوسروں کو تکلیف پہنچانا، یا شیاطین اور خبیث روحوں کو خوش کر کے ان سے اپنے مَن چاہے کام نکلوانا؛ اسی کو سحر کہتے ہیں۔ یہ سحر کی حقیقت ہے۔

جادو سیکھنا سکھانا کفر ہے

قرآنِ پاک کی ایک آیت پیش کی ہے: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَـٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت کے جو احکام اور آسمانی کتابیں دی گئی تھی ان کو چھوڑ کر وہ لوگ جادو اور سحر کے سیکھنے سکھانے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہ سلسلہ بڑے عروج پر تھا، بعض یہودیوں نے کہا کہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام سکھاتے ہیں، گویا ان کی طرف غلط نسبت کی، تو قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی براءت ظاہر فرمائی کہ نعوذ باللہ وہ اس میں ملوث نہیں ہیں، وہ اس الزام سے پاک ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جادو سکھا کر یا سیکھ کر کفر اختیار نہیں کیا، ہاں! شیاطین ایسی حرکتیں کرتے تھے اور لوگوں کو سحر اور جادو سکھاتے تھے۔

دیکھو! یہاں قرآنِ کریم نے جادو کے سیکھنے اور سکھانے کو کفر سے تعبیر کیا ہے، چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جادو کے سیکھنے اور سکھانے میں جو کام کروائے جاتے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں آدمی کا ایمان محفوظ نہیں رہتا، اسی لیے اس کی حرمت بڑی شدید ہے۔

جادو کے متعلق اسلامی حکم

اور سحر کے متعلق اسلامی حکم یہ ہے کہ اگر کسی کے متعلق حاکمِ وقت کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے سحر کے ذریعہ لوگوں کو اذیّتیں اور تکلیفیں پہنچاتا ہے تو حاکم کو چاہیے کہ اس کو قتل کر کے لوگوں کو اس کے شر سے نجات دے۔

ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو

۱۷۹۳:- وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبيّ ﷺ قال: ((اجتنبوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ)) قالوا: يا رسول الله! وما هنّ؟ قال: ((الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وأكلُ الرِّبَا، وأكلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ)) (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہلاک کرنے والی وہ چیزیں کونسی ہیں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا (۲) جادو سیکھنا اور سیکھانا (۳) کسی ایسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدانِ جنگ میں پیٹھ پھیرنا (۷) ایمان والی ایسی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا جو برائی کی چیزوں سے بالکل بے خبر ہیں۔

جادو میں شعائر اللہ کی توہین کرنی پڑتی ہے

افادات:- یہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔ اور جادو، سحر کے سیکھنے سکھانے میں کوئی نہ کوئی کفریہ وشرکیہ کلمہ زبان سے بولنا ہی پڑتا ہے، یا کوئی نہ کوئی شرکیہ وکفریہ کام کرنا ہی پڑتا ہے، کبھی دیوی دیوتاؤں کے سامنے بھینٹ چڑھانی پڑتی ہے، ان کے سامنے سجدہ کرنا پڑتا ہے، یا قرآنِ کریم وغیرہ شعائر اللہ کی توہین کرنی پڑتی ہے۔

ایک صاحب جو ہمارے حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز ہیں انہوں نے سنایا کہ ایک ساحر نے اپنے بستر کے نیچے قرآن کے اوراق بچھا رکھے تھے اور اپنے جوتے

میں قرآن رکھوایا تھا اُسی پر وہ چلتا تھا۔ گویا ساحر جتنی زیادہ ایسی بیہودہ حرکتیں کرے گا اُتنی ہی اس کے سحر میں تاثیر زیادہ آئے گی اور شیاطین اس کی مدد زیادہ کریں گے۔

کیا قتل حلال بھی ہے؟

''کسی ایسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو'' بعض مرتبہ کوئی آدمی ایسا کام کرلیتا ہے جس کی وجہ سے اس کی جان حلال ہوجاتی ہے، مثلاً: کوئی آدمی اسلام لانے بعد مرتد ہوگیا اور کفر اختیار کرلیا تو اس کی وجہ سے اس کا قتل حلال ہوجاتا ہے۔ یا کسی نے کسی کو ناحق قتل کیا اس کی وجہ سے قصاص اور بدلہ میں اس کو قتل کرنا حلال ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر ایسا کچھ نہیں پھر بھی کسی کو ناحق قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

پاک دامن پر تہمت لگانا

اور پاک دامن عورتوں کا تذکرہ اس لیے کیا کہ عام طور پر ایسی نوبت عورتوں کے ساتھ ہی پیش آتی ہے۔ ورنہ کسی پاک دامن مرد پر تہمت لگانے کا گناہ بھی کبیرہ ہی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُسَافَرَةِ بِالْمُصْحَفِ اِلٰى بِلَادِ الْكُفَّارِ اِذَا خِيْفَ وُقُوْعُهُ بِأَيْدِى الْعَدُوِّ

کفار کی سرزمین میں قرآنِ کریم لے کر جانے کا حکم

کوئی آدمی کافروں کی سرزمین میں قرآنِ کریم لے کر جائے تو کیا حکم ہے؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ قرآنِ کریم لے کر جانے والے آدمی کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کیا جائے، یا اس کے سامان میں زیادتی کی جائے گی، اور اگر قرآنِ کریم ان کے ہاتھوں میں آ گیا تو وہ اس کی بے حرمتی کریں گے؛ تو ایسی صورت میں وہاں قرآنِ کریم لے کر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر ایسا کوئی اندیشہ نہیں ہے، بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ لوگ قرآنِ پاک کو نہیں چھیڑیں گے؛ تو اُس صورت میں قرآنِ کریم ساتھ میں لے جانے کی اجازت ہے۔

۱۷۹۴:-عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ: نَهَى رسولُ اللهِ -ﷺ- أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ دشمن کی سرزمین میں قرآنِ کریم لے کر جانے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

افادات:- یہ حکم اُس وقت ہے جب کہ قرآنِ کریم کی بے حرمتی کا اندیشہ اور غالب گمان یا یقین ہو؛ لیکن اگر ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے تو پھر قرآنِ کریم ساتھ میں لے جانے کی اجازت ہے۔

بَابُ تَحْرِيْمِ اِسْتِعْمَالِ اِنَاءِ الذَّهبِ وَاِنَاءِ الْفِضَّةِ فِيْ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالطَّهَارَة وَسَائِرِ وُجُوْهِ الْاِسْتِعْمَالِ

سونے چاندی کے برتن کو کھانے پینے اور پاکی میں استعمال میں لینا حرام ہے

ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ سونا چاندی بطورِ زیور استعمال کرنا عورتوں کے لیے جائز ہے، مردوں کے لیے جائز نہیں۔ لیکن سونے یا چاندی کا برتن کھانے پینے یا طہارت کے لیے استعمال کرنا، یا سونے چاندی سے بنا ہوا قلم، گھڑی وغیرہ استعمال کرنا کیسا ہے؟ اسی مسئلہ کو یہاں بتلانا چاہتے ہیں کہ عورت کے لیے بھی سونے چاندی کو زیور کے طور پر استعمال کرنا تو جائز ہے، لیکن زیور کے علاوہ سونے چاندی کے برتن، گھڑی، قلم وغیرہ کو استعمال کرنا اس کے لیے بھی جائز نہیں۔ سونے چاندی کے برتن، گھڑی، قلم وغیرہ چاہے مرد استعمال کرے یا عورت؛ دونوں کے لیے ممنوع اور ناجائز ہے۔

۱۷۹۵:- عن أُمِّ سلمة رَضِيَ اللهُ عنها: أنَّ رسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الَّذِي يَشْرَبُ فِي آنِيَةِ الفِضَّةِ، إنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ. (متفق عَلَيْهِ)

وفي رواية لمسلم: إنَّ الَّذِي يَأكُلُ أَوْ يَشْرَبُ فِي آنِيَةِ الفِضَّةِ والذَّهَبِ.

ترجمہ:- ام المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ اُنڈیل رہا ہے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ: چاندی اور سونے کے برتن میں کوئی آدمی کھائے، یا پانی پیئے؛ تو گویا وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کو اُنڈیل رہا ہے۔

افادات:- پہلی روایت میں صرف چاندی کا تذکرہ تھا، دوسری روایت سے معلوم ہو گیا کہ صرف چاندی نہیں بلکہ سونے کا بھی یہی حکم ہے، اور یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لیے عام ہے۔

کافروں کے لیے دنیا میں اور ہمارے لیے آخرت میں

۱۷۹۶:- وعن حُذَيفَةَ - رضی الله عنه - قَالَ: إنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - نهانا عنِ الحَرِيرِ، وَالدِّيبَاجِ، وَالشُّرْبِ في آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، وقَالَ: هُنَّ لَهُمْ في الدُّنيا، وَهِيَ لَكُمْ فِي الآخِرَةِ. (متفق عَلَيْهِ)

وفي رواية في الصحيحين عن حُذَيفَةَ - رضی الله عنه -: سَمِعْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يقولُ: لاَ تَلْبسُوا الحَرِيرَ وَلاَ الدِّيبَاجَ، وَلاَ تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ وَلاَ تَأْكُلُوا في صِحَافِهَا.

ترجمہ:- حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ریشم اور دیباج (جو ریشم کی ہی ایک قسم ہے) کو پہننے سے اور سونے چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: یہ سب چیزیں کافروں کے لیے دنیا میں ہے اور ہمارے لیے آخرت میں ہے۔

دوسری روایت میں ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ریشم اور دیباج مت پہنو، اور سونے چاندی کے برتن میں مت پیو، اور اس کی پلیٹ میں مت کھاؤ۔

سر پھوٹ جاتا

افادات:۔ بخاری اور مسلم وغیرہ میں ایک قصہ منقول ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کے علاقہ میں مدائن کے گورنر تھے، ایک مرتبہ انہوں نے ایک دیہات کے رہنے والے فارسی النسل آتش پرست مجوسی سے پانی منگوایا، وہ گاؤں کا چودھری تھا، چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وہ گلاس ایسے زور سے مارا کہ اگر لگتا تو اس کا سر پھوٹ جاتا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ لانے والا مسلمان تو تھا نہیں؛ پھر اس کو کیوں مارا؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی وجہ بھی بتلائی کہ پہلے بھی میں اس کو بتلا چکا ہوں کہ مجھے چاندی کے برتن میں پانی لا کر مت دینا، اس کے باوجود یہ نہیں مانتا، اس لیے میں نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

(صحیح بخاری، حدیث رقم: ۵۶۳۲، بَابُ الشُّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ)

برتن بدل دو

۱۷۹۷:-وعن أنس بن سِيرين قَالَ: كنتُ مَعَ أنس بن مالك-رضى الله عنه- عِنْدَ نَفَرٍ مِنَ المَجُوسِ، فَجِيءَ بِفَالُوذَجٍ عَلَى إنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ، فَلَمْ يَأْكُلْهُ، فَقِيلَ لَهُ: حَوِّلْهُ، فَحَوَّلَهُ عَلَى إنَاءٍ مِنْ خَلَنْجٍ وَجِيءَ بِهِ فَأَكَلَهُ. (رواه البيهقي بإسناد حسن)

((الخَلَنْج)): الجفْنَةُ.

ترجمہ:۔ حضرت اَنس بن سیرینؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو صحابی ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے) کے ساتھ تھا اور وہ مجوسیوں کی

ایک جماعت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، چاندی کے برتن میں فالودہ لایا گیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نہیں کھایا۔ لانے والے کو کسی نے کہا کہ یہ برتن بدل دو، چناں چہ اس نے لکڑی کے برتن میں فالودہ ڈالا، تب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کھایا۔

بَابُ تَحْرِيْمِ لَبْسِ الرَّجُلَ ثَوْباً مُزَعْفَراً

زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مرد کے لیے پہننا حرام ہے

زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہننے کی مردوں کے لیے اجازت نہیں، عورتوں کے لیے اجازت ہے، اور زعفران کو بطورِ رنگ کے کپڑوں پر لگانے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۷۹۸:- عن أنس رضی اللہ عنہ قَالَ نَهى النبیُّ ﷺ أَنْ يَتَزَعْفَرَ الرجُل. (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد کو زعفران لگانے سے منع فرمایا۔

یہ کافروں کا لباس ہے

۱۷۹۹:- وعن عبد اللهِ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قَالَ: رأى النَّبِيُّ ﷺ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ، فَقَالَ: ((أُمُّكَ أَمَرَتْكَ بِهٰذا؟)) قلتُ: أَغْسِلُهُمَا؟ قَالَ: ((بَلْ أَحْرِقْهُمَا)).

وفی رواية، فَقَالَ: إنَّ هَذَا مِنْ ثِيَابِ الكُفَّارِ فَلاَ تَلْبَسْهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے میرے جسم پر دو کپڑے عُصفُر سے رنگے ہوئے دیکھے تو فرمایا: کیا تمہاری ماں نے یہ حکم دیا ہے؟ (ایسا اس لیے کہا کہ ان کا ایسے کپڑوں کا پہننا نادانی اور جہالت کی بات تھی، اور جہالت بے پڑھے لکھے آتی ہے، اسی لیے بے پڑھے لکھے آدمی کو ''اُمّی'' کہتے ہیں)
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! کیا اس کو دھوڈالوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلکہ اس کو جلادو۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ کافروں کا لباس ہے اس کو مت پہنو۔

افادات:۔ ''عُصفُر'' ایک خوشبو ہے جو زعفران سے تیار کی جاتی ہے اور اس میں زعفران کا رنگ غالب ہوتا ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صَمْتِ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ

دن بھر خاموش رہنے کی ممانعت

پہلی امتوں میں خاموشی کا روزہ بھی ہوا کرتا تھا جس کو ''صومِ سکوت'' کہتے تھے، اور لوگ اس کی باقاعدہ منّت مانتے تھے، اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

۱۸۰۰: -عن عليّ رضی الله عنه قَالَ: حَفِظْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ -ﷺ-: لاَ يُتْمَ بَعْدَ احْتِلاَمٍ، وَلاَ صُمَاتَ يَومٍ إِلَى اللَّيْلِ. (رواه أبو داود بإسناد حسن)

قَالَ الخَطَّابِيُ فِي تَفسيرِ هَذَا الحديث: كَانَ مِنْ نُسُكِ الجَاهِلِيَّةِ الصُّمَاتُ. فَنُهُوا فِي الإِسْلاَمِ عَن ذَلِكَ وأُمِرُوا بالذِّكْرِ وَالحَدِيثِ بالخَيْرِ.

ترجمہ: -حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ دو باتیں برابر یاد رکھی ہیں: (۱) بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں (۲) دن بھر خاموشی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ نقل کیا ہے کہ: زمانۂ جاہلیت میں خاموش رہنے کو بھی عبادت سمجھا جاتا تھا، اسلام نے اس سے منع کیا بلکہ بھلائی کی بات یا ذکر کرنے کا حکم دیا۔

افادات: -ایک لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہوگئے، اب اگر اس کے والد کا انتقال ہو جائے تو وہ یتیم نہیں کہلائے گا، ہاں! بچپن میں اگر انتقال ہو گیا ہو تو وہ یتیم ہے لیکن بالغ ہونے کے بعد وہ بھی یتیم نہیں رہا۔

ایک صاحب سال میں ایک دو مرتبہ میرے پاس آتے رہتے ہیں، جب بھی آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں یتیم ہوں، میری مدد کرو۔ جب میں ان کا یہ جملہ سنتا ہوں تو مجھے ہنسی آتی ہے۔

پرانے زمانہ میں لوگ جب اعتکاف میں بیٹھتے تھے تو بولنے کو برا سمجھتے تھے، حالاں کہ مطلب یہ ہے کہ دنیوی باتیں کرنا ممنوع ہے، بھلائی کی باتیں یا ذکر کرنے کی اجازت ہے۔

عبادت سمجھ کر خاموش رہنا جائز نہیں

۱۸۰۱:-وعن قيس بن أبي حازم، قَالَ: دَخَلَ أَبُو بكر الصِّدِّيق رضى الله عنه عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا: زَيْنَبُ، فَرَآهَا لاَ تَتَكَلَّمُ. فَقَالَ: مَا لَهَا لا تتكلمُ؟ فقالوا: حَجَّتْ مصمِتةً، فقالَ لها: تَكَلَّمِي، فَإِنَّ هَذَا لاَ يَحِلُّ، هَذَا مِنْ عَمَلِ الجَاهِلِيَّةِ، فَتَكَلَّمَتْ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت قیس بن ابی حازمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ قبیلۂ اُحْمَس کی ایک عورت کے یہاں تشریف لے گئے جس کا نام زینب تھا، تو دیکھا کہ وہ عورت بالکل بات نہیں کرتی، وہاں موجود لوگوں سے پوچھا: کیا بات ہے، یہ کچھ بولتی کیوں نہیں؟ لوگوں نے بتلایا کہ اس عورت نے پورا حج خاموشی کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو سمجھایا کہ باتیں کرو؛ عبادت سمجھ کر خاموش رہنا جائز نہیں ہے، یہ تو جاہلیت کا عمل ہے، تب اس عورت نے بولنا شروع کیا۔

بَابُ تَحْرِيْمِ اِنْتِسَابِ الْاِنْسَانِ اِلَى غَيْرِ أَبِيْه وَتَوَلِّيْهِ اِلَى غَيْرِ مَوَالِيْه

آدمی کا خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا اور غلام کا اپنے آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف آزاد کرنے والا ہونے کی نسبت کرنا حرام ہے

۱۸۰۲: -عن سعد بن أَبي وقاص -رضي الله عنه-: أَنَّ النبيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ، فالجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ)). (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ: -حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے حالاں کہ اس کو معلوم ہے کہ میں جس کی طرف نسبت کر رہا ہوں وہ میرا باپ نہیں ہے؛ تو ایسے آدمی پر جنت حرام ہے۔

افادات: -زمانۂ جاہلیت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ اگر کوئی آدمی کسی کو منھ بولا بیٹا بناتا، جیسے: کسی کی اولاد نہیں ہے تو کسی دوسرے کے بچہ کو اپنا بیٹا بنالیا، تو اب جس کو منھ بولا بیٹا بنایا ہے اس کو اپنی ہی طرف منسوب کرتا تھا، یعنی منھ بولے بیٹے کو حقیقی

اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا، اور جیسے باپ کے مرنے کے بعد حقیقی بیٹا باپ کے مال میں وارث بنتا ہے اسی طرح یہ منھ بولا بیٹا بھی بیٹا بنانے والے کے مال میں باقاعدہ حقیقی بیٹے کی طرح وارث بنتا تھا۔ اور جیسے حقیقی بیٹا اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف کرتا ہے اسی طرح منھ بولا بیٹا بھی اپنی نسبت بیٹا بنانے والے کی طرف کرتا تھا۔

اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے آپ کو بڑا ابتلانے کے لیے اپنا نسب بجائے اپنے حقیقی باپ کے دوسرے کی طرف جوڑ دیا کرتے تھے، اور دوسرے کے ساتھ اپنا نسب جوڑ کر اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے بڑا ظاہر کرتے تھے۔ یا کبھی اقتصادی اور مالی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا جاتا تھا۔ جب تک اسلام میں کوئی حکم نہیں آیا تھا وہاں تک یہی سلسلہ جاری تھا۔ لیکن بعد میں قرآنِ کریم میں اس سلسلہ میں ممانعت کا حکم نازل ہوا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ دراصل یہ پیدائشی غلام نہیں تھے، بلکہ خاندانی اعتبار سے شریف النسب تھے؛ لیکن ان کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ان کے قبیلے پر دوسرے قبیلے والوں نے چھاپا مارا۔ اس زمانے میں لوٹ مار چلتی ہی رہتی تھی، ایک قبیلہ دوسرے کے اوپر حملہ آور ہو کر ان کے ساتھ زیادتیاں کرتا تھا۔ اس حملے میں دوسرے قبیلے والوں نے ان کے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کرلیا، مال بھی لوٹ لیا، اس میں حضرت زید بھی گرفتار کیے گئے، اور ان کو مکہ مکرمہ لاکر بیچ دیا، حضرت خدیجہؓ نے ان کو خریدا، جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوا تو انہوں نے ان کو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔

ادھر ان کے والدان کی جدائی میں بہت غمگین رہتے تھے، اوران کی جستجو وتلاش میں تھے کہ میرا بیٹا کہاں ہے، لوگوں سے پوچھتے رہتے، ہر آتے جاتے قافلوں سے دریافت کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ ان کے قبیلے کے کچھ لوگ مکہ مکرمہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے، انہوں نے حضرت زید کو دیکھا تو جا کر ان کے والد کو اطلاع کی کہ تمہارا بیٹا وہاں ہے۔ چناں چہ ان کے والد ان کے چچا کو لے کر مکہ مکرمہ آئے، اور معلوم کیا کہ ہمارا بیٹا کس کی غلامی میں ہے، معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں ہے، تو دونوں بھائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سارا معاملہ رکھا کہ ہمارا بیٹا آپ کے یہاں ہے اور میں اپنے بیٹے کو لینے کے لیے آیا ہوں، اور آپ تو بڑے بھلائی کرنے والے ہیں، بڑے گھرانے والے ہیں، آپ ہماری مصیبت میں مدد کیجیے اور ہمارا بیٹا ہمارے حوالہ کیجیے، اگر آپ قیمت چاہتے ہوں تو ہم قیمت بھی دیدیں گے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: ٹھیک ہے! مگر پہلے ان سے تو معلوم کرلیا جائے کہ وہ آپ لوگوں کے ساتھ آنے کے لیے تیار بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ آپ کے ساتھ آنے کے لیے تیار ہے تو میری طرف سے انکار نہیں ہے، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنے کے لیے راضی ہو تو تمہارے ساتھ زبردستی نہیں بھیج سکتا۔ ان کے والد یہ سمجھتے تھے کہ وہ تو ساتھ آ ہی جائے گا۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے والد اور چچا کو بٹھا کر حضرت زید کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ ان کو پہچانتے ہو؟ کہا: ہاں۔ پوچھا: کون ہیں؟ کہا: یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ تمہیں لینے کے لیے آئے ہیں، اگر تمہیں ان کے ساتھ جانا ہو تو میری طرف سے تم کو اجازت ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اب تک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا محبت اور شفقت والا جو سلوک اور رویہ دیکھا تھا اس کے پیشِ نظر فوراً کہا کہ: میں تو یہیں رہوں گا، میں ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ ان کے باپ ایک دم حیرت میں پڑ گئے اور ناراض بھی ہوئے کہ عجیب آدمی ہو، غلامی کی زندگی کو آزادی کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: میں نے ان سے جو سلوک دیکھا ہے اس کے بعد میں آپ لوگوں کے ساتھ آنا پسند نہیں کرتا۔ جب انہوں نے یہ کہا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد بھی کر دیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر حرم میں گئے اور آپ نے اعلان کیا کہ سب لوگ گواہ رہو کہ آج سے میں نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا۔ اور اس زمانے میں دستور یہی تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کو منھ بولا بیٹا بنالیتا تھا تو اسی کی طرف اس کی نسبت کرتے تھے، جیسے سگے باپ کی طرف کی جاتی ہے، چناں چہ لوگ ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارنے لگے۔

بعد میں جب سورۂ احزاب کی آیت نازل ہوئی ﴿أُدْعُوْهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ﴾ اگر کسی کو منھ بولا بیٹا بنایا ہے تو آج تک بیٹا بنانے والے کی طرف جو نسبت کی جاتی تھی آئندہ یہ ہونا نہیں چاہیے، بلکہ ان کے سگے باپ کی طرف ہی نسبت کیا کرو؛ یہی انصاف کا تقاضہ ہے۔ اور اگر (ان کو ایسی جگہ سے لایا گیا کہ) تم لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ ان کا باپ کون ہے، تو پھر یہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے آزاد کردہ غلام ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد ان کو زید بن حارثہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

موجودہ دَور کا غلط دستور

گویا زمانۂ جاہلیت کا یہ دستور اسلام کو قابلِ قبول نہیں ہے۔ ہاں! کوئی آدمی

کسی بچہ کی پرورش کے لیے محبت وشفقت کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہے کہ میں نے اس کو منہ بولا بیٹا بنایا ہے، اور اس نسبت سے اس کو بیٹا بیٹا کہہ کر پکارتا ہے، لیکن اس کی نسبت اپنی طرف نہیں کرتا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن آج کل مسلمان شریعت کے اس حکم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے جن کو منہ بولی بیٹی یا بیٹا بناتے ہیں اس کی باقاعدہ اپنی ہی طرف نسبت کرتے ہیں، اور شادی کے موقعہ پر اپنی بیٹی کی طرح اپنی طرف نسبت کر کے کارڈ کی تقسیم کرتے ہیں، اور اپنی طرف ہی منسوب کر کے نکاح کرتے ہیں؛ یہ شرعی حکم کی کھُلّم کھُلّا خلاف ورزی ہے۔ اور اگر کوئی آدمی اس حکم کا انکار کرتا ہے تو اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ اور اگر انکار نہیں کرتا لیکن قرآن کے اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے؛ تب بھی بڑا گنہگار ہے۔

اس نے کفر کیا

۱۸۰۳:-وعن أَبي هريرة رضي الله عنه عن النبيّ ﷺ قَالَ: ((لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ، فَهُوَ كُفْرٌ)). (متفق عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: اپنی نسبت کو اپنے باپ سے مت توڑو، اور جو آدمی اپنی نسبت اپنے باپ سے کاٹے گا (یعنی اپنی نسبت بجائے باپ کے دوسرے کی طرف کرے گا) تو اس نے کفر کیا۔

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت

۱۸۰۴:-وعن يزيد بن شريكِ بن طارِقٍ، قَالَ: رَأيتُ عَلِيّاً رضي الله عنه عَلَى المِنْبَرِ يَخْطُبُ، فَسَمِعْتُهُ يقُولُ: لَا واللهِ مَا عِنْدَنَا مِنْ كِتَابٍ نَقْرَؤُهُ إلَّا

كِتَابَ اللهِ، وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ. فَنَشَرَهَا فَإِذَا فِيهَا أَسْنَانُ الإِبِلِ، وَأَشْيَاءُ مِنَ الجِرَاحَاتِ، وَفِيهَا: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((المَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثاً، أَوْ آوَى مُحْدِثاً، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لاَ يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ صَرْفاً وَلاَ عَدْلاً. ذِمَّةُ المُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِماً، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لاَ يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ صَرْفاً وَلاَ عَدْلاً. وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ؛ لاَ يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ صَرْفاً وَلاَ عَدْلاً)). (متفق عَلَيْهِ)

((ذِمَّةُ المُسْلِمِينَ)) أيْ: عَهْدُهُمْ وأمَانَتُهُمْ. ((وأخْفَرَهُ)): نَقَضَ عَهْدَهُ.

((وَالصَّرْفُ)): التَّوْبَةُ، وَقِيلَ الحِيلَةُ. ((وَالعَدْلُ)): الفِدَاءُ.

ترجمہ:- حضرت یزید بن شریک بن طارق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں ہے جس کو ہم پڑھتے ہوں، اور یہ پرچہ ہے جس میں کچھ احکام ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلائے ہیں، چنانچہ وہ پرچہ کھولا تو اس میں اونٹوں کی عمریں لکھی ہوئی تھیں، اور اس میں یہ بھی تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مدینہ منورہ کا عیر اور ثور کا درمیانی حصہ حرم ہے۔ اور جو آدمی کوئی بدعت ایجاد کرے گا، یا کسی بدعت ایجاد کرنے والے کو پناہ دے گا، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ اس کی طرف سے نفل قبول کریں گے، نہ فرض (عام طور پر ''صَرْفاً وَلَا عَدْلاً'' کا یہی ترجمہ کیا جاتا ہے؛ لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے بعد الفاظ کا جو لغوی ترجمہ کیا ہے، وہاں ''صَرْفاً'' کا

ترجمہ توبہ اور حیلہ کیا ہے، اور ''عَدْلاً'' کا ترجمہ فدیہ کیا ہے، یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول فرمائیں گے، بلکہ اس کو عذاب ہی دیا جائے گا۔) اگر کسی مسلمان کی طرف سے کسی کو امان دی گئی، تو وہ سب کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ کم سے کم درجے کا مسلمان بھی امان دے سکتا ہے، پھر ہر شخص کو اس کے امان کا لحاظ کرنا پڑے گا۔ اور اگر کوئی آدمی مسلمان کی طرف سے دیئے گئے عہد وامان کو توڑے گا تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے اور نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔ اور جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا (یعنی اپنا نسب اپنے باپ کے بجائے دوسرے کے ساتھ جوڑا، مثلاً: زید یوسف کا بیٹا ہے اور وہ اپنے آپ کو بتلاتا ہے کہ میں محمد کا بیٹا ہوں؛ تو یہ درست نہیں) یا کسی غلام کو آقا نے آزاد کیا اور وہ اپنے آزادی کی نسبت آزاد کرنے والے کے علاوہ کی طرف کرتا ہے؛ تو ایسے آدمی پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ تو اس کی توبہ قبول فرمائیں گے نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔

افادات:۔ اس روایت میں مختلف باتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مخصوص علم تھا؟

(۱) بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کے قبیل سے کچھ چیزیں ان کو خصوصیت کے ساتھ عنایت فرمائی ہیں، گویا ان کے پاس وہ چیزیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں، اس سلسلہ میں کسی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھ لیا کہ آپ کے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور بھی ہے جو

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو مخصوص طور پر دیا ہو؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا: نہیں! قرآنِ کریم کے علاوہ کوئی اور کتاب ہمارے پاس نہیں ہے، اور یہ پرچہ ہے جس میں کچھ احکام لکھے ہوئے ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلائے ہیں۔ اور جب وہ پرچہ کھولا تو اس میں اونٹوں کی عمریں لکھی ہوئی تھیں، یعنی دیت میں جو اونٹ ادا کئے جاتے ہیں وہ اونٹ کس عمر کا ہونا چاہیے۔ اسی طرح اونٹوں میں جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کی تفصیل لکھی ہوئی تھی، اور آپس میں لڑائی کے موقعہ پر ایک دوسرے کو جو زخم لگایا جاتا ہے (جیسے: کسی کی آنکھ پھوڑ دی، کسی کا ہاتھ کاٹ دیا، کسی کا دانت توڑ دیا) تو ان کے قصاص یا دیت کے طور پر کیا واجب ہوتا ہے؛ یہ سب احکام اس پرچہ میں لکھے ہوئے تھے۔

کیا حرم مدینہ کا حکم حرم مکہ جیسا ہی ہے؟

(۲) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مدینہ منورہ کا عیر اور ثور کا درمیانی حصہ حرم ہے۔'' عیر اور ثور؛ یہ دونوں مدینہ منورہ میں پہاڑ ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کو حرم قرار دیا۔ اب یہاں ایک مسئلہ پیش آیا کہ حرمِ مکّی (یعنی مکہ مکرمہ کے آس پاس کا مخصوص علاقہ ہے جس کی حد بندی کر دی گئی ہے اور جو حرم کہلاتا ہے، اس) کے متعلق تو کچھ مخصوص احکام ہیں کہ وہاں کی تازہ سرسبز گھاس نہ کاٹی جائے، وہاں کے درختوں کو نہ اُکھاڑا جائے، وہاں کسی جانور کا شکار نہ کیا جائے۔ اس پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کوئی آدمی اگر ایسا کوئی کام کرلے گا تو اس پر جزا واجب ہوگی یعنی اس کے برابر قیمت کا صدقہ ادا کرنا پڑے گا جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں موجود ہے؛ لیکن کیا مدینہ منورہ کے متعلق بھی یہی حکم ہے؛ یا کچھ فرق ہے؟

تو علماء نے لکھا ہے کہ ویسے تو مدینہ منورہ کا بھی اپنا ایک احترام وعظمت ہے، لیکن حرمِ مکّی کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے کہ وہاں شکار کرنا جائز نہیں، گھاس اُکھاڑنا جائز نہیں، درخت کاٹنا جائز نہیں؛ یہ حکم حرمِ مدنی کے لیے نہیں ہے، ہاں! اس کی عظمت اور ادب واحترام کا پورا لحاظ ہونا چاہئے۔ البتہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ حرمِ مدنی کا بھی وہی حکم ہے جو حرمِ مکّی کا ہے، اور وہ حضرات اسی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ منورہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے۔

جسے کسی کی طرف سے بھی امان دیا گیا

(۳) اگر کسی مسلمان کی طرف سے کسی کو امان دی گئی تو وہ سب کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی بڑا آدمی کسی کو امان دے تو معتبر ہے اور کوئی چھوٹے درجہ کا آدمی کسی کو امان دے تو وہ معتبر نہیں۔ بلکہ کسی بھی مسلمان نے کسی کو امان دیدی تو اُس امان کا لحاظ کرنا اور اس کی حرمت کو ملحوظ رکھنا سب مسلمانوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی مسلمان کے دئے گئے عہد اور امان کو توڑے گا تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے اور نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔

یہ سراسر خیانت ہے

(۴) ایک آدمی کسی کا غلام تھا اور اس کو کسی آقا نے آزاد کیا، چاہے پیسے لے کر ہی آزاد کیا ہو، تو جس آقا نے اس کو آزاد کیا ہے شریعت کی طرف سے اس کو کچھ مخصوص حقوق حاصل ہوتے ہیں، اور آزاد کرنے والا اس کا ''مولائے عتاقہ'' کہلاتا ہے۔

بعض صورتوں میں اسی کو غلام کی وراثت بھی ملتی ہے، یعنی اس غلام کا کوئی نسبی وارث نہ ہو (جیسے: اس کی کوئی اولاد نہ ہو) تو اس آقا ہی کو اس کے مال میں وراثت ملے گی۔ اب اگر یہ غلام اپنے آپ کو آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے تو گویا شریعت نے آزاد کرنے والے آقا کو جو حقوق اور اختیارات دئے تھے وہ کسی دوسرے کو دینا چاہتا ہے جو سراسر خیانت ہے، اسی لیے اس پر ایسی سخت وعید ارشاد فرمائی گئی کہ ایسے غلام پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ تو اس کی کوئی توبہ قبول فرمائیں گے، نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔

سخت وعید

۱۸۰۵:-وعن أَبي ذَرٍّ رضی الله عنـه: أَنَّه سَمِعَ رَسُولَ الله ﷺ يقول: ((لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلاَّ كَفَرَ، وَمَنِ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ، فَلَيْسَ مِنَّا، وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوّ اللهِ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ)). (متفق عَلَيْهِ، وهذا لفظ رواية مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: جس آدمی نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا حالاں کہ وہ جانتا ہے (کہ میرا باپ یہ نہیں ہے) تو وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح کسی آدمی نے کسی ایسی چیز (مثلاً: کسی مکان زمین وغیرہ) کا دعویٰ کیا جس کا وہ مالک نہیں ہے ایسا آدمی ہم میں سے نہیں۔ ایسے آدمی کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ اسی طرح کسی آدمی نے کسی کو کفر کی طرف منسوب کیا (یعنی مسلمان کو کافر کہہ دیا) یا اس کو یوں کہہ دیا کہ اے اللہ کے دشمن، حالاں کہ وہ ایسا نہیں ہے؛ تو وہ بات کہنے والے کی طرف لوٹتی ہے۔

بَابُ التَّحْذِيْرِ مِنْ اِرْتِكَابِ مَانَهَى اللهُ عَزَّوَجَلَّ أَوْرَسُوْلُهُ ﷺ عَنْهُ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان کا ارتکاب کرنے سے ڈرانے کا بیان

ارشاداتِ ربّانی

باری تعالیٰ کے چند ارشادات پیش کئے ہیں۔

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾

ترجمہ:- جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان کو کوئی آزمائش پہنچے، یا وہ دردناک عذاب میں ڈالے جائیں۔

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ﴾

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے (یعنی تم اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے گا)۔

﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾

ترجمہ:- بے شک تیرے پروردگار کی گرفت اور پکڑ بڑی سخت ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾

ترجمہ:- تیرے پروردگار کی گرفت اور پکڑ کا یہ حال ہے کہ جب وہ کسی بستی کو پکڑتا ہے جب کہ وہ اس کے حکم کو توڑنے والے ہوتے ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت اور خطرناک ہے۔

اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے

۱۸۰۶:-وعن أبي هريرة-رضي الله عنه-: أَنَّ النبيَّ -ﷺ- قالَ: ((إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَغَارُ، وَغَيْرَةُ اللهِ، أَنْ يَأْتِيَ الْمَرْءُ مَا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ(متفق عليه.)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے، اور اللہ کی غیرت کی بات یہ ہے کہ آدمی وہ کام کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا (یعنی جس کام سے منع کیا اُس کام کو کرے گا تو اللہ تعالیٰ پکڑیں گے)۔

بَابُ مَايَقُوْلُهُ وَيَفْعَلُهُ مَنِ ارْتَكَبَ مَنْهِيًّا عَنْه

کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے منع کئے ہوئے کسی کام کا ارتکاب کرے؛ تو اس کی تلافی کیا ہے؟

قرآنی آیات

﴿وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ﴾

ترجمہ:- اگر شیطان تمہیں پھیر دے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہو۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ شیطان کی طرف سے اگر وسوسہ ڈالا جائے اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے پھیرنا چاہے تو ایسے موقعہ پر تم اللہ کی پناہ حاصل کرو، اور اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت پر جمائے رکھو۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾

ترجمہ:- بے شک جو لوگ ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچتا ہے، اور اللہ کی نافرمانی پر اُبھارنے والا اُبھارتا ہے تو وہ چوکنّا ہو جاتے ہیں، وہ اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اللہ کی ذات کا استحضار کر لیتے ہیں، ان کی آنکھیں کھُل جاتی ہیں اور وہ اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ. أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾

ترجمہ:- وہ لوگ جب کوئی گناہ کا کام کرتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں (یعنی اس کے عذاب کو یاد کرتے ہیں) اور اپنے گناہوں سے معافی چاہتے ہیں، اور سوائے اللہ کے گناہوں کو کون معاف کرے گا۔ اور جو کام انہوں نے غلط کئے اس پر اَڑے اور جمے نہیں رہتے یہ جانتے ہوئے کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ غلط ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت یعنی گناہوں سے معافی ہے اور ایسے باغات و جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور نیک عمل کرنے والوں کا بڑا ہی اچھا بدلہ اور اجر ہے۔

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! اللہ کی طرف رجوع کرو، توبہ کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

افادات:- ان ساری آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے، یا کوئی غلط بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اس غلطی کا احساس کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور اپنے گناہ سے توبہ کرنی چاہیے۔

گناہ کی تلافی

۱۸۰۷:- وعن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن النبيِّ -ﷺ- قال: ((مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ)). (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کسی نے قسم کھائی اور اس میں یوں کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم، تو اس کو چاہیے کہ لا الٰہ الاّ اللہ کہے۔ اور کسی آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ: آؤ! جوا کھیلیں، تو اس کی تلافی یہ ہے کہ صدقہ کرے

افادات:- چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسی قسمیں کھانے کے عادی تھے، اسلام لانے کے بعد پرانی عادت کی وجہ سے کبھی بھول سے زبان سے ایسا جملہ نکل جاتا تھا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر نادانستہ ایسا جملہ زبان سے نکل جائے تو اس کی وجہ سے آدمی کافر تو نہیں ہوگا؛ لیکن اس کی تلافی میں لا الٰہ الاّ اللہ کہہ دے۔ اور اگر جان بوجھ کر ایسی قسم کھائی ہے تو آدمی کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح کسی آدمی نے اپنے ساتھی سے بھولے سے کہہ دیا کہ آؤ! جوا کھیلیں، حالاں کہ جب اسلام نے جُوے کو حرام قرار دیا تو اس نے چھوڑ دیا تھا؛ لیکن بے خبری میں ایسا کہہ دیا؛ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی تلافی یہ بتلائی کہ صدقہ کر دے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس رقم کے جیب میں ہونے کی وجہ سے یہ جذبہ پیدا ہوا تھا، اُسی رقم کو صدقہ کر دے گا؛ تب ہی تلافی ہوگی۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ کوئی غلط بات زبان سے نکل جائے تو فوراً توبہ اور استغفار کے ساتھ اس کی تلافی کر لینی چاہیے، اور ساتھ ہی ساتھ کوئی ایسا نیک کام بھی کر لینا چاہیے، تب ہی اس کے نامۂ اعمال میں بجائے گناہ کے نیکی لکھی جائے گی۔